نعت شریف

ایسا کوئی محبوب نہ ہو گا نہ کہیں ہے
بیٹھا ہے چٹائی پہ مگر عرش نشیں ہے

ملتا نہیں کیا کیا دوجہاں کو ترے در سے
اک لفظ نہیں ہے کہ ترے لب پہ نہیں ہے

ہیں تیرے ہوا خواہوں میں مرسل بھی نبی بھی
کونین ترے زیر اثر زیر نگیں ہے

تو چاہے تو ہر شب ہو مثال شب اسریٰ
تیرے لئے دو چار قدم عرش بریں ہے

ہر اک کو میسر کہاں اس در کی غلامی
اس در کا تو دربان بھی جبریل امیں ہے

رکتے ہیں یہیں آ کے قدم اہل نظر کے
اس کوچے سے آگے نہ زماں ہے نہ زمیں ہے

اے شاہ زمن اب تو زیارت کا شرف دے
بے چین ہیں آنکھیں مری بے تاب جبیں ہے

دل گریہ کناں اور نظر سوئے مدینہ
اعظم ترا انداز طلب کتنا حسیں ہے

محمد اعظم چشتی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کس کی جستجو آوارہ لگتی ہے تجھے؟

پیر بابا اور رحمٰن بابا کے مزارات کا اسیر ہو جانا پاکستان کے دس کروڑ سنیوں کی دنیا میں قدرے تحرک کا سبب بن رہا ہے۔ ان کی سوچیں نئے دائروں میں داخل ہوئی ہیں۔ زندگی کے جو شعلے ان کے ہاں سرد ہو چکے تھے کسی نے نواز نے پھر سے انہیں آمادہ تپش کیا ہے۔ وہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ اعدائے دین کی سازشی تدبیریں زلزلہ کی صورت میں ہر چیز کو زیر وزبر کر رہی ہیں۔ سوات سے لے کر وزیرستان تک فکری اور عملی نظام مختل ہو چکا ہے۔ جن سے دوستی ہونی چاہیئے انہیں دشمن بنایا جا رہا ہے اور جنہیں دشمن سمجھنا چاہیئے ان سے دوستی کے رشتے استوار کئے جا رہے ہیں۔ آپ محسوس کریں گے کہ ہر چیز غلط جگہ پر نظر آئے گی۔ نظام ظلم کو نظام عدل قرار دیا جا رہا ہے۔ بھیڑیوں کو گلہ کی نگہبانی سپرد کی جا رہی ہے۔ فساد کو آبادگی کی سندیں مل رہی ہیں۔ جہاد کو فساد بنانے والے اللہ کے بندوں کو خانہ زاد سمجھ بیٹھے ہیں۔ دھوکہ سازیاں اور حیلہ گریاں اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہیں۔ رجال اُمت ضائع کئے جا رہے ہیں۔ پنچایتیں صرف اس لئے رہ گئی ہیں کہ جرائم کے نت نئے طریقے ایجاد کئے جائیں۔ نام نہاد مجاہدوں کے مورچوں سے بدمستی اور بداخلاقی کی بو آ رہی ہے۔ انسانوں کو ذبح کرنے کی تدبیریں بنائی جا رہی ہیں۔ ایک مجاہد فی سبیل اللہ نے اعلان کیا مجھے سرحد سے فارغ ہونے دو میں پنجاب کے مشائخ سے خود نبٹ لوں گا۔ ادھر مشائخ ہیں کہ لکڑی کے تختوں کی طرح بے کار پڑے ہیں۔ کون ہو جو انہیں جوڑ کر جہاز بنا لے جس سے منزل کی دہلیز پر پہنچنا آسان ہو۔ سنی اتحاد کونسل کے فورم پر اذانیں سنائی دینے لگی ہیں لیکن لگتا ہے یہ اذانیں عبادت کے لئے نہیں دفع ضرر کے لئے دی جا رہی ہیں۔ ہماری حکومت کی حالت یہ ہے کہ زندگی کا معیار ایک طرف اس قدر بلند کر دیا ہے کہ افراد دودھ اور عرق گلاب میں نہا رہے ہیں۔ رہنا سہنا کھانا پینا تکلف اور تجمل کا شکار ہو چکا ہے۔ زرکشی اور زرگیری مذہبی مسلک بن کر رہ گئے ہیں۔ قوم کے خیر خواہ اپنی دولت اور سرمایہ مغربی بینکوں میں رکھ کر سود کھا رہے ہیں۔ عیاشیوں کے سامان میں نئی نئی اختراعیں سامنے آ رہی ہیں۔ سود خوری کے چسکے اور مغرب میں جائیداد سازی کے نشہ نے ملک کے اندر کارخانے لگانے کی حوصلہ شکنی کر دی ہے دوسری طرف کا شکار وں، مزدوروں اور عام لوگوں پر محصولات کا بوجھ بڑھایا جا رہا ہے۔ بجلی چودہ چودہ گھنٹے بند رہتی ہے۔ غریب اور مفلس لوگ دو وقت کی روٹی کے لئے محتاج ہو رہے ہیں۔ انسان کو گدھا اور بیل بنانے کی عالمی سازش ہو رہی ہے۔ جنسی ترغیبات نے انسان سے ہوش وحواس چھین لئے ہیں۔ عبادت گاہیں فرقوں میں فرقے پیدا کر رہی ہیں اور خانقاہیں عیاشی کے نشان بن چکی ہیں۔ دینی فکر کی اہمیت ضائع ہو رہی ہے۔ نوجوان بچے موبائل ہاتھ میں اٹھائے برہنہ تصویروں کا بے لذت شکار کر رہے ہیں۔ ان کی صحتیں اجڑتی چلی جا رہی ہیں، صحبتیں پائمال ہو چکی ہیں۔ اس عالمگیر فساد کا قرآنی نقشہ ملاحظہ ہو:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ

يَرْجِعُوْنَ ۝ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ۝ (سورہ روم: ۴۱ تا ۴۲)

خشکیوں اور دریاؤں میں فساد پھیل گیا لوگوں کی دست کمائیوں کی وجہ سے تاکہ وہ مزہ چکھائے لوگوں کے کرتوتوں پر ممکن ہے وہ باز آجائیں۔ فرمائیے! زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا ان کی اکثریت شرک کرنے والوں کی تھی۔

قرآن حکیم کی اس تلقین یا تمکین میں فساد کو ختم کرنے کا راستہ سمجھا دیا گیا ہے

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ

تاکہ وہ لوٹ جائیں

پیغمبروں کے راستے پر قائم ہوں، اشرف الانبیاء کا اسوہ اپنائیں، سیرت طیبہ سے استفادہ کریں، کوئی کرے نہ کرے رسول اللہ ﷺ سے محبت کے رشتہ میں استوار لوگ اطاعت رسول اور محبت رسول کی باقاعدہ تحریک چلائیں۔

نظریاتی اعتبار سے پوری دنیا کے تمام لوگ کسی نہ کسی سطح پر الحاد اور دہریت بلکہ بہیمیت کی لپیٹ میں آرہے ہیں۔ مسخ شدہ زندگی کے خوفناک تصورات ابھر رہے ہیں ایک سطحی اور احمقی مغربیت کا دور دورہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے ضمیروں کو زندہ کیا جائے، ایمانی شعور کے دروازوں پر دستک دی جائے، احتساب نفس کا تحرک عام کیا جائے۔ میں پھر ایک بار اس حقیقت کے اظہار میں اعادہ کرنا چاہوں گا کہ مشائخ اور علماء کو اپنا اصل کام اخلاص کی حقیقت کے ساتھ سرانجام دینا چاہیے۔

یہ بات خوشی کی ہے کہ جماعت اہل سنت پاکستان ارض وطن کے اندر محبت پاکستان کی نہضت کے لئے صبح شام ایک کر رہی ہے۔ استحکام پاکستان، تحفظ پاکستان اور ملک بچاؤ سیمینارز اور کانفرنسز منعقد ہو رہی ہیں۔ شعراء جماعت کے پلیٹ فارم پر محبت وطن کے گیت گا رہے ہیں۔ علماء اپنی بہروار خطابت سے لوگوں میں قربانیوں کا جذبہ پیدا کر رہے ہیں۔ سوات، وزیرستان اور دیر و بونیر کے دہشت زدہ اور خوف خوردہ لوگ جو کھلے آسمان تلے استغاثہ اور استمداد کرتے ہوئے تڑپ رہے ہیں، ان کے دکھوں کی چبھن کو جماعت اہل سنت کا ایک ایک کارکن اپنی شہ رگ کا سرمایہ جان کر فوج اور ملک کی حفاظت کرنے والوں کے شانہ بشانہ کھڑا ہے لیکن مذہبی جماعتوں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اسلام کی بالادستی کی کاوشوں سے دست کش نہ ہوں اور حکومتوں کے ہاتھ کی خشک چوب نہ بنیں بلکہ تر و تازہ درخت بن کر مظلوموں اور پناہ گیشوں کو آماجگاہ مہیا کریں، ورنہ ہماری مجموعی حالت اس سے مختلف نہیں جو اکبر کے ایک شاہ پرست درباری عالم ابو الفضل نے اپنے آقا کے سامنے بیان کی تھی۔

اکبر نے کہا تھا کہ ملک کے مختلف طبقات کو مٹھی میں رکھنے کا طریقہ کیا ہے؟

ابوالفضل نے کہا آپ بڑی صلاحیت والے ہیں زمانے بھر کے لوگ آپ کی مٹھی ہی میں تو ہیں جو سر اٹھائے اس کا بھرکس نکال دیا جائے۔

اکبر: وزرائے سلطنت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

ابوالفضل: ظل اللہ کی پیشانی کے اتار چڑھاؤ پر ان کا وجود ہے ناراضگی کی ایک شکن ابھرے تو وہ اپنے مدفن میں جا پہنچیں۔

اکبر: علماء؟

ابوالفضل: وہ آپ کے دست پناہ ہیں۔

اکبر: مشائخ؟

ابوالفضل: کچھ گوشہ نشیں ہیں جن سے کوئی خطرہ نہیں باقی خوشہ چیں ہیں۔ غم ہی نہ کھایا جائے۔

اکبر: راجے مہاراجے؟

ابوالفضل: جہاں پناہ! بستر عیش پر دن کو سونے والے اور رات جاگنے والے آپ کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔

اکبر: تاجر؟

ابوالفضل: وہ صرف نفع اور فائدے کے لئے جیتے ہیں انہیں یہ گھاس ڈالتے رہیں۔

اکبر: رعایا؟

ابوالفضل: وہ اپنے بادشاہ کے پرستار ہوتے ہیں۔

علمائے کرام کو دین مبین کا کام کرتے ہوئے انسانی طبیعت کے قفل میں درست، موزوں اور کارگر چابی لگانی چاہیے۔ عزم و ہمت کے ساتھ دو کام ساتھ ساتھ آگے بڑھاتے جائیں۔ اسلام کے نظریاتی اور روحانی سرمایہ کا ابلاغ اور پاکستان کی محبت اور استحکام کا جذبہ ارزاں کرنا۔ مشائخ عظام کو دعوت و اصلاح کا کام صحیح راستے سے کرنا چاہیے اور لوگوں کی گردنیں طاغوت سے چھڑوانی چاہئیں نہ کہ طاغوت آزمائی کے موقعوں کی تلاش منشور حیات بنا لی جائے۔ قلم کاروں کو چاہیے کہ امہ کا کاز حکمت عملی، منطق اور استدلال سے پیش کریں۔ علم و عرفان کے تیر جاہلیت کے نشانہ پر بیٹھنے چاہئیں بلکہ جہالت کے جگر سے پار ہونے چاہئیں۔ تاجروں کو چاہیے کہ نظام استحکام جب خطرے میں ہے وہ اپنی دولت پر سانپ بن کر نہ بیٹھ جائیں، اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ مظلوموں، ضرورت مندوں اور مفلسوں کے سر پر ہاتھ رکھیں۔ مسلمان ممالک کی رعایا کو بادشاہ پرستیاں، خرمستیاں اور لاپرواہیاں چھوڑ دینی چاہئیں اور رسول اللہ ﷺ کی راہوں پر جم جانا چاہیے اور ہر حالت میں عقیدہ و یقین اور عمل اور روحانیت کی حفاظت کے لئے کمربستہ ہو جانا چاہیے۔

ہم سب کو قرآن حکیم کی یہ آیت غور سے پڑھنی چاہیے!

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ۝ (العنکبوت: ۲ تا ۳)

"کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ محض یہ کہنے سے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور وہ آزمائش میں نہیں ڈالے جائیں گے۔ اور بے شک ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو بھی آزمائش میں ڈالا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کے نشان قائم فرمادے اور جتادے کہ کون جھوٹے ہیں"۔

کامیابیوں اور فائز المرامیوں کے دروازے اس قوم کے لئے کھلتے ہیں جو مشکلات، ابتلا اور مصائب کے صحرا عبور کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ۝ (البقرہ: ۲۱۴)

کیا تم خیال کرتے ہو کہ جنت میں یونہی داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تمہیں وہ کچھ پیش نہیں آیا جیسا کہ تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو پیش آیا تھا پہنچی ان کو تنگ دستی اور طرح طرح کی تکلیفیں اور انہیں ہلا کر رکھ دیا گیا یہاں تک کہ عرض کرنے لگے رسول اور ان کے ساتھی جو ایمان لائے تھے جانے کون سا وقت ہوگا کہ نصرت الٰہی یاوری فرمائے گی سن رکھو کہ اللہ کی مدد یقیناً قریب ہوتی ہے۔

اے اللہ!

میری قوم کو روحانی منزل نصیب فرما۔

اے کریم!

ہمارے گناہوں کو معاف کر دے۔

اے ہمارے سننے والے!

پہلوں کا سا بوجھ ہم پر نہ ڈال۔

مسلمان ملکوں کی عموماً اور پاکستان کی خصوصاً مدد فرما۔

اور

نا سمجھوں کو سمجھ عطا فرما

آمین یارب العالمین

بحق سید المرسلین صلی اللہ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ اجمعین

راہ شہادت کا مقدس مسافر

عالم اسلام کے نئے ابصار اور پاکستان کی حفاظت کے لئے ہمہ دم بر سر پیکار ڈاکٹر سرفراز نعیمی منصب شہادت پر سرفراز ہو گئے۔ مولانا سرفراز نعیمی جمعۃ المبارک کو نماز ادا کرنے کے بعد اپنے دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ناپاک ارادوں کے تعفن میں ایک خودکش حملہ آور نے انہیں جامعہ کے چار طلبہ اور ان کے معتمد خاص کے ساتھ شہید کر دیا۔

واضح رہے کہ تنظیم المدارس پاکستان کے جنرل سیکرٹری اور جامعہ نعیمیہ کے مہتمم مولانا نعیمی خودکش حملوں کے مخالف اور سوات آپریشن کے حامی تھے۔ اہل سنت کی طرف سے استحکام پاکستان کے لئے عوام میں بیداری کی لہر پیدا کرنے والے قائدین میں پیش پیش تھے۔ سرفراز نعیمی کے بدن میں سیماب صفت روح تھی۔ وہ اقدار عالیہ کے پائمال ہونے پر ہر وقت تڑپتے رہتے تھے۔ اتحاد امت کے درد نے انہیں مرنجاں مرنج بنا دیا تھا۔ تعجب ناک امر یہ ہے کہ سرفراز نعیمی کے روابط تمام مسالک کے رہنماؤں سے برابر استوار تھے۔ لگتا ہے کہ ارض وطن میں شخصیات کے شکاری مذہبی تنافر کو ایک ذریعہ کی حیثیت سے استعمال کر رہے ہیں۔ ان کا اصل ہدف ملک کو کمزور کر کے ایٹمی اثاثوں تک رسائی ہے۔ اہل عقد و کشا کو وطن کی حفاظت کے لئے اپنی پالیسیوں پر نظر ثانی کرنی چاہیئے۔ اپنی صفوں کو ترتیب دینے کے لئے محب وطن قیادتوں کو اعتماد میں لینا چاہیئے۔ وہ گرم لہو جو صیہونی اور بھارتی ایجنسیوں کی سازشوں کے ساتھ وطن کو کمزور کرنے کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس کا رخ پلٹنے کے لئے واضح، دور رس اور حکمت مآب راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔ اس بات میں بھی شک نہیں کہ اہل سنت کے علماء اور مشائخ جو پاکستان کے استحکام کے اصل علمبردار ہیں ان کی سیکورٹی کی طرف حکومت نے کبھی توجہ نہیں دی۔ مولانا سرفراز نعیمی شہید پاکستان ہیں۔ ان کی روح ہم سب کو درس دیتی ہے کہ ہم اسلام اور پاکستان کی حفاظت کے لئے یکجان اور یک آواز ہو جائیں۔

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید فرقان حمید کی تفسیر "تبصرہ" کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورہ الیل کی تفسیر پیش کر رہے ہیں (ادارہ)

سید ریاض حسین شاہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ﴿۱﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ﴿۲﴾ وَ
مَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ﴿۳﴾ اِنَّ سَعْيَكُمْ
لَشَتّٰى ﴿۴﴾ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ
بِالْحُسْنٰى ﴿۶﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْۢ
بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ﴿۸﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ﴿۹﴾
فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴿۱۰﴾ وَمَا يُغْنِىْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا
تَرَدّٰى ﴿۱۱﴾ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ﴿۱۲﴾ وَاِنَّ لَنَا
لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿۱۳﴾ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا
تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾ لَا يَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِىْ
كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِىْ
يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ
نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ
الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾

قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے (۱) اور قسم ہے دن کی جب وہ خوب روشن ہو جائے (۲) اور اس کی قسم جس نے نر اور مادہ پیدا کیے (۳) بے شک تمہاری کوشش مختلف قسم کی ہے (۴) پس وہ جس نے نوازا اور تقویٰ اختیار کیا (۵) اور اچھی بات کی تصدیق کی (۶) تو بہت جلد ہم آسان کر دیں گے اس کے لیے آسان زندگی (۷) اور وہ جس نے بخل کیا اور بے پروائی کی (۸) اور اچھی بات کو جھٹلایا (۹) تو بہت جلد ہم اس کے لیے آسان کر دیں گے مشکل زندگی (۱۰) اور اس کا مال اس کے کام نہ آئے گا جب وہ گرے گا (۱۱) بے شک ہدایت سے نوازنا ہمارے ذمہ ہے (۱۲) اور بے شک ہم ہی مالک ہیں آخرت اور دنیا کے (۱۳) پس میں نے تمہیں بھڑکتی آگ سے ڈرا دیا ہے (۱۴) اس میں نہیں جلے گا مگر وہی جو بڑا بد بخت ہوگا (۱۵) وہ جس نے جھٹلایا اور رُخ پھیرا (۱۶) اور اس سے دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہوگا (۱۷) وہ جو تزکیہ کے لیے اپنا مال دے گا (۱۸) اور کسی کا اُس پر احسان نہیں جس کی وہ جزا دے (۱۹) سوائے اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی رضا چاہتا ہے (۲۰) اور بے شک قریب ہے کہ وہ خوش ہوگا (۲۱)

سورہ "الیل" بشارت و انذار کا فریضہ سرانجام دینے والے محبوب رسول کے سینہ پر مکی زندگی میں نازل ہوئی یہ اکیس آیات پر مشتمل سورہ ہے

قرآن مجید کا یہ سورہ عظیمہ عجیب اور حیرت ناک ابصار کے ساتھ مطلعِ علم پر طلوع ہوتا ہے۔ پہلے اس میں تین قسمیں بیان کی گئی ہیں، ہر قسم میں ایک کیفیت سمو دی گئی ہے۔ رات اور دن کے تضاد کو نصاب فکر بنا دیا گیا اور پھر ان دو میں سے ہر ایک کی ایک کیفیت بیان کر دی گئی۔ رات ہے تو وہ چھائے جا رہی ہے اور دن ہے تو وہ روشن ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ قسم صداقت اور رسوخ اور پختہ علم کا تحفہ لے کر رات اور دن کے روبرو رہنے والے غلاف کے اندر سمیٹ کردہ کیفیتوں، دو اثرات کو قاری قرآن کے وجدان میں اتار دیتی ہے۔ انسانی ذہن ابھی آفاق کی وسعتوں میں گم حیرت وتجسس لئے غور وفکر میں مشغول ہوتا ہے۔ انسانی تخلیق ''النفس'' کے حوالے سے تذکیر اور تانیث کا صفحہ کھول دیتی ہے۔ یہ حوالے، یہ قسمیں، یہ کیفیتیں، یہ اسالیب اس حقیقت کو بے نقاب کر دیتے ہیں کہ انسان اپنی تگ وتاز، سعی، کاوش اور اعمال وافعال کے حوالے سے مختلف رویے، مختلف اخلاق اور سوچوں کے مختلف زاویے رکھتا ہے۔ اس کے فوراً بعد قرآن مجید جولانگاہ حیات میں کردار اور عمل کے دو رخ واضح اور دوٹوک انداز میں بیان کر دیتا ہے۔

پہلا رخ: اعطا، تقویٰ اور حسنیٰ کی تصدیق ہے۔

بلکہ

دوسرا رخ: بخل، لاپرواہی اور حسنیٰ کی تکذیب ہے۔

سورہ الیل میں اعطا، تقویٰ اور حسنیٰ کا مطالعہ سورت کی جان ہے اور یہ بھی کہ بخل، لاپرواہی اور حسنیٰ کی تکذیب کے برے اثرات، کتاب پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیتی ہے۔ دو، دو اور دو کا جمالیاتی مطالعہ جنت کی لذتیں اور دوزخ کی پُر درد چیخیں قرآن پڑھنے والے کے دل میں اتار دیتا ہے۔ تلاوت کرتے ہوئے بعض روحیں جنت الماویٰ کے حسن سے ہمکنار ہو کر خوش خوش اور خوش دکھائی دیتی ہیں اور بعض روحیں جیسے دوزخ کے شعلے اپنے سامنے دیکھنے لگ جاتی ہیں۔ بلاشبہ سورہ الیل جلے جلے، واہ واہ اور ہائے وائے کی دردناک آواز کا مجموعہ بن جاتی ہے۔

''سورہ الیل'' کی فضیلت ابی بن کعب ﷜ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے یہ سورہ پڑھی اللہ سبحانہ اس کو اتنا عطا فرمائے گا یہاں تک کہ وہ خوش ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اسے مشاکل سے نجات بخشے گا اور اس کا ہر کام آسان فرما دے گا۔ (الوسیط فی تفسیر القرآن المجید: ابوالحسن علی بن احمد الواحدی النیسابوری)

ابن سیرین فرماتے تھے:

جس شخص نے اس سورت کو خواب میں پڑھا اس کی عزت کا پردہ چاک ہونے سے محفوظ رہے گا۔

سورہ کا عمود خدائے بزرگ وبرتر کی خوشنودی اور رضا ہے اور یہ بھی کہ اس سورت میں تصدیق وتکذیب، تبشیر وتقدیر، شقاوت اور تقویٰ، سخاوت اور کنجوسی، بننے اور بگڑنے کی تمام جہتوں کو اچھی طرح واضح کر دیا گیا ہے۔ آیات فہم وذکا کے اکیس پھول بھی ہیں اور انذار اور توبیخ کے اکیس زناٹے بھی ہیں۔ بات مقدر اور طلب میں تحریک اور تشویق کی ہے جس کا جو حصہ ہوتا ہے اسے مل ہی جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس ﷜ فرمایا کرتے تھے کہ یہ سورت سخاوت اور کنجوسی کے بیان میں نازل ہوئی۔ (فتح القدیر: شوکانی)

جابر بن سمرہ ﷜ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ ظہر اور عصر کی نماز میں یہ سورتیں تلاوت فرماتے۔

اس پر حضرت انس ﷜ کا بھی ایک تائیدی قول موجود ہے واللہ اعلم (فتح القدیر: شوکانی)

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝

قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے

یہ ایک فکر انگیز قسم ہے۔ رات کی تاریکی پردے کی طرح کرہ زمین پر بچھ کر اسے اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے۔ آفتاب کے چہرے پر جیسے کسی نے پردہ ڈال دیا ہو۔ پرسکوت لمحے، دبیز سیاہی، گھٹا ٹوپ اندھیرا اور چھا جانے والی ظلمتیں ایک حالت ہے جس کی تاثیر وحقیقت، اس کی اہمیت اور افادیت قرآن حکیم بیان کرتا ہے۔ یہ کائناتی معجزہ، یہ تکوینی انقلاب اور یہ گہرا اثر ہر انسان خود ملاحظہ کرتا ہے، اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ شاید قرآن حکیم کا اشارہ ان حالات کی طرف ہو جو حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے دنیا کو پیش آ رہے تھے۔ کفر اور شرک کی ظلمتیں کو بہ کو اور سو بہ سو پھیلی ہوئی تھیں، جیسے گہری چھائی ہوئی راتوں کا سینہ بالآخر آفتاب کی کرنیں چیر لینے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ سچی اور صادق قیادتیں بلاشبہ اپنے سفر کا آغاز ظلمتوں اور اندھیروں سے کرتی ہیں لیکن آخر کار روشن مستقبل کے نشانات تک اپنی قوموں کو پہنچانے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ ممکن ہے رات سے مراد نبوت کی رہنمائی سے پہلے ہر چیز کے بے نام ونشان اور بے وقعت ہونے کی طرف اشارہ ہو، بلاشبہ دن اگر علم وحقیقت کا چراغ ہے تو رات حیرت اور استعجاب کا ایک عقدہ ہے جو ذہن اس عقدے کو کھول نہیں سکتا اور حیرت کی اس وادی

میں قدم رکھ نہیں سکتا وہ سچائیوں کی فروزاں شمعوں کا قدر دان نہیں بن سکتا ہے۔ رات صرف رات نہیں ہوتی وہ شب برات بھی بن سکتی ہے اور شب کے اندھیرے صرف شب کے اندھیرے نہیں ہوتے ان میں نزول قرآن کا چراغاں بھی ہو سکتا ہے۔ یقیناً یہ راتیں لیلۃ القدر بن جاتی ہیں۔ رات کی قسم کا اصل مدعا تو وقت کی قدر اور قیمت پہچاننا ہے۔ رات کی قسم کے بعد دوسری قسم ملاحظہ ہو۔

وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ ۝

اور قسم ہے دن کی جب وہ خوب روشن ہو جائے

یہ ایک قسم بھی ہے شعور کی، ایک تحریک بھی ہے اور متقابل مظاہر میں سے نظر آنے والا یہ جلوہ بھی ہے۔ دن جب روشن ہو کر ظاہر ہوتا ہے تو وہ ہر چیز کو ظاہر کر دیتا ہے۔ حق اور باطل کے تزاحم اور کشمکش میں "غلبہ حق" کے لئے ایک اشارہ بھی ہے۔ رات اور دن جیسے اپنے ورود اور ظہور میں متسلسل ہیں، ایسے ہی اپنے اثرات کے اعتبار سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ رات میں سکوت ہے اور دن میں ظہور اور اظہار ہے۔ رات سمیٹتی ہے اور دن بکھیرتا ہے۔ رات رازوں اور محبتوں کی منزل ہے اور دن مشاہدہ اور شہود کی تکمیل ہے۔ رات چھا جائے تو زلف عنبریں کا استعارہ ہے اور دن روشن ہو جائے تو کاکل پیچاں سے جلوہ گلگوں روئے درخشندہ کی تعبیر ہے۔ رات کہتی ہے آجا آجا اور دن کہتا ہے چھا جا چھا جا۔ رات عیبوں کا چھپا لینا ہے اور دن عادات بدل کر روشنیوں کے روبرو کر لینا ہے۔ گردش شب و روز میں بڑے معانی پوشیدہ ہیں۔ انسانی ذہن اور قلب پر رات اور دن بڑے گہرے اثرات مترتب کرتے ہیں۔ محو گردش لیل و نہار سے انسان بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔ راتوں میں ستارے اور چاند اور دن میں سورج اور اس کی روشن کرنیں کسی دولہا کے لئے حسن کی باراتی ہے۔ دیکھنے والی آنکھ کو تو ختمی مرتبت ﷺ کے بغیر کچھ نظر آتا ہی نہیں۔ اللہ کی ان دونوں قسموں میں اسباق ہیں۔

قاری قرآن کو معانی کی ان وسعتوں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ رات اور دن کی قسم کے بعد ایک نئی قسم نئے معانی کے ساتھ قرآن پڑھنے والوں کو سچ اور صدق کے سرچشموں سے روشناس کراتی ہے۔

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۝

اور اس کی قسم جس نے نر اور مادہ پیدا کیے

آیت میں "ما" موصولہ ہے دریں صورت معنی یہ ہوگا قسم اس ذات کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا فرمایا۔ کن کے لئے "ما" کی تعبیر وصفیت اور تفخیم کے لئے ہے یعنی ذکر اور انثی کو پیدا کرنے والا بڑا بھی ہے اور قادر و عظیم بھی ہے۔ حسن بصری اور کلبی کہتے ہیں قسم اللہ تعالیٰ نے اپنے نور ربوبیت ہی کی کی ہے لیکن اسلوب کے تفرد نے معانی میں توسع اور حسن پیدا کر دیا ہے۔

ابو عبیدہ نے لکھا کہ "ما خلق" "حسن خلق" کے معنوں میں ہے۔ مقاتل "ما" کو مصدریہ لیتے تھے۔ نر اور مادے سے مراد کلبی اور مقاتل کے نزدیک آدم اور حوا ہیں۔

انسان ہوں یا جنات، حیوان ہوں یا نباتات، ان کی تخلیق میں نر اور مادہ دونوں جنسوں کا وجود، توالد اور تناسل کے نظام میں خصوصیات اور صفات گہرے اور عمیق معانی اور مطالب رکھتی ہیں۔ انسان کے لئے سوچ کا کثیر مواد موجود ہے۔ نظام تخلیق اور نظام تربیت میں مضمر نکات انسان کے طرز فکر میں انقلاب پیدا کر سکتے ہیں۔ وہ سائنس دان کس قدر مفلس اور مظلوم ہیں، تہی دامانی نے انہیں کس قدر قابل رحم بنا دیا ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ کارگاہ حیات و ممات میں طبیعاتی اور کیمیائی قوتوں کا اندھا رقص ہے جس سے نر اور مادہ پیدا ہو رہے ہیں۔ قرآن حکیم آنکھ کھولتا ہے، سماعتوں کے پردوں پر دستک دیتا ہے، دل کی دھڑکنوں میں فہم و ذکا کا نور پیدا کرتا ہے، عقل خام کو عقل پختہ بننے کی راہ دیتا ہے کہ رحم مادر میں خوردبینی جرثومے جب قرار پکڑتے ہیں وہ خلیے بناتا کون ہے؟ اور ان خلیوں کو بیضوں سے جوڑتا کون ہے؟ کوئی تو ہے جو اس نرم و نازک جرثومے سے کہتا ہے تو نر ہو جا اور تو مادہ ہو۔ عقل مسلمان ہو جائے تو وہ خالق کی معرفت کا کلمہ پڑھتی ہے۔ آیت میں یہ قسم کا اسلوب یقیناً فہم، بصیرت، ذکا اور عبرت کی دولت سے مالا مال کر دیتا ہے۔ برکتوں والا وہی ہے جس نے نر اور مادہ تخلیق کیے۔

(فتح القدیر: شوکانی، مفاتیح الغیب: رازی، روح المعانی: آلوسی، عرائس البیان: محمد صدر الدین بقلی)

إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ ۝

بے شک تمہاری کوشش مختلف قسم کی ہے

رنگوں کی کائنات میں رنگ مختلف قسم کے ہوتے ہیں، اودے اودے، پیلے پیلے اور سبز و سرخ۔ انوار کی دنیا میں روشنیوں کے جلوے مختلف ہوتے ہیں، کہیں تیز کہیں مدھم، مساعی اور افعال کا بھی ایک جہاں ہے جس میں اختلاف کا قانون جاری اور ساری ہے۔ افعال کے

اسباب مختلف، اعمال کے محرکات مختلف، تگ ودو ہے لیکن جہت اپنی اپنی، سعی وکاوش ہے لیکن رخ اپنا اپنا، محنت وجہد ہے لیکن نتیجہ کبھی متناعی اور کبھی لامتناعی، تصورات ہیں تو مختلف، کبھی محدود اور کبھی لاانتہا، افکار ہیں تو وہ مختلف، کہیں ثبات نواز اور کہیں وہم آفریں، ذوق اور مشرب مختلف، کہیں جنت بداماں اور کہیں دوزخ نذر، اعمال میں تشتت منازل بکھیر کر رکھ دیتا ہے اور عقیدہ میں تشتت دوزخ میں جا پٹختا ہے۔

یہ حقیقت جب روز روشن کی طرح "اظہر من الشمس" ہے کہ ہر عمل اور ہر سعی ایک نتیجہ رکھتی ہے۔ انسان ہمہ دم اپنے تمام سرمایوں اور صلاحیت کو کسی نہ کسی راستے میں خرچ کرتا ہے۔ قرآن حکیم اس پر زور ڈالتا ہے کہ وہ اپنے اعمال کا سرمایہ غلط جگہ خرچ نہ کرے۔ صلاحیتیں انسان کے وجود میں امانت ہوتی ہے۔ ان کا استعمال احتیاط سے ہونا چاہئے۔ تشتیت بکھرنے کا نام ہے۔ اس جہان تگ وتاز میں قوت کا راز اسی میں ہے کہ انسان خود کو اور اعمال کو بکھرنے نہ دے۔ زمین کو جگہ جگہ سے کھودنے سے زیادہ بہتر ہوتا ہے کہ کسی ایک کان کو گہرا کھودا جائے۔ ارتکاز فکر اور ارتکاز عمل سے بہتر نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں۔ قرآن حکیم رویوں، اعمال اور افعال کے بکھرنے سے کردار کی جہتیں متعین کرتا ہے کہ مختلف نوع کے اعمال میں سچا کھرا اور دوٹوک راستہ تلاش کرنا چاہئے اور پھر اس پر جم جانا چاہئے۔ قرآن مجید کا تین قسمیں مقصد کے حصول کے لئے کھا کر کردار کی دو جہتیں پوری بلاغت کے ساتھ اپنے قاری کے سامنے لے آنا تا کہ کامیاب زندگی اور ناکام زندگی کا فرق اچھی طرح نظر آجائے۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝

پس وہ جس نے نوازا اور تقویٰ اختیار کیا اور اچھی بات کی تصدیق کی

پہلے یہ کہا گیا تھا کہ تم سب لوگ اپنے اعمال کی ظاہری اور باطنی ہیئت افعال کے نفوذ اور اثرات کے اعتبار سے مختلف واقع ہوئے ہو۔ اب روح دل پذیر میں اترنے والے اسلوب، دل کی تاروں پر محبت کے نغمے چھیڑنے والے بیان، فہم آفریں قسموں اور دل پذیر لہجوں میں لپیٹ کر یہ حقیقت قاری قرآن کے سامنے رکھی گئی کہ انسان اپنی اعتقادی اور عملی سرشت اور تربیت کے اعتبار سے دو قسموں پر مشتمل ہے۔ پہلا طبقہ وہ ہے جس میں یہ عادات ہوں۔ اعمال خیر میں تین چیزیں گنی گئیں۔

اعطا، تقویٰ اور حسنہ کی تصدیق

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عطا کرنے والا شخص اللہ کے قرب میں ہوتا ہے، لوگوں میں گھلا ملا ہوتا ہے، جنت کے بالکل نزدیک ہوتا ہے اور دوزخ سے کوسوں دور ہوتا ہے جبکہ بخیل اللہ سے دور ہوتا ہے، لوگوں سے بے تعلق، جنت سے کوسوں دور اور جہنم کے بالکل قریب ہوتا ہے، دینے والا جاہل ہو تو بھی بخیل عبادت گزار کی نسبت اللہ کو زیادہ اچھا لگتا ہے۔ (رسالہ قشیریہ ایضاً المنجد، الترغیب)

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

دوزخ کی آگ سے بچو اگرچہ چھوارا کی نصف پھانک دے کر ہی ہو۔

(بخاری ومسلم عن عدی بن حاتم)

ابن ابی حاتم رازی نے سورت کے نزول میں یہ واقعہ نقل کیا ہے جس کا علاقہ تمام انہی آیات بینات کے ساتھ ہے۔

ایک شخص کا کھجوروں کا باغ تھا۔ جس میں ایک درخت کی شاخ ایک فقیر بے مایہ کے گھر تک پہنچی ہوئی تھی، باغ والا جب درخت سے کھجوریں اتارنے آتا تو اس مسکین عیال وار کے گھر جاتا اور وہاں سے کھجوریں اتارتا، اس دوران ظاہر ہے ایسے ہوجاتا کہ کچھ کھجوریں اس گھر میں گر جاتیں اور اس کے بچے اٹھا لیتے۔ مالک درخت سے نیچے اتر کر خرمے ان سے چھین لیتا۔ اس مرد فقیر نے حضور انور ﷺ سے شکایت کی

آپ ﷺ نے اسے واپس بھیج دیا اور خود کھجوروں والے کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا:

"کھجور کا وہ درخت جس کی شاخیں فلاں گھر تک پہنچی ہوئی ہیں مجھے دے دو تا کہ اس کے مقابلہ میں تمہارے لیے جنت میں ایک درخت ہو"۔

باغ کے مالک نے کہا اسی درخت کے خرمے تو لذیذ ہیں جن کی وجہ سے میرے پورے باغ کا سودا بکتا ہے۔

آپ ﷺ کے غلاموں میں سے ایک عظیم البخت شخص نے عرض کی یا رسول اللہ اگر میں کھجور کا وہ درخت باغ کے مالک سے خرید لوں اور آپ کو پیش کر دوں تو وہ جنت والا درخت مجھے عطا فرما دیں آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں" ایسے کر لو۔

وہ شخص دوڑا دوڑا وہاں پہنچا اور کھجوروں کے مالک سے ملاقات کی اور وہ درخت خریدنا چاہا۔ اس نے جواب دیا یہ تو میں نے محمد ﷺ کو

بھی نہیں دیا حالانکہ وہ جنت میں ایک درخت مجھے عطا فرما رہے تھے۔
خریدار نے کہا تو اسے بیچ تو دے، مالک نے کہا ٹھیک ہے لیکن قیمت چالیس درختوں کے برابر لوں گا۔اس طرح وہ درخت خرید کر اسے حضور ﷺ کے حوالہ کر دیا۔آپ ﷺ نے اس غریب شخص کے گھر جا کر اس درخت کی ملک اس کے حوالے کر دی اور فرمایا:
''لو یہ درخت تیرا اور تیرے بچوں کا ہے''۔
(تفسیر القرآن:ابن ابی حاتم رازی ایضاً حاشیہ شہاب علی البیضاوی:علامہ خفاجی)
واحدی وغیرہ نے خریدار کا نام ابوالاحداح لکھا ہے۔
حضرت عبداللہ بن مبارک فرمایا کرتے تھے:
لوگوں کا مال خرچ کرنے سے بہتر یہ ہوتا ہے کہ اپنا مال خرچ کیا جائے۔
حضرت حسن ؓ سے کسی سائل نے مانگا تو آپ نے پانچ ہزار پانچ سو درہم اسے دے دیئے اور فرمایا کسی بار بردار کو بلا لاؤ کہ تمہیں اٹھانے کی زحمت نہ ہو،وہ ایک آدمی اپنے ساتھ لے آیا حضرت حسن ؓ نے اپنا کھیس اتار کر اسے دے دیا اور فرمایا لو یہ تمہارا کرایہ ہے۔
(رسالہ قشیریہ:امام قشیری)
آیت بینہ میں دوسری صفت تقویٰ بیان کی گئی ہے۔
حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:
رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! مجھے کوئی وصیت فرمائیے۔
ارشاد فرمایا:
اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ تقویٰ میں ہر بھلائی موجود ہے اور جہاد کو ضروری سمجھ کیوں کہ یہ بہت بڑی عبادت ہے اور یہ بھی کہ اللہ کا ذکر تم پر لازم ہے اس لئے کہ یہ تمہیں روشنی دیتا ہے۔(مسند امام احمد بن حنبل)
تقویٰ کی اصل شرک سے بچنا ہے۔حضرت سعد بن عبداللہ کا قول ہے۔
اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں۔
رسول اللہ ﷺ کے بغیر کوئی رہنما نہیں۔
اور تقویٰ کے بغیر آخرت کا کوئی سامان نہیں۔
امام قشیری نے لکھا کہ تقویٰ ہر قسم کے گناہ ترک کرنے کا نام ہے۔
حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں:
اللہ کی رضا سے موافقت تقویٰ ہے۔
حضرت علی المرتضےٰ ؓ ارشاد فرماتے ہیں:
دنیا میں لوگوں کے امام سخی لوگ ہوتے ہیں اور آخرت میں امامت متقی لوگوں کے پاس ہوگی۔
میرے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد جمشید پاک فرمایا کرتے تھے:
تقویٰ کی تین حالتیں ہیں
پہلی حالت شرک سے بچنا ہے
دوسری حالت معصیت یعنی گناہ سے بچنا ہے
اور
تیسری حالت مشکوک چیزوں سے خود کو الگ رکھنا ہے۔
وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ
اور اچھی بات کی تصدیق کی
یہاں اس آیت میں کامیاب لوگوں کی تیسری صفت بیان کی گئی کہ وہ حسنیٰ کی تصدیق کرتے ہیں۔
علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

حسنیٰ سے مراد کلمہ طیبہ ہے ہر ایسی بات جو اللہ سبحانہ کی توحید پر ایمان مضبوط کرے حسنیٰ ہے (روح المعانی: آلوسی)
حضرت مجاہد حسنیٰ سے مراد جنت لیتے تھے۔ (المحرر الوجیز: ابن عطیہ ایضاً زادالمسیر)
آلوسی نے ایک قول ملت کا بھی لیا ہے اور ملت سے مراد اسلام ہے۔
رسول اللہ ﷺ نے جس چیز کی بھی تعلیم دی وہ ملت میں داخل ہے۔
میرے پیر و مرشد حضرت خواجہ جمشید پاک فرماتے تھے:
کلمہ حق ''حسنیٰ'' ہے اسی کی تصدیق چاہئے۔
جمالیاتی اعتبار سے حسنیٰ کی اصل حسن ہے اور اللہ نے حسن سارے کا سارا رحمت عالم ﷺ کی سنت میں رکھا ہے۔ صورت، صورت مصطفےٰ ہو جائے اور سیرت، سیرت مصطفےٰ کا رنگ پکڑ لے، زبان اقرار کرے، دل تصدیق کرے، بدن اطاعت کرے اور دماغ تسلیم کر لے یہ حسنیٰ کی تصدیق ہے۔
حضرت ابن عباس، عکرمہ اور محققین کی ایک بڑی جماعت اس تصدیق سے مراد بیعت لیتی تھی یعنی پیمان تسلیم باندھنا۔ (البحر المحیط: ابو حیان اندلسی)

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰىؕ

تو بہت جلد ہم آسان کر دیں گے اس کے لیے آسان زندگی

تحسین عقیدہ، اعطائے مال، احسان نفس، سماعت طبیعت اور تصدیق حسنیٰ سب توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔ ان محامد کو حاصل کرنے کے لئے توفیق اور یسر چاہئے، سہولت اور آسانی چاہئے۔ یہ کرامات خود نہیں حاصل کی جا سکتیں، باران رحمت کی طرح اللہ ہی جس کے لئے چاہے برسا دیتا ہے۔
وہ شخص جو مال اللہ کے لئے ہمہ دم حاضر رکھے، نفس کو پاک کر کے فی سبیل اللہ اسے ہر وقت مشغول رکھے۔ تقویٰ کے لئے اس کی مشقتیں جاری رہیں تو اللہ تعالیٰ ہی اپنی نصرت سے اس آدمی کی دستگیری کرتا ہے۔ کتنا بلند بخت ہے وہ شخص جسے اللہ نیکی کی سہولت عطا فرما دے۔ اس کے لئے جو ماحول سازگار ہو جائے، لوگ اس کی راہوں میں روڑے نہ اٹکائیں ہر نیکی کی طرف اس کے قدم آسانی سے اٹھیں۔ پہلے اللہ ان کے دل میں ارادہ پیدا فرمائیں اور پھر خود ہی اسے نیکی تک رسائی عطا فرما دیں۔ یہ وہ بات جو ابو العباس الحسنی نے البحر المدید اور سید قطب نے فی ظلال القرآن میں بیان کی ہے۔
(البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید: ابو عباس بن محمد بن ابن عجیبہ الحسنی ایضاً فی ظلال القرآن: سید قطب)

وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰىؕ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰىؕ

اور وہ جس نے بخل کیا اور بے پروائی کیا اور اچھی بات کو جھٹلایا

ایسا شخص جو بخیل ہو جائے، مال اور دنیا کو اپنے نفس میں بند کر دے، غفلت شعاری اس کا منہاج زندگی بن جائے۔ لاپرواہیاں اس کا مسلک حیات ٹھہرے۔ اس کا عجب نفس اور پندار خیالات اسے اللہ کریم سے بھی بے نیاز کر دے۔ آہستہ آہستہ وہ گرتا چلا جاتا ہے۔ حرص و طمع، خیر اور بھلائی کا نور اس سے دور کر دیتی ہے۔ یہ سب فسادات عموماً اور بخل اور بے پرواہی خصوصاً اس کے لئے رحمت، سہولت اور توفیق کا ہر دروازہ بند کر دیتی ہے۔ وہ قدم قدم پر مشکلات سے دوچار ہوتا ہے۔ اس کے لئے شناختیں بدل جاتی ہیں، رحمت زحمت ہو جاتی ہے، آسانی شک کا روپ دھار لیتی ہے، رنگ پھیکے ہو جاتے ہیں، خیر شر کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ تقویٰ سے دوری بخل تک لے جاتی ہے اور بخل لاپرواہ بناتا ہے اور لاپرواہی تکذیب کو جنم دیتی ہے اور بالآخر یہ ناہموار انسان اپنے کرتوتوں کے وبال میں الجھ جاتا ہے۔ ایسے ہی شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ اگلی آیت میں اپنا عذاب بھی اور عتاب بھی بیان فرماتے ہیں۔

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰىؕ

تو بہت جلد ہم اس کے لیے آسان کر دیں گے مشکل زندگی

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:
ہر وہ چیز جس کا انجام راحت، سہولت اور قدر دانی پر ہو وہ ''یسریٰ'' ہے اور جس چیز کا انجام اور عاقبت تکلیف، زحمت اور ناقدری پر ہو وہ ''عسریٰ'' ہے۔ طاعات آسانیوں کو مستلزم ہوتی ہیں اور معاصی تکالیف اور مصائب کو مستلزم ہوتے ہیں۔ (مفاتیح الغیب: فخر رازی

ایضاً البحر المدید ایضاً الجامع: قرطبی)

آیت میں عجیب بات یہ ہے کہ رب کریم نے ارشاد فرمایا:

کہ ہم بخیل اور بے پرواہ شخص کے لئے مشکلیں آسان کر دیں گے۔ بلاغت کا خوش کن منظر قرآن حکیم بیان کر رہا ہے۔ مشکلیں پیدا کرنے کے لئے آسان راستہ دے دینا ناراضگی ہی تو ہے لیکن ناراض ہونے کے لئے اسلوب کی دلکشی ندرت رکھتی ہے۔ قرآن حکیم کا یہ اعجاز کا کتنا سہانا اسلوب پیش کرتا ہے۔ بندہ بظاہر محسوس کرتا ہے میں ترقی کی راہوں پر مسلسل آگے بڑھے جا رہا ہوں لیکن ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھا کر گرا جا رہا ہوتا ہے، ایسا شخص جسے اللہ گمراہ کرے اور اس کی مشکلات وہ خود پیدا فرما دے اس کے لئے تعبیریں، تدبیریں اور تعزیریں کوئی فائدہ نہیں رکھتی۔ مشکلات کا آسان کرنا اگرچہ ہر بدبخت آدمی جو تکذیب حسنیٰ کرے اس کے لئے بیان عاقبت ہے لیکن اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو راہ خدا میں مال اور صلاحیت خرچ کرنے سے گریزاں رہتے ہیں اور ہر قسم کی غفلتیں انہیں گھیر لیتی ہیں۔

وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى ۝

اور اس کا مال اس کے کام نہ آئے گا جب وہ گرے گا

''سورہ اللیل'' کے پہلے سلسلہ گفتگو کی آخری آیت دل کے اندھوں اور بخیلوں، تکذیب حسنیٰ اور جمالیاتی سرچشموں سے فائدہ نہ اٹھانے والوں کو تنبیہ ہے کہ کردار کی روشنی سے یہ محروم لوگ جب جہنم میں گریں گے، ان کا مال ان کے کام نہیں آئے گا۔ آیت کا آغاز ''ما'' کے لفظ سے ہو رہا ہے۔ عام مفسرین نے اسے نافیہ قرار دیا ہے اور بعض مفسرین نے اسے استفہام انکاری کے لئے لیا ہے، اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ اس گروہ کے لوگ جب دوزخ یا اپنی قبروں میں گر رہے ہوں گے ان کے اموال انہیں کیا فائدہ دیں گے؟

''تردّی'' ''ردائت'' ''ردی'' کا مادہ سقوط جس کے نتیجے میں ہلاکت ہو جائے یا پھر اونچی جگہ سے نیچے گرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ العسریٰ سے مراد جہنم ہے اور حقیقت یہی ہے کہ جہنم سے بڑھ کر کوئی مشکل مقام نہیں۔

یہ آیت سورہ لیل کے پہلے خطبہ کے اختتام کا اعلان کرتی ہے اور اس حقیقت کو پوری طرح واضح کر دیتی ہے کہ تصدیق حسنیٰ، اعطا اور تقویٰ کے صراط مستقیم پر چلنے والے سہولت کے ساتھ اپنی روحانی منزل تک جا پہنچتے ہیں اور وہ لوگ جو مال کو اپنا ملجا اور ماویٰ سمجھتے ہیں وہ ہر مشکل کو منزل بنا کر بڑی آسانی سے اس میں الجھتے الجھتے بالآخر جہنم میں جا گرتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بقیع الغرقد کے مقام پر ایک جنازے میں شریک تھے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یاد رکھو! تم میں سے ہر ایک کے لئے جنت اور دوزخ میں ایک جگہ مقرر ہے۔ لوگوں نے عرض کی پھر ہم اس پر تکیہ کرتے ہوئے بیٹھ نہ جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا عمل کرتے رہو ہر شخص یہی عمل کر سکے گا جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ (الجامع الصحیح: امام بخاری ایضاً، الفتوحات الالٰہیہ: سلیمان جمل ایضاً در منثور)

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ۝

بے شک ہدایت سے نوازنا ہمارے ذمہ ہے

علامہ فخر رازی نے انسانی رہنمائی کے تمام مراحل نقل کئے۔ (مفاتیح الغیب: رازی) اور فرمایا:

کہ انسان کے مادی مسائل ہوں یا روحانی سب کا حل اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں عطا فرما دیا، اگر منزل کو حسین بنایا تو راہ کو آسان بنا دیا، مسائل کو پیچیدہ کیا تو رہنمائی اکمل عطا فرما دی، انسانی کارواں اگر حسن تمنا اور جمال اخلاص کو یقینی بنائے تو تشنگی کہیں نہ ہوگی۔ سننے والوں کے لئے بیان رکھا، دیکھنے والوں کے لئے دلائل روشن کئے، طلب علم کی کسک رکھنے والوں کے لئے منہاج علم یقینی بنایا، نا پختہ لوگوں کے لئے ''ارشاد'' کی راہیں ہموار کیں، حیران ہونے والوں کے لئے ''اسوہ حسنہ'' کی دولت بانٹی، شوق سے راہ نوردی کرنے والوں کے لئے سامان ترغیب مہیا کیا، سرکش نفس رکھنے والوں کے لئے عصائے کلیمی کی طرز رکھی اور تربیات کا اہتمام فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ کی تربیات سب سے بڑی نعمت کہ انسان کو ہادی بھی بنا دیا اور مہدی بھی بنا دیا اور ہدایت کو ضلالت سے الگ کر دیا۔ (الجامع الاحکام القرآن: قرطبی)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے لکھا:

''ہدایت سے مراد حلال و حرام کا بیان کر دینا ہے اور زجاج اور قتادہ نے بیان احکام مراد لی ہے''۔ (تفسیر مظہری: ثناء اللہ پانی پتی،

ایضاً تفسیر طبری: ابن جریر)

آیت یہ بھی بتاتی ہے کہ اللہ نے ہدایت روشن کی، اس نے کسی کو مجبور نہ بنایا، اب یہ انسان کا کام ہے ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے راہ حق پر گامزن ہو جائے۔

وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ۝

اور بے شک ہم ہی مالک ہیں آخرت اور دنیا کے

اس آیت میں اشارہ اس طرف ہے کہ اگر تم اطاعت کرو گے تو وہ ہماری ضرورت نہیں تمہاری اپنی ہی ضرورت ہے اور اگر تم معصیت کی راہ چلو گے تو ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے، وبال تمہارے اپنے ہی اوپر ہوگا اور یہ بھی کہ آیت بتلاتی ہے کہ آخرت اور دنیا ہماری ہی ملکیت ہے۔

اسلوب کی دلکشی ملاحظہ ہو کہ بیان آخرت کو بیان دنیا پر مقدم رکھا اس لئے کہ انسان پر زندگی کا اصلی ہدف واضح ہو جائے اور وہ دل میں یقین پیدا کرلے کہ انسان کا مقصود اصلی آخرت ہے اور اسے اپنی حیات مستعار میں تگ و دو اور سعی و عمل کا مرکز آخرت کی تیاری ہی کو بنانا چاہئے۔

فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ۝

پس میں نے تمہیں بھڑکتی آگ سے ڈرادیا ہے

آیت کی تفسیر میں دو چیزیں غور و فکر کا تقاضا کرتی ہیں:

ایک تو یہ کہ انذار کیا ہے؟ اور دوسری تلظی کا مفہوم کیا ہے؟

انذار کا لغوی معنی ڈرانا ہوتا ہے اس کا پہلا درجہ تنبیہ ہے۔ کسی کو عواقب اعمال جتلا کر خوف دلانا کہ یہ بڑا کام ہے سو اس سے اجتناب کرو۔ دوسرا درجہ صرف ترہیب محضہ نہیں بلکہ پوری علمی قوت کے ساتھ کسی عمل کی خرابی کو واضح کر دینا تا کہ معصیت کا ارتکاب کرنے والا جہالت اور ظلمت کا شکار نہ رہے۔

انذار کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ برے اعمال شخصیت سے محاسن کے سرچشموں کو جس بے رحمی کے ساتھ خشک کر دیتے ہیں انہیں برہان اور استدلال کے ساتھ بیان کیا جائے۔

اور چوتھا درجہ آخرت میں معصیت اور نافرمانیوں کی جو خوفناک سزائیں دی جائیں گی انہیں بیان کرنا اس آیت میں اخروی وبال اور دوزخ کے عذاب ہی کو موضوع سخن بنایا گیا ہے۔

دوسری چیز آیت میں آگ کے بھڑکنے یا بھڑکائے جانے کا ذکر ہے۔ اس کے لئے تعبیر "تلظی" کی استعمال کی گئی، یہ لفظ "تلظی" کے مادہ سے ہے جس کا معنی شعلہ ہے اور یہ بات تقریباً ہر آدمی جانتا ہے کہ وہ آگ جس میں دھواں نہ ہو، اس کی حرارت اور گرمی بہت تیز ہوتی ہے۔ یہاں آگ کے لئے "تلظی" کا لفظ حدت، گرمی، تیزی اور حرارت کی شدت کو بیان کر رہا ہے۔

"اللہ ہم سب کو محفوظ رکھے"۔

لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ۝

اس میں نہیں جلے گا مگر وہی جو بڑا بد بخت ہوگا

سفید، بے دھواں، تیز اور حدت تاب آگ خوش بختوں کا ٹھکانہ نہیں بد بختوں کی آماجگاہ ہے۔ وہ شخص جو تقویٰ، تصدیق حسنیٰ اور اعطا کے امکانات اور وسائل کو نظر انداز کرے وہ شقی ہی نہیں اشقی ہے۔ انتہائی بد بخت ہے وہ شخص جس کی زندگی کا شعار اور پہچان تکذیب اور روگردانی ہے۔ ہر سچائی سے گھوم جانا اور حق کی ہر زاویہ سے مخالفت کرنا مفسرین نے امیہ بن خلف اور مکہ کے وہ رؤسا مراد لئے ہیں جو سرکشیوں میں انتہائی ذلیل ہو چکے تھے۔ آیت کا مصداق دور اول میں کوئی بھی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو قیامت تک قرآن کے منہاج تربیت سے روگردانی کرتا رہے گا۔

(تفسیر مواہب الرحمٰن: علی ایضاً ضیاء القرآن پیر کرم شاہ الازہری، ایضاً زاد المسیر: ابن جوزی)

مسند امام احمد بن حنبل میں ہے کہ نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خطبہ کی حالت میں سنا جبکہ آپ انتہائی بلند آواز میں فرما رہے تھے، اتنا بلند کہ آواز بازاروں میں پہنچے جا رہی تھی، بار بار آپ فرماتے لوگو! میں تمہیں دوزخ کی آگ سے ڈراتا ہوں، آپ بار بار یہی فرمائے جا رہے تھے یہاں تک کہ آپ کی چادر مبارک کندھوں سے سرک کر پاؤں میں جا پڑی۔

(مسند امام احمد: امام احمد بن حنبل ایضا الجامع: قرطبی، ایضا تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی)

الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ۝

وہ جس نے جھٹلایا اور رُخ پھیرا اور اس سے دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیز گار ہوگا، وہ جو تزکیہ کے لئے اپنا مال دیتے ہیں۔

وہ شخص جسے شعلہ بداماں آگ سے بچالیا جائے گا، اس کی دو صفتوں کی طرف بطور خاص اشارا کیا گیا۔ ایک تو ہے زیادہ تقویٰ کرنے والا شخص اور دوسرا ہے جس نے اپنے مال کا تزکیہ کیا۔ اتقیٰ "تقی" کے معنوں میں ہے، اس سے مراد فضیلت عملی ہے، اگر اسے اسم تفضیل کے معنوں میں لیا جائے تو معنوی تحدید اور تحصیر ہو جائے گی، یہ استعمال اسی قبیل سے ہے جیسے کوئی کہے فلاں بندہ نمازی ہی نہیں بہت بڑا نمازی ہے، اس اسلوب سے مفہوم یہ تبادر ہوگا کہ ایسا شخص جو گناہوں سے اپنے آپ کو بچانے کی انتہائی کوشش کرے۔

آیت میں دوسری چیز مال کا تزکیہ ہے۔ اس تعبیر سے قصد قربت اور خالص نیت کی طرف اشارا کرنا مقصود ہے۔ تزکیہ کا ثمر روحانی مضبوطی اور مال کی پاکیزگی دونوں چیزیں ہوں گی۔

ان آیات کے شان نزول میں ابن کثیر نے ایک ایمان افروز روایت نقل کی ہے:

حضرت بلال ﷺ نے جب رحمت عالم ﷺ کا دست اقدس پکڑ کر اسلام قبول کرلیا تو ان کے سنگ دل مالک امیہ بن خلف نے انہیں طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کر دیں۔ ایک روز وہ آپ کو ستائے جا رہا تھا اور آپ پر غشی چھا گئی۔ اس عالم میں بھی آپ نے احد احد کا ورد جاری رکھا۔ حضور ﷺ کا گزر ہوا تو آپ نے فرمایا کوئی بھی ایسا نہیں جو بلال ﷺ کو ان اذیتوں سے نجات دلوا دے۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر صدیق ﷺ گھر آئے اور کچھ سونا لیا اور امیہ بن خلف کے پاس چلے گئے اور کہا کیا تو نے بلال ﷺ کو بیچنا نہیں؟ اس نے منہ مانگی قیمت کے عوض رضامندی ظاہر کردی۔ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے بلال ﷺ کو خریدا اور آزاد کر دیا۔

ابو قحافہ کو پتا چلا تو بیٹے سے کہا اے ابوبکر آپ کو کمزور غلاموں کو آزاد کرنے کا کیا فائدہ، طاقت ور غلام آزاد کروائے ہوتے تا کہ مشکل وقت پڑنے پر کام آئے۔

حضرت صدیق اکبر ﷺ نے فرمایا:

بابا میں نے سب کچھ اللہ کو راضی کرنے کے لئے کیا ہے۔

(تفسیر القرآن العظیم: ابن کثیر ایضا مظہری: ثناء اللہ پانی پتی)

آیت میں اگر چہ نزول کا مصداق اول صدیق اکبر ﷺ ہیں لیکن تقویٰ اور تزکیہ کا یہ جوہر اللہ تعالیٰ قیامت تک حضور ﷺ کی اُمت میں رکھے گا اور مشمرات قرآن کا تقاضا بھی یہی ہے۔

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ۝

وہ جو تزکیہ کے لیے اپنا مال دے گا اور کسی کا اُس پر احسان نہیں جس کی وہ جزا دے

مال خرچ کرنے کی چند وجوہات ہو سکتی ہیں۔ انسان کسی کے ساتھ بھلا کرے، تا کہ اس پر جب مشکل پڑے، وہ شخص مشکل میں اس کے ساتھ احسان کا بدلہ چکانے کے لئے چند قدم چلے یا پھر دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ مال خرچ کرنے سے کوئی دوسرا فائدہ مقصود ہو جیسے تاجر پیسہ لگاتے ہیں کہ موسم بدلنے یا حالات سازگار ہونے پر اسے نفع حاصل ہو جائے گا یا پھر تیسری وجہ کندھوں پر پہلے کا کوئی احسان موجود ہو اور مال خرچ کرنے والا سوچے یہ شخص میرے ساتھ چلا تھا آج میں بھی اس کے ساتھ چلتا ہوں۔ مال خرچ کی یہ تمام قسمیں اگر چہ مبغوض نہیں لیکن وہ بندہ خدا جس نے صرف اللہ ہی سے لو لگائی ہو وہ تو اللہ کی رضا کے بغیر قدم بھی نہیں اٹھاتا۔ رب کریم نے یہاں اتقیٰ اور مال سے تزکیہ چاہنے والے شخص کی تعریف فرمائی کہ یہ بندہ خدا اپنا مال کسی کے احسان یا نعمت کی وجہ سے خرچ نہیں کرتا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انفاق سے اس کا مقصد پھر کیا ہوتا ہے۔ اگلی آیت میں جواب دے دیا گیا۔

اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝

سوائے اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی رضا چاہتا ہے

انفاق فی سبیل اللہ کا مقصود اعلیٰ رب اعلیٰ کی رضا تلاش کرنا ہے۔ جس شخص کا مقصد ابتغا علیٰ ہو وہ انفاق سے اپنے دل کو سلیم، روح کو پاک اور بدن کو مطیع بنالیتا ہے۔ ریا کاری، شہرت طلبی اور تصنع اس سے قریب بھی نہیں آسکتے۔ سورت کا مقصود بھی یہی ہے کہ قاری قرآن تزکیہ کے لئے عملی طور پر جولانگاہ حیات میں مستعد ہو کر زندگی بسر کرے اور ہمہ دم اس کے پیش نظر رب کی رضا جوئی ہو، اس لئے کہ قرآن حکیم ایسے

پُر برکت وجودوں کو خوش بخت اور اسعد کا لقب دیتا ہے۔ ''اتقی'' ایسے ہی خوش نصیبوں کا قرآنی لقب ہے۔ تقویٰ کی جزا کس قدر حسین ہے۔

وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿٢١﴾

اور بے شک قریب ہے کہ وہ خوش ہوگا

قرآن حکیم کا مختصر جملہ جیسے سورت کے مثمرات کا نچوڑ ہو۔ جزاؤں کے بیان کے لئے کتنا حسین، جمیل، اطمینان آفریں اور سہانا اسلوب ہے یعنی عنقریب طالب رضا کو اس کا رب خوش کر دے گا۔ اس طرح وہ شخص اپنی سعی پر مطمئن، اپنے عمل پر خوش، اپنی تگ و دو پر مسرور، اپنی مشقت پر راضی اور ربانی عطا پر مسرتوں اور خوشیوں میں ڈوب جائے گا۔ سعادت مندوں کے لئے رب کی سب سے بڑی عطا یہی ہے کہ رب ان سے راضی ہو جائے اور وہ اپنے رب سے خوش ہو جائیں۔

ڈھانپ لینے والی رات کے خالق
ہمیں ستر عیوب کی دولت عطا فرما
اور گناہوں کو بخش دے
روشن دنوں کے مالک
علم حقیقت اور علم معرفت
عطا فرما
ہم قلب سلیم کے طلبگار ہیں
کائنات کو مذکر اور مونث کی تخلیق سے
زینت، جمال اور نشو و نما سے نوازنے والے
ہماری اولادوں کو صراط مستقیم پر گامزن رکھ
اختلاف سے راز وحدت کی حکمت سکھانے والے
ہمارے اعمال اور ہماری مساعی کو بکھرنے سے محفوظ رکھ
اور اپنی طرف یکسوئی عطا فرما
دینے والا کر دے
ڈرنے والا بنا دے
ہر اچھی بات کی تصدیق بخش
اور
ہم طلبگار ہیں
ہمارے لئے سہولتوں کو آسان بنا
بخل سے بچا
لاپرواہی سے محفوظ رکھ
اچھوں کی تکذیب سے دور رکھ
اور
مشکلوں تک پہنچنے کو ہمارے لئے مشکل بنا
اور
آسانیوں تک رسائی کو آسانی عطا فرما
مادی نعمتوں سے نوازنے والے!
ہم مادی نعمتوں کے ہاتھوں کہیں گر نہ جائیں
ہر روز ہمارے قدم اپنی ہی طرف بڑھا

ہماری ہدایت تیرے ذمہ ہے
ایسی توفیق دے
کہ ہم آخرت کو دنیا سے اچھا جانیں
شعلہ دار آگ سے بچا
ایسی بد بختگی ہم سے دور کر دے
توفیق دے
کہ
ہمارا منہ ہمیشہ تیری ہی طرف رہے
دوزخ سے بچانے والا تقویٰ دے
مال خرچ کریں تاکہ طہارت حاصل ہو
زندگی میں خود ہی کو ہمارا مقصود بنا دے
تو ہم سے راضی ہو جا
ایسی توفیق
کہ ہم ہر حالت میں تجھ سے خوش رہیں

☆☆☆

جب علم اٹھ جائے گا

عن قتادہ عن انس(رضی اللہ عنہما) قال لاحد ثنکم حدیثا لا یحدثکم احد بعدی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ان من اشراط الساعۃ ان یقل العلم و یظہر الجہل و یظہر الزنا وتکثر النساء و یقل الرجال حتی یکون لخمسین امرأۃ القیم الواحد (صحیح بخاری باب رفع العلم وظہور الجہل باب ۲، حدیث ۸)

حضرت قتادہ ؓ، حضرت انس ؓ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا میں تم سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں میرے بعد کوئی بھی تم سے بیان نہیں کرے گا۔ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا قیامت کی نشانیوں میں سے (یہ نشانی ہے) کہ علم کم ہو جائے گا اور جہالت ظاہر ہو جائے گی اور زنا پھیل جائے گا، عورتیں زیادہ اور مرد کم ہو جائیں گے، حتیٰ کہ پچاس عورتوں کے معاملات کا نگران ایک مرد ہوگا۔

مفتی محمد صدیق ہزاروی

اللہ تعالیٰ انبیاء کرام اور رسل عظام کو غیبی امور اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات سے آگاہ فرماتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وما كان الله ليطلعكم على الغيب و لكن الله يجتبي من رسله من يشاء

(آل عمران : ۱۷۹)

اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب کا علم دے، ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے۔

(کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمۃ)

اس لئے اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو قیامت کی نشانیوں سے بھی آگاہ فرمایا جن میں سے چند نشانیوں کا ذکر اس حدیث شریف میں ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی "ان من اشراط الساعة" میں لفظ "من" تبعیض کے لئے ہے یعنی یہ مذکورہ نشانیاں تمام نشانیاں نہیں بلکہ بعض ہیں۔ رسول اکرم ﷺ تمام نشانیوں سے آگاہ ہیں لیکن اس مقام پر صرف چند نشانیوں کا ذکر کیا جب دوسری جگہ اس سے زیادہ نشانیوں کا ذکر ہے۔ دیکھئے مشکوۃ المصابیح باب اشراط الساعۃ ص ۴۶۹ تا ۴۷۲۔

یقیناً ان چند نشانیوں کے انتخاب میں کوئی حکمت پوشیدہ ہے تو امام حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

و كان هذه الامور الخمسة خصت بالذكر لكونها مشعرة باختلال الامور اللتي يحصل بحفظها صلاح المعاش والمعاد وهي الدين لان رفع العلم يخل به والعقل لان شرب الخمر يخل به والنسب لان الزنا يخل به والنفس والمال لان كثرة الفتن يخل به (فتح الباری ۱/ ۲۳۸،۲۳۷)

ان پانچ امور (علم کا اٹھنا، جہالت کا ظہور، زنا کا ظاہر ہونا، عورتوں کا زیادہ ہونا اور مردوں کا کم ہونا) کا خاص طور پر ذکر فرمایا کیونکہ ان کی وجہ سے ان امور میں خلل واقع ہوتا ہے، جن کے ذریعے دنیا اور آخرت کی اصلاح ہوتی ہے اور وہ امور یہ ہیں: دین جس میں علم کے اٹھ جانے سے خلل واقع ہوتا ہے، عقل جو شراب نوشی سے خلل کا شکار ہوتی ہے اور نسب جس میں زنا کی وجہ سے خرابی پیدا ہوتی ہے اور جان و مال جو فتنوں کی کثرت کی وجہ سے خلل کا شکار ہوتے ہیں۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے "المفهم" میں فرمایا:

فی هذا الحديث علم من اعلام النبوة اذا خبر عن امور ستقع فوقعت خصوصاً فی هذه الزمان.

اس حدیث میں نبوت کی خبروں (غیبی خبروں) میں سے ایک خبر (علم) ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے کچھ امور کے بارے میں بتایا کہ عنقریب واقع ہوں گے پس وہ واقع ہو گئے بالخصوص اس زمانے میں۔

حضرت ابو ہریرہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے میرے بعد کوئی شخص تم سے یہ حدیث بیان نہیں کرے گا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ حدیث مطلقاً بیان نہ ہوگی بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ جن لوگوں نے رسول اکرم ﷺ سے اس حدیث کو سنا ہے ان میں سے کوئی تم سے بیان نہیں کرے گا، کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ جن صحابہ کرام نے رسول اکرم ﷺ سے حدیث سنی ہے ان میں سے بھی اب دنیا میں نہیں رہا، کیونکہ بصرہ میں تمام صحابہ کرام کے بعد آپ کا وصال ہوا تو اس طرح یہ اہل بصرہ سے خطاب ہوگا یا عام لوگوں سے خطاب ہو تو چونکہ آپ نے یہ حدیث شریف اپنی زندگی کے آخری حصے میں بیان کی اور اس وقت رسول اکرم ﷺ سے سماعت کا شرف حاصل کرنے والے صحابہ کرام میں اکا دکا زندہ تھے باقی انتقال فرما چکے تھے۔

پہلی نشانی علم کی قلت بیان کی گئی جب کہ صحیح مسلم میں "رفع العلم" علم کے اٹھ جانے کا ذکر ہے یعنی پہلے علم کم ہو جائے گا پھر آہستہ آہستہ اٹھ جائے گا۔

محدثین کرام نے فرمایا کہ علم سینوں سے سلب نہیں ہوگا بلکہ علماء کا دنیا سے اٹھ جانا علم کا اٹھنا ہے یعنی علماء کرام کثرت سے داعی اجل کو لبیک کہیں گے اور یوں علم ختم ہو جائے گا۔

رسول اکرم ﷺ نے جس طرح ارشاد فرمایا اسی قسم کا نقشہ آج نظر آ رہا ہے، بالخصوص اہل سنت و جماعت کے اکابر علماء دنیا سے پردہ فرما گئے صرف گنے چنے چند اکابر موجود ہیں اور ان کے اخلاف علم سے کوسوں دور بھاگ رہے ہیں، اس لئے باوجود مدارس کے اور باوجود کتب کے بہت بڑے ذخیرہ کے جہالت کی فراوانی ہے۔

اس کی ایک شکل یہ بھی نظر آ رہی ہے کہ کئی اہل علم عوام الناس کی خوشنودی کے لئے اپنے خطابات اور تقریروں میں علم کے قریب جانے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ جگت بازی، لطیفے سنانا اور اس طرح کے دیگر طریقے اختیار کئے جاتے ہیں جو ان پڑھ طبقہ کی تفریح طبع کا سامان مہیا کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں اہل علم سے قوم کی بے اعتنائی اور جہلاء مقررین کی پذیرائی بھی قلت علم کا سبب بن رہی ہے اور اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ علم معرفت کا نام ہے تو یہ بات قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ ظاہری علم موجود ہے لیکن عرفان نام کی کوئی چیز نہیں (الا ماشاء اللہ) اور بلاغت کا ضابطہ ہے کہ جب کوئی عالم اپنے علم پر عمل نہ کرتا ہو تو اسے جاہل کے مقام پر رکھ کر خطاب کیا جاتا ہے گویا اعمال صالحہ اور تقویٰ کا فقدان علم کا فقدان اور جہالت کا ظہور ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی عورتوں کا زیادہ ہونا اور دوسری نشانی مردوں کا کم ہونا بتایا ہے اس کی ایک وجہ یوں بیان کی گئی کہ فتنے زیادہ ہونے کی وجہ سے مرد قتل ہو جائیں گے اور چونکہ عورتیں اس قتل میں شریک نہ ہوں گی لہٰذا ان کی تعداد زیادہ ہو گی۔

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ بھی ہو گی کہ تقدیر خداوندی کے مطابق آخری زمانے میں لڑکے کم اور لڑکیاں زیادہ ہوں گی۔

یعنی لڑکیوں کی پیدائش زیادہ اور لڑکوں کی کم ہو گی۔

آپ فرماتے ہیں عورتوں کا زیادہ ہونا علم کی کمی اور جہالت کے زیادہ ہونے کے مناسب بھی ہے۔ (فتح الباری ۱/۲۳۷)

اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ عام طور پر عورتوں کو حصول علم کے مواقع کم حاصل ہوتے ہیں لہٰذا جب مرد کم ہوں گے اور عورتیں زیادہ ہوں گی تو علم کے ختم ہونے اور جہالت کی کثرت کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

علم کے اٹھ جانے کے حوالے سے راقم کے ذہن میں ایک اور بات بھی آ رہی ہے اگر ٹھیک ہے تو الحمد للہ اور اگر درست نہیں تو انشاء اللہ اچھی سوچ اور اجتہاد کا ثواب ضرور ملے گا۔

دور حاضر میں اس بات کا مشاہدہ عام ہے کہ لوگ علمی بات کو اپنانے کی بجائے اپنی خواہشات کے مطابق مسائل کا حل پیش کرتے ہیں اور یوں علم کی بجائے جہالت پھیل رہی ہے۔ اگر ہم نے علم کو فروغ دینا ہے تو اپنی خواہشات کو قرآن و سنت پر قربان کرنا ہو گا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا عورتوں کی کثرت ہو گی اور ایک مرد پچاس عورتوں کا "قیم" ہو گا۔ قیم اس شخص کو کہتے ہیں جو ان کے امور کی نگرانی کرتا ہے قرآن مجید میں ہے:

الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض و بما انفقوا من اموالھم (سورہ النساء: آیت ۳۴)

مرد افسر (نگران) ہیں عورتوں پر اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور اس لئے کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کئے (کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ)

حضرت امام قرطبی "التذکرہ" میں فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ایک شخص پچاس عورتوں کا قیم (نگران) ہو گا یہ بھی احتمال ہے کہ وہ ان کے امور کا نگران ہو جائے، چاہے وہ اس کی بیوی یا لونڈی ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ اسلام میں بیک وقت چار عورتوں سے زائد خواتین ایک شخص کے نکاح میں نہیں رہ سکتیں۔ (بزاروی)

وہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اس زمانے کی بات ہے جب کوئی اللہ اللہ کرنے والا باقی نہیں رہے گا تو ایک شخص جہالت کی وجہ سے متعدد عورتوں سے نکاح کرے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں یہ بات ترکمان کے بعض امراء اور ان کے علاوہ اس زمانے کے کچھ لوگوں میں پائی جاتی ہے اور اس کے باوجود وہ لوگ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں (فتح الباری، ۱/۲۳۸)

یقیناً یہ جہالت کے ثمرات ہیں۔ دین اور علم دین سے دوری کی وجہ سے آج بھی ایسی خبریں اخبارات میں چھپتی ہیں کہ شیطان بھی شاید ایسی باتوں کو قبول نہ کرے، باپ جب بیٹی سے منہ کالا کرتا ہے تو باقی کیا رہ جاتا ہے اللہ تعالیٰ امت مسلم کو راہ ہدایت پر گامزن فرمائے آمین۔

☆☆☆

صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اک دن رسولِ پاک نے اصحاب سے کہا
دیں مال راہِ حق میں جو ہوں تم میں مال دار
ارشاد سن کے فرطِ طرب سے عمر اٹھے
اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار
دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیق سے ضرور
بڑھ کے رکھے گا آج قدم میرا راہوار
لائے غرضکہ مال رسولِ امیں کے پاس
ایثار کی ہے دست نگر ابتدائے کار
پوچھا حضور سرورِ عالم نے اے عمر!
اے وہ کہ جوشِ حق سے ترے دل کو ہے قرار
رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟
مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق گزار
کی عرض نصف مال ہے فرزند و زن کا حق
باقی جو ہے وہ ملتِ بیضا پہ ہے نثار
اتنے میں وہ رفیقِ نبوت بھی آ گیا
جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت
ہر چیز ، جس سے چشمِ جہاں میں ہو اعتبار
ملکِ یمین و درہم و دینار و رخت و جنس
اسپِ قمر سُم و شتر و قاطر و حمار
بولے حضور ، چاہیے فکرِ عیال بھی
کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار
اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر!
اے تیری ذات باعثِ تکوینِ روزگار!
پروانے کو چراغ ہے ، بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

علامہ اقبال

خاندان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

(ایک تعارف)

علامہ جی اے حق

اصحاب النبی الکریم ﷺ میں سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کو یہ امتیازی شرف حاصل ہے کہ آپ کے خاندان کا کوئی فرد عہد رسالت مآب ﷺ میں عزت صحابیت سے محروم نہ رہا۔ سوائے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے کیونکہ وہ تابعیہ ہیں۔

آپ والد کی طرف سے اور والدہ کی طرف سے بھی قریش کی شاخ بنوتیم سے تعلق رکھتے تھے۔ والد کی طرف سے آپ کا شجرۂ نسب اس طرح ہے۔ عبداللہ (ابوبکر) بن عثمان (ابوقحافہ) بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔ آپ کی والدہ کا نسب تیسری پشت میں آپ کے والد گرامی کے نسب سے جا ملتا ہے جو اس طرح ہے سلمیٰ (ام الخیر) بنت صخر بن عمرو بن کعب۔ آپ کے والد گرامی حضرت عثمان جو ابوقحافہ کنیت رکھتے تھے، خاندان قریش بلکہ سارے عرب میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ شروع میں اسلام کی شدید مخالفت پر رہے۔ ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر صدیق ؓ تقریباً سارا پیسہ آقائے کل ﷺ پر نچھاور کرنے کے لئے ساتھ لے آئے تو ابوقحافہ سخت ناراض ہوئے مگر بی بی اسماء بنت ابی بکر ؓ نے کہا کہ ان کے والد گرامی کافی مال گھر چھوڑ گئے ہیں۔ ایک کونے میں کچھ پتھر رکھ کر اوپر کپڑا ڈال دیا اور اپنے دادا ابوقحافہ کو لا کر دکھلایا کہ یہ مال ان کے والد گھر میں چھوڑ گئے ہیں تاہم فتح مکہ کے بعد وہ مسلمان ہو گئے۔ حضرت ابوبکر ؓ ان کو سہارا دے کر حضرت نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں لائے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ابوبکر! انہیں کیوں تکلیف دی ہے میں خود چل کر ان کے پاس آتا تو حضرت ابوبکر ؓ نے عرض کیا آقا! (ﷺ) یہ ان کے لئے عزت کی بات ہے کہ یہ چل کر آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوں۔ انہوں نے ۱۴ھ میں ۹۷ برس کی عمر میں وفات پائی اس طرح یہ شرف بھی انہیں ملا کہ وہ ایک خلیفہ راشد کے وارث ہے۔

حضرت ابوبکر ؓ کا نسب آٹھویں پشت میں حضرت نبی اکرم ﷺ کے نسب پاک سے مل جاتا ہے جو اس طرح ہے:

مرہ

کلاب	تیم
قصی	سعد
عبدمناف	کعب
ہاشم	عمرو
عبدالمطلب	عامر
عبداللہ	عثمان (ابوقحافہ)
سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ	ابوبکر صدیق ؓ

آپ کی والدہ محترمہ کا نام سلمیٰ تھا اور کنیت ام الخیر تھی۔ انہوں نے طویل عمر پائی اپنے قابل صد فخر بیٹے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی وفات کے بعد ان کی رحلت ہوئی۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر سیرت نگاروں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ ابھی مکہ میں صرف ۳۹ افراد مسلمان ہوئے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے اصرار پر سیدنا نبی اکرم ﷺ حرم مکہ میں تشریف فرما ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے خطبہ دینا شروع کیا تو مشرکین مکہ نے حملہ کر دیا۔ دہشت گردی کا بدترین مظاہرہ کیا گیا عتبہ بن ربیعہ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو اس قدر زدوکوب کیا کہ آپ لہولہان ہو کر بے ہوش ہو گئے۔ بنوتیم نے جو حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا قبیلہ تھا ان کو اٹھا کر گھر پہنچایا، جب انہیں ہوش آیا تو سب سے پہلے حضور اکرم ﷺ کے بارے میں پوچھا کہ ان کا کیا حال ہے تو ان کے والد ابوقحافہ اور بنو تیم ناراض ہو کر چلے گئے۔ حضرت عمر ؓ کی ہمشیرہ ام جمیل سے پتہ چلا کہ آپ ﷺ خیر سے ہیں اور دار ارقم میں ہیں، کہا کہ مجھے قسم ہے جب تک میں آپ ﷺ کو دیکھ نہ لوں، کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔ اسی حالت میں بی بی ام جمیل اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی والدہ سلمیٰ ام الخیر سہارا دے کر لائیں۔ آقا ﷺ کا چہرہ انور دیکھ قدموں میں گر پڑے، قدم بوسی کی تو چہرہ خوشی سے تمتمانے لگا۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی والدہ بی بی سلمیٰ ام الخیر نے اسلام قبول کر لیا کہا جاتا ہے کہ حضرت حمزہ ؓ نے بھی اسی دن اسلام قبول کیا تھا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا (ام رومان) (زوجۂ ابوبکر ؓ)

ان کا نسبی تعلق بنوکنانہ سے تھا۔ سلسلہ نسب یوں بتلایا گیا ہے۔ ام رومان بنت عامر بن عویمر بن عبدشمس بن عتاب بن اذینہ بن سبیع بن وہمان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ۔ پہلا نکاح عبداللہ بن سنجرہ سے ہوا تھا۔ وہ انہیں ساتھ لے کر مکہ میں قیام پذیر ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے حلیف بنے۔ جب عبداللہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ام رومان سے شادی کر لی۔ جب حضرت ابوبکر

صدیقؓ مسلمان ہوئے تو یہ بھی مسلمان ہوگئیں۔ پہلے شوہر سے ایک بیٹا تھا جس کا نام طفیل تھا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے دو بچے ہوئے، حضرت عبدالرحمٰنؓ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ ۹ھ میں انتقال فرما گئیں۔ حضرت نبی اکرمﷺ خود ان کی قبر میں اترے اور ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔

حضرت اسماء بنت عمیس (زوجہ ابوبکرؓ)

ان کا نسبی تعلق قبیلہ خثعم سے تھا۔ پہلا نکاح حضرت جعفر بن ابی طالب سے ہوا۔ حضرت جعفرؓ کے ساتھ ہی مسلمان ہوگئیں۔ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور کئی سال تک وہیں قیام کیا۔ ۷ھ میں فتح خیبر کے بعد مدینہ طیبہ آگئیں۔ ۸ھ میں غزوہ موتہ کے موقعہ پر حضرت جعفرؓ شہید ہوگئے۔ اسی سال شوال میں غزوہ حنین کے موقعہ پر حضرت نبی اکرمﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ ان کا نکاح کرا دیا۔ انہی کے بطن سے ۱۰ھ میں محمد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے۔ ۱۳ھ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفات پائی تو بی بی اسماء بنت عمیس نے حضرت علیؓ سے نکاح کرلیا۔

قتیلہ بنت عبدالعزیٰ

یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پہلی بیوی تھیں۔ مشرف بہ اسلام ہوئیں یا نہیں اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا گیا البتہ حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ اگر وہ فتح مکہ تک زندہ رہی ہوں گی تو یقیناً مسلمان ہوگئی ہوں گی۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ اور بی بی اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا اس بی بی قتیلہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔

حبیبہ بنت خارجہ

یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی چوتھی زوجہ محترمہ تھیں۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہجرت فرمائی تو مدینہ طیبہ میں حضرت رسول اکرمﷺ نے خارجہ بن زید کے ساتھ ان کی مواخات کردی تھی۔ حضرت حبیبہ انہی حضرت خارجہ بن زید کی بیٹی تھیں۔ خارجہ بن زید نے حبیبہ کی شادی حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ کردی اور حضرت ابوبکر مقام "سنخ" میں انہیں کے ساتھ رہتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد انہوں نے اساف بن عتبہ بن عمرو کی زوجیت قبول کرلی تھی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ

حضرت عبدالرحمٰن حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بڑے بیٹے تھے۔ بی بی ام رومان کے بطن سے تولد ہوئے۔ غزوہ بدر میں مشرکین مکہ کی طرف سے آئے تھے۔ غزوہ احد میں مشرکین کے ساتھ تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر مسلمان ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے والد گرامی سے کہا کہ میدان بدر میں آپ میرے نشانے پر آئے مگر میں نے باپ سمجھ کر وار نہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواباً فرمایا بیٹے اگر تو میری زد میں آتا تو میں ضرور تجھ پر وار کرتا اس لئے کہ اس وقت تو ہمارے آقا نبی اکرمﷺ کا دشمن بن کر آیا تھا (آقائے دو جہاںﷺ کی وہ ذات ہے کہ اگر ان پر ماں باپ اور ساری اولاد بھی قربان کردی جائے تو بھی حق ادا نہیں ہوتا) حضرت عبدالرحمٰن شجاعت اور تیراندازی میں بہت زیادہ مہارت رکھتے تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد ہر غزوہ میں اپنی بہادری اور تیراندازی کے جوہر دکھاتے رہے۔ جنگ یمامہ میں انہوں نے تنہا سات بڑے بڑے کافر سورماؤں کو اپنے تیروں کا نشانہ بنا کر جہنم رسید کیا۔

قلعہ یمامہ کی دیوار میں داخل ہونے کا ایک راستہ بنا ہوا تھا۔ مسلمان سپاہی اس سے اندر داخل ہونے کی کوشش کرتے تھے مگر محکم بن طفیل جو ایک بہادر سردار شمار ہوتا تھا اس کی حفاظت پر مامور تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کا اندر داخل ہونا ممکن نہ تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے ایک تیر پھینکا جو سیدھا نشانے پر لگا۔ محکم بن طفیل وہیں گھائل ہوگیا اور مسلمان اس راستے سے قلعے میں داخل ہوگئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر ایک ہی ماں کے بطن سے تھے۔ اس وجہ سے دونوں میں بہت زیادہ پیار تھا۔ ۵۳ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو بڑا صدمہ ہوا۔ انہوں نے اپنے اس سگے بھائی کی یاد میں پرسوز اشعار کہے جو صحیح بخاری میں بھی موجود ہیں۔

عبداللہ بن ابی بکرؓ

حضرت عبداللہ حضرت صدیق اکبرؓ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ ان کی والدہ کا نام قتیلہ تھا۔ یہ بی بی اسماءؓ کے سگے بھائی تھے یعنی دونوں ایک ہی ماں کے بطن سے تھے ان کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ یہ السابقون الاولون میں سے تھے یعنی اول اسلام قبول کرنے والے تھے۔ اپنے والد گرامی کے ساتھ مسلمان ہوگئے تھے۔ ہجرت کے وقت جب حضرت نبی اکرمﷺ اپنے رفیق خاص حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ غار ثور میں قیام فرما تھے تو حضرت عبداللہ شام کے وقت غار ثور میں آکر قریش مکہ کی دن بھر کی خبریں عرض کردیتے تھے۔

انہوں نے اپنی سوتیلی اماں جان بی بی ام رومان، باپ شریک بہن بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سگی بہن بی بی اسماء رضی اللہ عنہا کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

انہوں نے فتح مکہ، غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ معرکۂ طائف میں انہیں تیر کا ایک گہرا زخم آیا اگرچہ علاج کے بعد وہ زخم مندمل ہو گیا تھا مگر حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال شریف کے چالیس دن بعد وہ زخم پھر تازہ ہو گیا اور ایسا بڑھا کہ حضرت عبداللہ کی وفات ہوئی۔

محمد بن ابی بکر ؓ

یہ حضرت ابوبکر ؓ کے تیسرے اور چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ ان کی والدہ حضرت اسماء بنت عمیس تھیں۔ حجۃ الوداع کے سال ماہ ذو القعدہ کے آخر میں، ذوالحلیفہ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ ان کا ایک بیٹا قاسم تھا اس لئے بی بی عائشہ صدیقہ ؓ نے ابوالقاسم ان کی کنیت رکھی۔ حضرت ابوبکر ؓ کی وفات کے بعد ان کی والدہ نے حضرت علی ؓ سے شادی کر لی تھی۔ جس کی وجہ سے انہیں باب مدینۃ العلم مولا علی ؓ کے کاشانہ علمی میں پرورش پانے کا شرف ملا۔ بعض لوگوں نے خیال کیا کہ حضرت عثمان ؓ کی شہادت میں ان کا بھی ہاتھ تھا مگر محققین علماء نے اس کی تردید کی ہے۔ محمد بن ابی بکر ؓ ناراضگی کے عالم میں حضرت عثمان ذوالنورین کے گھر داخل ہوئے۔ مگر جب حضرت عثمان ؓ نے انہیں فرمایا "کہ اگر تیرا والد تجھ کو اس حال میں دیکھتا تو ہرگز پسند نہ کرتا" تو وہ فوراً گھر سے باہر نکل گئے۔ (حضرت عثمان غنی ؓ کے خلاف بلکہ دین اسلام اور امت مسلمہ کے خلاف دشمنان دین نے جو سازش کی تھی اس کی تفصیل کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے)

حضرت محمد بن ابی بکر ؓ اپنے مربی اور سوتیلے باپ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ ؓ کے جاں نثاروں میں سے تھے۔ ۳۸ھ میں حضرت علی ؓ نے ان کو مصر کا والی (گورنر) مقرر کیا۔ جب وہ مصر تشریف لائے تو امیر معاویہ نے عمرو بن العاص کی قیادت میں لشکر بھیج کر ان کے خلاف جنگی کاروائی کرائی۔ اس جنگ میں محمد بن ابی بکر کو شکست ہوئی اور انہیں قتل کر دیا گیا۔ حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس پر سخت صدمہ ہوا۔ آپ نے ان کے بیٹے قاسم کو اپنی کفالت میں لے لیا اور حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر اپنے عہد میں بڑے عالم تسلیم کئے گئے اور فقہائے سبعہ میں ان کا شمار ہوا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (بنت ابی بکر ؓ)

حضرت عائشہ حضرت صدیق اکبر ؓ کی صاحبزادی بعثت نبوی ﷺ کے چار سال بعد ماہ شوال میں پیدا ہوئیں۔ صدیقہ اور حمیرا ان کا لقب تھا۔ ام عبداللہ کنیت تھی۔ والدہ کا نام زینب (ام رومان) تھا۔

آپ کو بجا طور پر یہ شرف ملا کہ سراسر اسلام کی آغوش میں جنم لیا، نہ صرف یہ کہ مکہ میں آفتاب اسلام طلوع پا کر ضوفشانی کر رہا تھا بلکہ ان کا گھرانہ نور اسلام سے پوری طرح جگمگانے لگا تھا، اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ کے والد گرامی حضرت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ قرب کا امتیازی مقام رکھتے تھے کہ آپ ﷺ روزانہ ان کے گھر تشریف لایا کرتے تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے ذرا ہوش سنبھالا اپنے والدین کو شرف اسلام سے مشرف پایا۔

اہل عرب میں رضاعی رشتے عام رواج پذیر تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ کو وائل کی بیوی نے دودھ پلایا۔ وائل کے بھائی افلح رضاعی چچا کی حیثیت سے اور ان کے رضاعی بھائی بھی کبھی کبھی ان سے ملاقات کے لئے آیا کرتے۔ دین اسلام نے رشتوں کے تقدس کو قائم کیا اور معاشرتی ضرورتوں کے مطابق ان رشتوں سے پردہ واجب نہیں کیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت نبی اکرم ﷺ پر ملال تھے۔ بی بی خولہ بنت حکم نے آنحضرت ﷺ سے اجازت لی کہ آپ ﷺ کو اللہ جل شانہ کی طرف سے اذن مل چکا تھا یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا اجازت دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت دینا تھا کیونکہ آپ ﷺ جو کچھ ارشاد فرماتے وہ اللہ جل جلالہ کی طرف سے وحی ہوتا تھا۔ اس طرح بی بی خولہ نے باقاعدہ اجازت سے بی بی ام رومان سے بات کی انہوں نے اپنے شوہر حضرت ابوبکر ؓ سے ذکر کیا مگر حضرت ابوبکر صدیق ؓ فوراً ہاں نہ کر سکے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہلے ہی جبیر بن معطم کے بیٹے سے منسوب ہو چکی تھیں: حضرت ابوبکر ؓ وعدہ خلافی نہ کر سکتے تھے مگر امر الٰہی ہو کر رہتا ہے۔ جبیر بن معطم نے خود ہی اس رشتے سے انکار کر دیا تو ایک قول کے مطابق ۱۰ نبوی میں جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک چھ برس تھی پانچ سو درہم حق مہر پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنی لاڈلی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنے محبوب ترین آقا ﷺ کے ساتھ کر دیا۔

ہجرت میں تو حضرت ابوبکر ﷺ کے دل ودماغ میں صرف اور صرف حضرت نبی اکرم ﷺ کی ذات کریم تھی اور کسی کا ہوش وخیال نہ تھا لہذا سارے اہل وعیال مکہ میں رہ گئے تھے۔ بعد میں انہوں نے عبداللہ بن اریقط کو بھیج کر اپنی بیوی ام رومان اور دونوں بیٹیوں حضرت عائشہ اور بی بی اسماء کو مدینہ طیبہ بلوالیا اور جلد ہی حضرت عائشہ رخصت ہوکر کاشانہ نبوت کا حصہ بنیں اور ام المومنین ہونے کا اعلیٰ اعزاز پایا۔

بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی ماہ شوال میں ہوا تھا اور رخصتی بھی ماہ شوال میں ہوئی۔ آقائے کل ختم رسل حضرت نبی اکرم ﷺ کے ہر ہر عمل مبارک نے مکمل اسوہ حسنہ بن کر اہل دنیا کی جاہلانہ ظلمتوں کو اپنے نور سے کافور کر دیا۔ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس مقدس رشتے کے سبب دو جاہلانہ تخیلات رد کر دیئے گئے۔ جہلاء سمجھتے تھے کہ منہ بولے بھائی کی بیٹی سے نکاح حرام ہے۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوبکر تو میرا نسبی بھائی نہیں ہے بلکہ دینی بھائی ہے۔ انت اخی فی الا سلام لہذا منہ بولے بھائی سے نسبی حرمت قائم ہونے کا خیال باطل قرار دیا گیا اور دوسری بات یہ کہ جہلاء ماہ شوال میں شادی کرنے کو منحوس جانتے تھے اسے بھی رد کر دیا گیا۔ بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ میرا نکاح بھی شوال میں اور رخصتی بھی شوال میں ہوئی اور میں کائنات کی سب سے زیادہ خوش نصیب بی بی ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بعض غزوات میں بھی شرکت فرمائی۔ غزوہ احد میں شریک ہوکر زخمیوں کو پانی پلانا تو بروایت حضرت انس ﷺ صحیح بخاری میں موجود ہے۔ ۵ھ میں غزوہ مصطلق میں حضرت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھیں۔ اسی سفر میں واپسی پر ان کا ہار گم ہوگیا، اس لئے سارے اصحاب کو رکنا پڑا، نماز کا وقت آگیا، پانی میسر نہ تھا، سب بہت پریشان تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت تیمم نازل فرمائی۔ حضرت سعید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو کہنا پڑا ''اے ابوبکر کے گھر والو تم سب لوگوں کے لئے برکتوں کا خزانہ ہو۔'' اس سفر میں واقعہ افک پیش آیا منافقوں نے اپنی گندی فطرت کے مطابق جھوٹ باندھا مگر کہنے والوں نے سچ کہا ہے'' عدو شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد''

اس کے بدلے میں بی بی عائشہ کو یہ امتیازی شرف ملا کہ قرآن کی آیات کریمہ ان کی حقانیت، عزت، شرافت، عظمت اور لازوال تقدس پر لافانی گواہ بن گئیں۔ اور انسانی معاشرہ کو امن وسلامتی دینے کے لئے ایک قاعدہ سامنے آگیا کہ اگر کوئی شرپسند شرفا پر کیچڑ اچھال کر معاشرتی امن کو تار تار کرنا چاہے تو سب لوگ اپنے ہاتھوں سے اس کو روک لیں۔ قرآن مجید میں اس بات پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا گیا کہ تم لوگوں نے ان دہشت گردوں کی زبان کیوں نہ بند کر دی، ان کا راستہ کیوں نہ روک لیا جو ایک مجسمہ شرم وحیا کے خلاف تہمت بازی کرنے لگے تھے اور پورا معاشرہ فسادی کی لپیٹ میں آنے لگا تھا۔ آج ہماری بدبختی یہی ہے کہ ہم فسادی کا ساتھ دیتے ہیں یا اس کے فسادی عمل پر خاموش رہتے ہیں بلکہ اس شخص کو خاموش رہنے اور باز رہنے کی تلقین کرتے ہیں جو فسادی کے خلاف آواز اٹھاتا ہے۔ کہتے ہیں بھائی آپ شریف آدمی ہیں اس جھگڑے میں نہ پڑیں بس پھر فساد بڑھتے بڑھتے پورے ماحول کو جکڑ لیتا ہے۔ ہمیں ہر حال میں قرآن کی طرف لوٹنا ہوگا، ہر فسادی کی زبان بند کرنی ہوگی، ہر شرپسند کے قدم روکنے ہوں گے۔

۹ھ میں کا معاملہ پیش ہوا جس کے نتیجے میں آیۂ تخییر نازل ہوئی۔ مختصر واقعہ یہ ہے کہ ازواج مطہرات نے دنیوی آسائشوں کے لئے تقاضے شروع کر دیئے۔ رب تعالیٰ کا قانون (فطر اللہ) یہی ہے کہ اگر دینی تقدس اور اخروی عظمت لینی ہے تو دنیاوی عیش وآرام کو قربان کرنا پڑے گا۔ واقعہ بدر سے رب تعالیٰ کا مقصود یہی تھا کہ اہل دنیا کو اس قاعدہ سے آگاہ کر دیا جائے، تو آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج سے فرمایا یعنی ایک ماہ تک ان سے دور رہنے کا عہد فرمایا اور آپ ﷺ نے یہ وقت اپنے بالا خانے میں گزارا۔ آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق نہیں دی تھی، اپنی ناراضگی کے اظہار کے لئے ایلا فرمایا تھا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے آیت تخییر نازل فرمائی تخییر کا معنی ہے اختیار دینا اللہ جل شانہ نے ازواج مطہرات کو اختیار دیا کہ اگر وہ دنیوی، آسائش چاہتی ہیں تو کاشانہ نبوت کا شرف چھوڑنا پڑے گا اور اگر اس شرف عظیم سے دستبردار ہونا گوارا نہیں تو پھر دنیوی حیات میں سادگی اور قناعت کو وطیرہ بنانا ہوگا۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ بات سنی تو فوراً بلا جھجک بول اٹھیں یارسول اللہ میں اللہ، اس کے رسول ﷺ اور آخرت کو اختیار کرتی ہوں۔ اس پر دیگر ازواج نے بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اتباع کرتے ہوئے دنیوی آسائشوں کو ٹھکرا کر اللہ جل مجدہ کو، اللہ کے پیارے رسول ﷺ کو اور دار آخرت کو اختیار کر لیا۔

حضرت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رفاقت حضور پرنور ﷺ کی بشری حیات طیبہ کے آخری لمحہ تک رہی اور بے مثل وقابل فخر رہی۔ ربیع الاول ۱۱ھ میں آقائے کل جہاں ﷺ نے وصال فرمایا تو آپ کا سر اقدس حضرت عائشہ کی گود میں تھا۔ وفات سے کچھ پہلے بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مسواک چبا کر آپ ﷺ کو پیش کیا اور آپ نے اپنے معمول کے مطابق مسواک کیا۔ بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بجا طور پر فخر کیا کرتی تھیں کہ ان کے منہ کا چبایا ہوا مسواک حضرت نبی اکرم ﷺ نے اپنے دہن مبارک میں رکھا۔ بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ساری امت کے لئے تحریم وتکریم وتعظیم کے قابل تھیں۔ آپ کے والد گرامی حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ بھی آقا ءِ اکرم ﷺ کی عظیم نسبت کی وجہ سے اپنی اس بیٹی کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ دیگر خلفاء راشدین اور تمام صحابہ کرام نے ہر لمحہ انکا احترام جزو ایمان سمجھا۔

بی بی عائشہ کی بقیہ زندگی قرآن وحدیث کی تعلیم وتدریس میں گزری جس کی تفصیل کے لئے کئی دفتر درکار ہیں۔

رمضان ۵۸ھ میں آپ نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ آپ کی عمر (۶۷) سڑسٹھ برس تھی۔ ان کی اپنی وصیت کے مطابق انہیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ قاسم بن محمد، عبداللہ بن عبدالرحمٰن، عبداللہ بن ابی عتیق، عروہ بن زبیر اور عبداللہ بن زبیر نے قبر میں اتارا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کی اولاد نہ تھی ایک ناتمام بچہ ساقط ہو گیا تھا۔ اس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ اس وجہ سے ان کی کنیت ام عبداللہ تھی۔ کہا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر کو متبنٰی بنایا تھا۔ اس لئے ام عبداللہ کنیت اختیار کی تھی۔ ان کی عظمت شان کے لئے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کافی ہے کہ "ہم کو کبھی کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں آئی جس کو ہم نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کا علم نہ ہو"

بی بی اسماء بنت ابی بکر ﷛

بی بی اسماء حضرت صدیق اکبر ﷛ کی بڑی صاحبزادی تھیں (ذات النطاقین) ان کا لقب تھا۔ والدہ کا نام قتیلہ بنت عبدالعزیٰ تھا۔ ان کا شمار بھی اول اسلام قبول کرنے والوں میں ہے۔ جب آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکر ﷛ کے ساتھ ہجرت کے لئے تیار ہوئے تو بی بی اسماء نے دو تین دنوں کے لئے کھانا بنایا اور اپنا کمر بند جس کو نطاق کہتے تھے، پھاڑ کر دو ٹکڑے کیا اور اس سے وہ کھانا باندھ دیا۔ چونکہ ان کا نطاق (کمر بند) دو حصے ہو گیا تھا اس لئے انہیں ذات النطاقین یعنی دو نطاق والی کہا جانے لگا۔ حضرت زبیر بن عوام ﷛ سے ان کا نکاح ہوا۔ مکہ سے ہجرت کی تو قبا میں قیام ہوا۔ یہیں پر عبداللہ بن زبیر ﷛ پیدا ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کی گھٹی میں حضرت نبی اکرم ﷺ کا لعاب دہن مبارک ڈالا گیا تھا۔ زبان سے کلمۂ حق ہی ادا ہوتا تھا۔ یزید بدبخت کی بیعت سے انکار کیا۔ عبدالملک بن مروان کے عہد حکومت میں مکہ پر فوج کشی کی گئی۔ ابن زبیر اپنی والدہ کریمہ بی بی اسماء کے پاس آئے تو اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا میرے بیٹے! میری آرزو ہے کہ تم لڑ کر قتل ہو جاؤ اور میں صبر کرنے کا شرف حاصل کروں یا تم کامیاب ہو جاؤ اور میری آنکھوں کو ٹھنڈک ملے۔ ابن زبیر نے حجاج سے صلح کرنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا بیٹے! قتل کے خوف سے ذلت آمیز صلح بہتر نہیں کیونکہ عزت کے ساتھ تلوار مارنا ذلت کے ساتھ کوڑا مارنے سے بہتر ہے۔ آخر کار حضرت ابن زبیر ﷛ شہید ہوئے۔ حجاج نے ان کی لاش سولی پر لٹکا دی۔ تین دن بعد حضرت اسماء آئیں، دیکھا لاش الٹی لٹکی ہوئی تھی، بولیں "کیا ابھی اس سوار کے لئے گھوڑے سے اترنے کا وقت نہیں آیا"

حجاج حضرت اسماء کے سامنے آیا تو بولا "دیکھ میں نے دشمن خدا (ابن زبیر ﷛) کے ساتھ کیا سلوک کیا" بی بی اسماء رضی اللہ عنہا نے جواباً فرمایا "ہاں تو نے ان کی دنیا بگاڑ دی اور انہوں نے تیری آخرت خراب کر دی، فرمایا: میں نے سنا ہے کہ تو انہیں طنزاً ذات النطاقین کا بیٹا کہتا ہے۔ خدائے پاک کی قسم وہ ذات النطاقین میں ہوں۔ میں نے اپنے نطاق کے ایک حصے سے حضرت نبی اکرم ﷺ کا کھانا باندھا تھا اور دوسرا حصہ کمر میں لپیٹتی تھی۔ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا کہ بنو ثقیف میں ایک کذاب اور ایک ظالم پیدا ہوگا چنانچہ کذاب تو پہلے ہی دیکھ چکی ہوں اور ظالم تو ہے۔ حجاج نے یہ حدیث سنی تو منہ لٹکائے واپس چلا گیا۔ حضرت اسماء دعا کرتی تھیں کہ جب تک میں عبداللہ کی لاش نہ دیکھ لوں مجھے موت نہ آئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ایک ہفتہ بعد بی بی اسماء نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ یہ ۷۳ھ اور جمادی الاول کا مہینہ تھا اور ان کی عمر ایک سو سال تھی۔ انہوں نے چھپن حدیثیں روایت کی ہیں جو صحاح اور سنن میں موجود ہیں۔

بی بی ام کلثوم رضی اللہ عنہا

حضرت ابوبکر ﷛ کی سب سے چھوٹی بیٹی ہیں۔ حضرت حبیبہ بنت خارجہ ﷛ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ تاہم ان کی ولادت حضرت ابوبکر ﷛ کی وفات کے بعد ہوئی اور خود حضرت ابوبکر صدیق ﷛ نے ان کی ولادت کی پیشین گوئی فرمائی تھی۔ حضرت ابوبکر ﷛ کی اولاد میں صرف یہی ایک تابعیہ ہیں اور انہوں نے کئی احادیث روایت فرمائی ہیں۔

عامر بن فہیرہ ﷛

حضرت صدیق اکبر ﷛ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اولین اسلام لانے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان لوگوں میں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں شدید عذاب دیا گیا۔ احادیث میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ قبیلہ ہوازن سے تعلق تھا۔ طفیل بن عبداللہ بن سخبرہ کے غلام تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق ﷛ نے اس سے خرید کر آزاد کر دیا۔ ابھی حضرت نبی اکرم ﷺ دار ارقم میں تشریف نہیں لے گئے تھے کہ عامر بن فہیرہ مسلمان ہو گئے۔

ہجرت کے موقعہ پر حضرت صدیق اکبر ؓ کے حکم کے مطابق دن بھر پہاڑیوں میں بکریاں چراتے تھے اور سرِ شام دودھ نکال کر غارِ ثور میں پیش کر دیا کرتے تھے۔ غارِ ثور سے آگے ہجرت کے سفر میں یہ بھی حضرت نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر ؓ کے ہمراہ ہو گئے۔ غزوہ بدر اور غزوہ احد میں خدمات سرانجام دیتے رہے اور ۴ھ میں پیر کے دن شہید ہو گئے۔ ان کی عمر چالیس برس تھی۔ عامر بن طفیل ؓ نے حضرت رسول اکرم ﷺ سے پوچھا وہ کون ہے جو قتل کیا گیا اور آسمانوں پر اٹھایا گیا فرمایا وہ عامر بن فہیرہ ؓ ہے۔

☆☆☆

تصوف اور اہل تصوف کے امیر طریق

خلیفۃ الرسول

ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری

امیر المومنین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

تصوف کے پیشوا عارفوں کے مقتدا اور فکرِ تصوف کے مؤید و شارح داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "کشف المحجوب" کے مقدمے میں رقم فرمایا! رب العزت مجدہٗ نے ہمیں بھی ایسے زمانہ میں پیدا فرمایا کہ اہالیان زمانہ حظوظ و ہوا کو شریعت بنا بیٹھے اور طلب جاہ اور ریاست و تکبر کو عزت و علم سمجھ لیا اور ریاکاری و نمائش کو خوفِ الٰہی قرار دے دیا اور بغض و حسد و کینہ کو حلم و بردباری بنا لیا۔ مجادلہ کا نام مناظرہ رکھ لیا اور کمینہ پن کا نام غیرت رکھ لیا۔

نفاق کے معنی زہد کر لئے اور عناد باطل کو ارادت بتانے لگ گئے۔ ہذیان و بکواس کا نام معرفت رکھ لیا۔ حرکت دل بڑھ جانے کو قلب جاری ہونا کہہ دیا۔ دل میں پیدا ہونے والے خطرات کو الہام و حدیث نفس کا نام دے لیا۔ الحاد خالص کو فقر کہہ دیا۔ جحود حق یعنی سہل انکاری کو صفوت کہہ ڈالا۔ زندقہ کا نام فنافی اللہ ہونا رکھ لیا۔ ترک احکام شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والسلام کو عین طریقت بنا بیٹھے اور خس و خاشاک فکر دنیا و آفت زمانہ کا نام معاملہ فہم بنا لیا۔ آخرش ارباب معنی، اہل سلوک ان دیدہ دلیروں سے الگ ہو گئے اور اغیار نے عوام پر غلبہ پا لیا۔"

قارئین!

مندرجہ بالا اقتباس کو بار بار پڑھیئے تو یہ حقیقت آپ پر منکشف ہوگی کہ کچھ ایسی ہی صورت حال ہمارے زمانے میں بھی پیش آ رہی ہے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف پر بحث کرتے ہوئے جو رقم فرمایا تھا کہ تصوف کبھی ایک حقیقت تھا بغیر نام کے اور آج محض ایک نام ہے بغیر حقیقت کے کہ وہ بھی آج کے حالات پر صحیح منطبق ہو رہا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ایک اور فرمان بھی دور حاضر کی گمراہیوں کو آشکارا کرنے میں بیّن ثابت ہو رہا ہے۔ جس میں آپ نے تصوف کے بارے میں لوگوں کے مختلف رویوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک گروہ کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے "کوئی اس گمان میں بہک گیا کہ یہ صوفی اور تصوف ایک بے حقیقت چیز ہے اور یہ نام محض بے اصل نام ہے۔ حتیٰ کہ بعض کمینے، جاہل تو مسخرہ پن کر کے نافہم اہل علم کو اپنے ساتھ ملا کر محض ظاہر بین نظروں سے دیکھ بھال کر سرے سے تصوف کے منکر ہو گئے اور باوجود یہ کہ وہ سخت حجاب غفلت میں ہیں لیکن اپنی اندھی نظر کی تحقیق پر مطمئن ہیں۔ ان کی پیروی جاہل عوام کالانعام نے کی اور صفائے باطن کی خواہش ہی دل سے نکال دی اور سلف صالحین اور صحابہ کرام کے طریقہ کو چھوڑ بیٹھے۔

قارئین!

آپ جانتے ہیں آج ہمیں بھی ایسے ہی محققین معترضین کا سامنا ہے جو تصوف کو بے اصل بتا رہے ہیں۔ پہلے تو کسی نے اسے افیون قرار دیا اور کسی نے اسے بدلی اور عجمی پودا کہا، جو باہر سے لا کر سرزمین اسلام میں کاشت کر دیا گیا ہے۔ کوئی اسے فلسفہ یونان کا چربہ اور کوئی اسے ہندو تہذیب کے اسلامی تہذیب پر اثرات کا شاخسانہ ثابت کرتا رہا۔ ان سب مخالفین تصوف کی بات بڑھتے بڑھتے اب یہاں تک آن پہنچی ہے کہ اس قبیل کے جدید دانشور جاہلیت جدیدہ کا اظہار کرتے ہوئے تصوف کو سرے سے اسلام کے مقابلے میں ایک الگ دین قرار دینے کی جسارت کر رہے ہیں۔

اسی لیے راقم الحروف نے ان سطور میں خلیفۃ الرسول، امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کی جلیل القدر شخصیت پر تصوف اور تعلیمات تصوف کے حوالے سے چند معروضات قلمبند کرنے کا ارادہ کیا ہے تاکہ محبان تصوف کے یقین کی لو تیز تر ہو اور مخالفین تصوف کے قلوب و اذہان پہ لگے شک اور ظن کے جالے اتریں اور انہیں بھی معرفت حق کی روشنی میسر آ سکے۔

منکرین تصوف کا فکری مغالطہ جس میں وہ خود مبتلا ہیں اور جس کی بنیاد پر وہ مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ تصوف کے حقیقی نمائندوں سے تعلیمات تصوف اخذ کرنے کی بجائے بھنگ، چرس، افیون اور لہو لعب میں مبتلا، شریعت اسلامی سے بے نیاز جھوٹے مدعیان تصوف کو تصوف کا نمائندہ قرار دیتے ہیں اور پھر انہی کے حوالے سے تصوف کو معترب اور مسترد کرنے لگتے ہیں، حالانکہ اگر وہ تعصب، عناد اور بدنیتی سے ہٹ کر طبقہ صوفیاء کے حقیقی رہنماؤں سے رجوع کریں تو انہیں پتہ چلے کہ جن لوگوں کی وجہ سے وہ تصوف کا انکار کر رہے ہیں اہل تصوف نے خود بھی کبھی انہیں قبول نہیں کیا بلکہ ہمیشہ ان کی مذمت کی ہے۔ ارباب تصوف کے جلیل القدر سرخیل مخدوم امم سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ ان مردود مدعیان تصوف کو مستصوف کے نام سے یاد کرتے ہیں ان کے مطابق "مستصوف" وہ ہے جو مال و منال دنیاوی حاصل کرنے کی غرض سے صوفیاء کرام کے اعمال و افعال و حرکات کی نقل کرتا ہے، صوفیاء کے افعال کے اقوال کہتا پھرتا ہے مگر خود محض بے خبر ہے اور کچھ نہیں جانتا چنانچہ ایسے ہی شخص کے حق میں مشائخ کرام نے فرمایا:

المستصوف عند الصوفية كالذباب و عند غيرهم كالذباب

مستصوف صوفیاء کرام کے نزدیک ایک ذلیل مکھی ہے جو کچھ کرتا ہے محض لغو اور فضول ہے۔

جب صوفیاء کی رہ و رسم اور طور طریقے کی نقل کرنے والے جھوٹے دعویدار کو بھی وہ مسترد کرتے ہیں تو پھر بھلا بھنگیوں، چرسیوں اور طریق صوفیا اور تعلیمات شریعت کی مخالفت کرنے والوں کو وہ کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔

صوفیاء اسلام کا تصوف تو سارے کا سارا قرآن کریم اور حدیث رسول ﷺ سے ماخوذ ہے جبکہ منکرین تصوف جس کی مخالفت کر رہے ہیں وہ کسی مستند صوفی کی تعلیمات نہیں بلکہ انہوں نے خود ہی کچھ جہلا کو تصوف کے نمائندے قرار دے لیا ہے اور پھر ان کے حوالے سے تصوف کو مطعون اور مسترد کرنے میں سارا زور صرف کر رہے ہیں۔ شاید نہیں یقیناً اسی لئے حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور کے منکرین تصوف سے بجا طور پر سوال کیا تھا جو آج کے منکرین سے بھی پوچھا جا سکتا ہے "منکرین طریقت سے پوچھو کہ انکار تصوف سے ان کی مراد کیا ہے؟! اگر صرف تصوف کے نام سے انکار ہے تو خیر اور اگر معنی سے انکار ہے تو اس کا مطلب تو مکمل شریعت پیغمبر ﷺ اور تمام اخلاق حسنہ کا انکار ہے۔"

قرآن حکیم

لقد من الله على المومنين اذ بعث فيهم رسولاً منهم يتلو اعليهم ايته ويز كيهم ويعلمهم الكتب والحكمة

(آل عمران: ۱۶۴)

میں تلاوت آیات اور تعلیم کتاب وحکمت کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفوس کو بھی فرائض رسالت میں سے ایک فریضہ قرار دیتا ہے، اب سوچئے جب تصوف کا سارا نظام تزکیہ نفوس کے ذریعے معرفت الٰہی کی جدوجہد کرتا ہے تو گویا وہ مقاصد بعثت رسالت کی خدمت کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ پھر بھلا اسے شریعت سے متصادم اور دین کے اندر کوئی مختلف دین کیسے قرار دیا جا سکتا ہے اور ایک اسی آیہ مبارکہ پر موقوف نہیں قرآن مجید کی بہت سی آیات تعلیمات تصوف کی بنیاد فراہم کرتی ہیں۔

والذين امنو اشد حباً لله (البقره)

يحبهم ويحبونهٗ

وهو معكم اين ما كنتم

فاذكروني اذكر كم (البقره)

اقم الصلوٰة لذكرى

الى ربك كدحاً فملقيه (انشقاق)

واذكر اسم ربك وتبتل اليه تبتيلا

(المزمل)

قد افلح من تزكّى وذكر سم ربه فصلى

(اعلیٰ)

قد افلح من زكها وقد خاب من دسها

(الشمس)

واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوى. فان الجنة هى الماوىٰ

(النزعت)

يايتها النفس المطمئنة. ارجعى الى ربك راضية مرضيه. فادخلى فى عبادى. وادخلى جنتى. (الفجر)

صبغة الله. ومن احسن من الله صبغة

(البقره)

ان صلاتى ونسكى ومحياى ومماتى لله رب العالمين (الانعام)

لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسنة لمن كا ن يرجو الله واليوم الاخره وذكرا لله كثيرا (الاحزاب)

يذكرون الله قياماً وقعودا

تتجا فى جنودهم عن المضاجع

اللہ تعالیٰ سے شدید محبت، ہر جگہ، ہر گھڑی اس کی معیت کا احساس، اس کی یادوں کا کیف و سرور، اس کی ملاقات کا اشتیاق، اس کے نام کا وظیفہ، سب سے کٹ کر اسی کا ہو رہنے کی جستجو، تزکیہ نفس، ذکر اسم ذات اور نماز میں فلاح و نجات کی نوید، اپنے رب کے حضور جوابدہی کے لئے کھڑے ہونے کے خوف سے ہوائے نفسانی کی مخالفت کا مجاہدہ، منزل اطمینان پہ فائز ہو کر، تسلیم و رضا کے ساتھ رضائے رب کی خلعت فاخرہ پا کر اسی کے بندوں اور اسی کی جنت میں داخلے کا مژدہ جانفزا، اللہ کے حسین ترین رنگ میں رنگ جانے کا جمال، اپنی نماز و قربانی اور حیات رنگ میں رنگ جانے کا جمال، انہی نماز و قربانی اور حیات و موت کو اللہ رب العالمین ہی کے لئے وقف کر دینے کا انداز اور پھر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ حسن کی کمال محبت اور اعتراف عظمت کے ساتھ پیروی فقط اس خیال، اس یقین اور اس ذوق و شوق میں کہ کل یوم آخرت اپنے الہٰ و معبود سے ملاقات ہونا ہے اور پھر کثرت سے اپنے اللہ کا ذکر۔۔۔۔ اور ذکر بھی ایسے کہ اٹھتے بیٹھتے، پہلو بدلتے، ہمہ دم بس اسی کی یاد اسی کا ذکر اور ذکر کی کیفیت بھی ایسی کہ رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور دل لرز لرز جائے۔

قارئین! سچ بتایئے کیا یہی سب کچھ تصوف کی روح نہیں ہے؟ اور اگر یہی قرآن پاک کی تعلیم ہے اور یہی تصوف کا نچوڑ ہے تو پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ تصوف کو دین سے جدا دین قرار دیا جائے۔ جیسے قرآن حکیم کی آیات طیبات کے آئینے میں تعلیمات تصوف کے جلوے نظر آتے ہیں ایسے ہی احادیث رسول اللہ ﷺ کے گلستان معرفت کی خوشبو بھی وظائف تصوف کے پھولوں میں محسوس کی جا سکتی ہے۔

مشہور حدیث جبریل جس میں حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے سوالات کیے اور جوابات مرحمت فرما کر حضور ختمی مرتبت ﷺ نے حضرت فاروق اعظم ؓ کو فرمایا کہ یہ جبریل امین تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ اس میں ایمان اور اسلام کے بعد احسان کا بھی ذکر ہے گویا دین محض ایمان اور اسلام کا نام نہیں بلکہ اسے احسان کی بھی ضرورت ہے اور یہی احسان روح ایمان، روح اسلام اور روح دین ہے۔

احسان کی تعریف میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ

"ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک"

احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہ دیکھ سکے تو بے شک وہ تو تجھے دیکھتا ہی ہے۔

(بخاری شریف)

اللہ حاضری، اللہ ناظری، اللہ معی کا وظیفہ صوفیاء کرام نے اسی حدیث پاک سے اخذ کیا ہے۔ صوفیاء یہی تعلیم دیتے ہیں کہ بندہ مومن ہر وقت اس تصور میں رہے کہ اس کے خالق و مالک کی چشم رحمت اس کی نگراں ہے۔ یہی احساس اسے خطرات نفس اور وسواس شیطان سے محفوظ رکھنے میں مدد و معاون ہوتا ہے۔

حضور رسالت مآب ﷺ کی چند دعائیں ملاحظہ فرمائیں:

اللهم انی اسئلک لذۃ النظر الی وجھک وشوقاً الی لقائک فی غیر ضرآءِ مضرۃٍ ولا فتنۃٍ مضلۃ (نسائی)

اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے چہرے کے دیکھنے کی لذت کا اور تیرے لقا کے شوق کا جو نقصان کرنے والے کے نقصان سے بری اور گمراہ کرنے والی آزمائش سے پاک ہو۔

اللهم افتح مسامع قلبی لذکرک

اے اللہ میرے دل کے کان اپنے ذکر کے لئے کھول دے

اللهم انی اسئالک قلوبا اواھۃ مخبتہ منیبۃ فی سبیلک۔

اے اللہ میں تجھ سے قلوب کا سوال کرتا ہوں، جو نرم اور درد آشنا ہوں ٹوٹے ہوئے اور تیری طرف رجوع لانے والے ہوں۔

اللهم اجعل حبک احب الی من نفسی واھلی و من الماء البارد۔

اے اللہ اپنی محبت میرے لئے میری ذات، میرے اہل و عیال اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب کر دے۔

اللهم اجعل وساوس قلبی خشیتک وذکرک واجعل ھمتی وھوائی فیما تحب وترضی"

اے اللہ میرے دل کے وسوسوں کو بھی اپنی خشیت اور اپنی یاد بنا دے اور میری ساری توجہ اور ساری خواہش ادھر کر دے، جو تجھے محبوب ہو اور جس سے تو راضی ہو۔

اللهم اجعل لی فی کلبی نوراً وفی سمعی نوراً وفی بصری نوراً وعن یمینی نوراً و عن شمالی نوراً و فوقی نوراً و تحتی نوراً واجعل لی نوراً۔

"اے اللہ تو میرے لئے کردے میرے دل میں نور، میرے کانوں میں نور، میری آنکھوں میں نور، میرے دائیں نور، میرے بائیں نور، میرے اوپر نور، میرے نیچے نور اور مجھے سراپا نور فرما دے"۔

ان دعاؤں کو غور سے پڑھیں تو پتہ چلے گا کہ صوفیاء کرام کے ذکر و فکر اور مراقبہ و مناجات کے سارے سلسلے حضور سرکار دو عالم ﷺ ہی کا روحانی فیضان ہیں۔ اب وہ دانشوران بے دانش اور حکیمان بے حکمت، جن کا نہ تو تصوف کے کوچے سے کبھی گزر ہوا اور نہ ہی وہ اس کے شجر سایہ دار کی ٹھنڈی چھاؤں میں کبھی بیٹھے اور نہ ہی انہوں نے اس شجرہ طیبہ کے پھل کا ذائقہ چکھا بھلا ان کے افکار پریشاں کو کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ تصوف دین کے نام پر ایک الگ دین ہے۔ جس طرح فلسفے کی اصطلاحات کی تشریح کوئی فلسفی کر سکتا ہے۔ بیالوجی کی اشکال کی توضیح کوئی ماہر حیاتیات کر سکتا ہے۔ کیمسٹری کے مسائل کا حل کوئی ماہر کیمیا بتا سکتا ہے۔ اسی طرح تصوف کی تعریف اور وضاحت بھی کسی غیر صوفی کی نہیں کسی اہل تصوف ہی کی تسلیم کی جاسکتی ہے۔ مخدوم امم داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اکابر صوفیاء کے اقوال نقل فرمائے ہیں جن سے تصوف کی حقیقت سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے اور انہی تعریفات کی روشنی میں اگر عکس جمال رسول، ارباب تصوف کے امیر طریق، امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے احوال، آثار کا مطالعہ کریں تو پتہ چلے گا کہ جس طرح اللہ کریم نے رفیق نبوت، مزاج شناس رسالت، کشتۂ عشق نبی حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو مردوں میں مسلم اول، سب سے پہلے خطیب اسلام، سب سے پہلے بانی مسجد، سب سے پہلے امیر الحج، سب سے پہلے مصدق معراج رسول، سب سے پہلے جامع قرآن، سب سے پہلے بانی بیت المال، سب سے پہلے خلیفۃ الرسول، سب سے پہلے منتخب حکمران ہونے کے شرف سے نوازا اسی طرح امت مرحومہ میں سب سے پہلے صوفی ہونے کی سعادت بھی انہی کے حصے میں آئی۔

معروف صوفی حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی عالم ظاہر نے زکوٰۃ کا مسئلہ پوچھا تو فرمایا کہ تمہارے مطابق تو یہ دو سو درہم چاندی پر پانچ درہم اور بیس دینار سونے پر آدھا دینار سونا ہے مگر ہمارے مطابق یہ ہے کہ کچھ جمع ہی نہ کرے کہ زکوٰۃ دینے کا موقع آئے۔ اس ظاہرہ عالم نے پوچھا کہ اس مسئلہ میں آپ کا امام کون ہے تو فرمایا کہ اس مسئلہ میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ میرے امام ہیں کیونکہ ان کے پاس جو کچھ تھا وہ انہوں نے راہ خدا میں دے دیا اور جب رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ ما خلفت لعیالک اپنے اہل و عیال کے لئے پیچھے کیا چھوڑا ہے تو انہوں نے عرض کر دیا۔ اللہ ورسولہ۔ گھر والوں کے لئے اللہ اور اس کا رسول کافی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ تین سلاسل تصوف قادریہ، سہروردیہ اور چشتیہ تو حضرت سیدنا علی ؓ کے ذریعے حضور رحمت دو عالم ﷺ تک پہنچتے ہیں اور سلسلہ نقشبندیہ صوفی اول حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے وسیلے سے مرشد کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک پہنچتا ہے۔

اب آیئے ارباب تصوف کی تعریفات تصوف کی روشنی میں احوال و آثار رفیق نبوت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

خانوادہ رسالت کے روشن چراغ حضرت امام محمد باقر بن حضرت علی زین العابدین بن حضرت امام حسین ؓ فرماتے ہیں۔

التصوف خلق فمن زاد علیک فی الخلق زاد علیک فی التصوف۔

"تصوف ایک نیک خصلت ہے پس جو نیکیوں میں تجھ سے زیادہ ہے وہ تصوف میں تجھ سے اعلیٰ ہے"

معلم مکارم اخلاق صاحب خلق عظیم حضور ﷺ کی حدیث نور ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نیک خصلتیں تین سو ساٹھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو ان میں سے ایک نیک خصلت اسے عطا کر دیتا ہے جس کے باعث وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ کیا مجھ میں بھی ان میں سے کوئی ہے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابوبکر! تمہیں مبارک ہو کہ وہ سب کی سب نیک خصلتیں تم میں موجود ہیں۔ (ابن عساکر، طبرانی)

روایات میں آتا ہے کہ ایک رات ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھیں۔ فرش آسمان پر ان گنت ستارے چمکتے نگینوں کی طرح بکھرے ہوئے تھے۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا کسی شخص کی نیکیاں ان ستاروں کی تعداد کے برابر ہو سکتی ہیں۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں عمر ؓ کی نیکیاں ستاروں جتنی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خاموش ہو گئیں اور پوچھنے لگیں کہ میرے والد گرامی ابوبکر کی نیکیوں کا کیا حال ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "عمر ؓ کی تمام نیکیاں ابوبکر ؓ کی نیکیوں میں سے فقط ایک نیکی کے برابر ہیں" حضرت عمر ؓ کو حضرت ابوبکر ؓ کی نیکیوں کا اعتراف بھی تھا اور وہ اس پر رشک بھی فرماتے تھے۔

خلیفۃ الرسول امیر المومنین حضرت سیدنا صدیق اکبر ؓ کے وصال کے بعد ایک موقعہ پر حضرت عمر فاروق اعظم ؓ کے پاس حضرت ابوبکر ؓ کا ذکر کیا گیا تو آپ بہت روئے اور بولے کہ میری آرزو یہ ہے کہ میرے سارے عمل حضرت ابوبکر ؓ کے ایک دن اور ایک رات کے عمل کی طرح ہو جاتے۔ آپ کی رات وہ رات ہے جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وہ غار کی طرف پہنچے۔ جب وہ دونوں اس غار تک پہنچے تو

عرض کیا۔ واللہ آپ اس میں داخل نہ ہوں حتیٰ کہ آپ سے پہلے میں داخل ہو جاؤں۔ اگر اس میں کوئی چیز ہو تو مجھے پہنچے نہ آپ کو تو آپ داخل ہوئے، اسے صاف کیا اور اس کے ایک کنارہ میں سوراخ پائے۔ آپ نے تہبند پھاڑ کر سوراخ بند کیے۔ دو سوراخ رہ گئے ان میں پاؤں دے دیئے، پھر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تشریف لایئے، تو رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور اپنا سر مبارک آپ ﷺ کی گود میں رکھا اور سو گئے۔ ابوبکر ﷺ کے پاؤں میں سوراخ سے ڈس لیا گیا، آپ ﷺ نے بالکل جنبش نہ کی اس ڈر سے کہ رسول اللہ ﷺ جاگ پڑیں، پھر آپ ﷺ کے آنسو رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر گر پڑے تو فرمایا اے ابوبکر ﷺ کیا ہوا؟ عرض کیا آپ پر میرے ماں باپ فدا میں تو ڈس لیا گیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب لگا دیا تو وہ تکلیف جاتی رہی۔ پھر وہ زہر لوٹ آیا اور آپ کی وفات کا سبب بنا۔ باقی رہا آپ کا دن تو جب رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی تو اہل عرب مرتد ہو گئے اور بولے کہ ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ تو فرمایا کہ اگر مجھے ایک رسی کا بھی انکار کریں گے تو میں ان پر جہاد کروں گا۔ میں نے عرض کیا کہ اے خلیفہ رسول اللہ لوگوں پر موافقت کریں اور ان پر نرمی کریں تو مجھ سے فرمایا! تم جاہلیت میں تو بڑے جبار تھے اب اسلام میں نرم ہو گئے ہو۔ وحی بند ہو چکی اور دین مکمل ہو چکا۔ کیا اب دین میں کمی کی جائے گی حالانکہ میں زندہ ہوں۔ (مشکوٰۃ)

ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق ﷺ نے فرمایا کہ جب کبھی میں نے حضرت ابوبکر صدیق ﷺ سے نیکی میں بڑھنے کی کوشش کی تو وہ ہمیشہ مجھ پر سبقت لے جاتے رہے۔

سرخیل صوفیا، حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ نے تصوف اور صوفی کے بہت سے مشتقات گنوائے ہیں، ان میں سے ایک صفا بتایا ہے، یعنی جس کے اندر باہر صفائی ہو وہ صوفی کہلانے کا حق دار ہے اور پھر انہوں نے ایک شعر درج کیا ہے جس کے مطابق صوفی ہونے کی شان تو صرف حضرت ابوبکر ﷺ کو حاصل تھی۔

وہ فرماتے ہیں:

ان الصفا صفة الصديق

ان اردت صوفيا على التحقيق

یعنی اگر تو واقعی صوفی کا متلاشی ہے تو یاد رہے کہ صوفی ہونے کی شان صفا تو صرف سیدنا صدیق اکبر ﷺ میں ہی تھی۔۔۔ اس لئے کہ صفا حقیقی کے لئے ایک اصل اور ایک فرع ہے۔ اصل تو دل کا ماسوی اللہ سے منقطع ہونا ہے اور فرع دل کا دنیا غدار کی محبت سے خالی کر دینا ہے اور یہ دونوں صفتیں صدیق اکبر ﷺ میں موجود تھیں، جن کا نام حضرت عبداللہ ابوبکر بن ابی قحافہ ﷺ ہے، اس لئے کہ صدیق اکبر ﷺ کی ہی وہ ہستی ہیں جنہیں امام اہل طریقت اور مقتداء اہل تصوف کہا جائے اور یہی وہ پاک باطن تھے جن کا دل اغیار سے اس قدر صاف تھا کہ صحابہ کرام میں بھی آپ کی ہستی کا ہمسر کوئی نہ تھا۔

صرف یہی نہیں داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں صحابہ کرام کے احوال کا آغاز بھی سیدنا صدیق اکبر ﷺ سے کیا اور ان کے لئے امام اہل تجرید اور شہنشاہ ارباب تفرید ایسے صوفیانہ القابات رقم کیے۔ انہیں اہل مشاہدہ کا پیشوا قرار دیا اور اس کی وجہ یہ لکھی کہ رات کے وقت نماز نفل میں حضرت ابوبکر ﷺ بہت آہستہ آواز میں تلاوت فرماتے تھے۔ جب رسول اکرم ﷺ نے ان سے وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے عرض کیا۔ اس لئے آہستہ تلاوت کرتا ہوں کہ میں جانتا ہوں کہ جس کی مناجات کر رہا ہوں وہ مجھ سے غائب نہیں اور اس کی سماعت ایسی ہے کہ اس کے لئے قریب و بعید اور پست و بلند آواز سے پڑھنا برابر ہے۔

اور پھر مخدوم ہجویری علیہ الرحمہ نے سیدنا صدیق اکبر ﷺ کا ایسا قول نقل کیا ہے جو ان کے صوفیانہ مزاج کی نشاندہی کرتا ہے وہ فرماتے ہیں:

دارنا فانيه واحوالنا عاريه وانفسنا معدوده وكسلنا موجوده

''ہمارا گھر فانی ہے ہمارے حالات پرائے ہیں اور ہمارے سانس گنتی کے ہیں اور ہماری سستی بدستور موجود ہے''۔

پھر مزید وضاحت کرتے ہیں کہ سرائے فانی میں دل لگانا، عمارت کرنا جہالت ہے اور اپنے حالات و کوائف پہ بھروسہ کرنا حماقت ہے اور چند سانسوں کے بھروسہ پر دل لگا لینا غفلت محض ہے اور اپنی کاہلی و سستی کو دین کہنا خیانت مجرمانہ ہے جو موجب حرمان و نقصان ہے، اس لئے کہ جو چیز عاریۃً آئے وہ یقیناً واپس جائے گی اور کاہلی و سستی کی دوا معدوم ہے۔ اس فرمان میں حضرت صدیق اکبر ﷺ نے ہمیں ہوشیار فرمایا کہ دنیا اور دنیا کی چیزیں اس قابل نہیں کہ ان سے دل لگایا جائے۔ اس لئے کہ جو مشغول ربانی ہو گیا وہ باقی سے محجوب ہو گیا۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں اور حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوح الغیب میں تصوف کو آٹھ خصلتوں پر مبنی قرار دیا ہے۔ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے آٹھ صفات کا تذکرہ کرتے

ہوئے لکھا کہ آٹھ پیغمبران الوالعزم کی پیروی کر کے ہی صوفی ،صوفی بنتا ہے۔ان آٹھوں صفات کو سیرت صدیق میں جھلکتا دیکھیں تو تصوف کے اعلیٰ مقامات پہ فائز اسلام کے اولین صوفی کامل دکھائی دیتے ہیں۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

التصوف مبنی علی ثمان خصال: السخا والرضا والصبر والا شارہ والغربہ ولبس الصوف والسیاحۃ والفقر .... اما السخاء فلا براھیم علیہ السلام واما الرضا وفلا سحق علیہ السلام واما الصبر فلا یوب علیھم السلام واما الاشارۃ فلذکریا علیہ السلام واما الغربۃ فلیحییٰ علیہ السلام واما لبس الصوف فلموسیٰ علیہ السلام واما السیاقۃ فلعیسیٰ علیہ السلام واما الفقر فلمحمد ن المصطفیٰ ﷺ

یعنی تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے۔سخا،رضا،صبر،اشارت،غربت،خرقہ پوشی،سیاحت اور فقر،سخا ابراہیم علیہ السلام کی،رضا اسحٰق علیہ السلام کی،صبر حضرت ایوب علیہ السلام کا،اشارت ومناجات حضرت ذکریا علیہ السلام کی،غربت حضرت یحییٰ علیہ السلام کی،خرقہ پوشی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی،سیاحت و تجرید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اور فقر سید الانبیا، حبیب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا۔

تصوف کی بنیاد ان صفات پیغمبراں کی روشنی میں اگر سیرت صدیق رضی اللہ عنہ کا مطالعہ کرنے کی سعی کریں تو پتہ چلتا ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایسے صوفی اکبر ہیں کہ پوری امت کا کوئی دوسرا بڑے سے بڑا صوفی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا ہے۔

ائمہ تصوف کے نزدیک تصوف کی پہلی صفت سخا ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایسے سخی ہیں کہ جب مسلمان ہوئے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے تو وہ سارے آپ نے راہِ اسلام میں خرچ کر دیے۔مال خرچ کر کے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اور دیگر غلاموں کو آزاد کرایا۔دوران ہجرت مال خرچ کیا۔مسجد نبوی کے لئے مدینہ منورہ میں زمین خرید کر وقف کی۔وقتاً فوقتاً اسلام کے لئے عطیات دیے اور جب جنگ تبوک کے موقع پر حضور نبی کریم ﷺ نے لوگوں سے مالی ایثار طلب فرمایا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب پر سبقت لے گئے۔آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال حتیٰ کہ گھر کی ایک ایک چیز حضور ﷺ کے قدموں میں لا کر ڈال دی اور خود تن پر کپڑوں کی بجائے بوریا پہن لیا۔جب رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ کر آئے تو آپ نے عرض کیا اللہ ورسولہ ، یا رسول اللہ ان کے لئے اللہ اور اس کا رسول کافی ہیں۔

کیا اس سے بڑھ کر کوئی سخاوت ہو سکتی ہے اور کیا اس سے بڑھ کر کوئی سخی اور صوفی ہو سکتا ہے؟ آپ کی شان کا کیا خوب نقشہ کھینچا ہے حضرت اقبال نے:

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

آپ نے حضور سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت کے لئے اس قدر ایثار کیا کہ آپ کے آقائے محمد ﷺ نے خود ارشاد فرمایا "مجھے کسی کے مال نے اس قدر فائدہ نہیں دیا جس قدر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال نے"

قرآن حکیم نے انفاق فی سبیل اللہ کے حوالے سے سورہ لیل میں فرمایا:

اور دور رکھا جائے گا اس سے وہ نہایت پرہیز گار جو دیتا ہے اپنا مال دل کو پاک کرنے کے لئے اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اس نے دینا ہو۔

بجز اس کے کہ وہ اپنے رب کی خوشنودی کا طلبگار ہے تفسیر ابن کثیر کے مطابق ان آیات کا مصداق سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔

تصوف کی دوسری صفت رضا ہے اور صوفیاء کرام نے قرآن کریم اور احادیث رسول کے حوالے سے اس پر خوب خوب گفتگو فرمائی ہے۔قرآن حکیم ان خوش بخت اصحاب رسول سے راضی ہونے اور انہیں اپنی رضا سے نوازنے کا ذکر کرتا ہے جنھوں نے حضور سرکار دو عالم ﷺ کے ہاتھ پر جانیں تک قربان کر دینے کے لئے بیعت کی تھی۔

کئی دوسرے مقامات پر قرآن حکیم صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اللہ پر راضی ہونے کا ذکر کرتا ہے۔

رضی اللہ عنہم ورضو عنہ اولئک حزب اللہ (۲۲:۵۸)

رضی اللہ عنہم ورضو عنہ ذالک لمن خشی ربہ (۹۸:۸)

حدیث رسول ﷺ میں اہل ایمان کی رضا کا ذکر ہے کہ وہ کس بات پر راضی ہوتے ہیں،فرمایا:

ذاق طعم الایمان من رضی باللہ رباً وبالاسلام دیناً وبمحمد نبیا ۔

اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا جو اللہ کے رب اسلام کے دین اور حضرت محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہو گیا۔
اب اگر جناب سیدنا صدیق اکبر ؓ کے اللہ تبارک وتعالیٰ اور رسول کریم ﷺ پر راضی ہونے کی کیفیت دیکھیں تو ایمان تازہ ہوتا ہے اور روح وجد کر اٹھتی ہے۔
مفسر قرآن جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ الحدید کی آیت نمبر 10 کی تفسیر کرتے ہوئے، جس میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی فضیلت بطور انعام کا تذکرہ ہے۔ تفسیر قرطبی اور دیگر تفاسیر کے حوالے سے بروایت حضرت عبداللہ بن عمر ؓ لکھا کہ ''حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں میں بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ بھی وہاں بیٹھے تھے۔ آپ نے عبا پہنی ہوئی تھی اور اسے آگے سے باندھا ہوا تھا۔ جبریل امین آئے اور عرض کیا اے اللہ کے نبی یہ کیا بات ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ابوبکر ؓ نے ایسی عبا پہنی ہوئی ہے جسے سامنے سے کانٹوں سے بخیہ کیا ہوا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس نے اپنا سارا مال مجھ پر خرچ کر دیا ہے۔ جبریل امین علیہ السلام نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کا سلام ابوبکر ؓ کو پہنچائیں اور ان سے پوچھیں کہ اس فقر و تنگ دستی پر وہ خوش ہیں یا ناراض۔ رسول اللہ ﷺ نے صدیق اکبر ؓ کو سلام پہنچایا اور یہ سوال پوچھا۔ اس پیکر تسلیم ورضا نے کتنا پیارا جواب دیا۔'' میں اپنے رب پر کیسے ناراض ہو سکتا ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں تجھ سے راضی ہوں، جس طرح تو مجھ سے راضی ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر ؓ رو پڑے''۔
اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی تسلیم ورضا کا یہ عالم ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کا معاملہ تو عشق کی انتہائی حدوں کو چھوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔
انہیں رسول اکرم ﷺ کی ذات قدسی صفات پر اس قدر اعتقاد تھا کہ آپ ﷺ کی ہر بات پر انہوں نے ہمیشہ سر تسلیم خم کیے رکھا۔ اپنے حبیب ﷺ کے فرمان ذی شان کے بارے میں انہیں کبھی ذرہ برابر بھی شک نہیں گزرا۔ خود سرکار دوعالم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے جس کسی کو اسلام لانے کو کہا اس نے انکار کیا، بحثیں کیں سوائے ابن ابی قحافہ (ابوبکر صدیق ؓ) کے۔ میں نے جو کچھ انہیں کہا انہوں نے قبول کیا اور اس پر دہ ثابت قدم رہے (ابونعیم) واقعہ معراج کی فی الفور تصدیق جو آپ کے لقب صدیق سے ملقب ہونے کا سبب بنی وہ بھی اپنے حبیب ﷺ کے فرمان کے سامنے تسلیم ورضا کا اظہار تھا۔ کئی مواقع ایسے آتے جب کئی صحابہ کرام کسی تذبذب کا شکار ہو جاتے مگر سیدنا ابوبکر صدیق ؓ اس وقت بھی تسلیم ورضا کا پیکر بنے اپنے آقائے کریم ﷺ کے فرمان کی تصدیق کرتے دکھائی دیتے۔
آپ کی اس صفت وخوبی کا غیر مسلم مفکرین نے بھی اعتراف کیا ہے۔

H.G .Wells نے اپنی کتاب ''History of the world'' میں لکھا:

There can be a little doubt that if Muhammad ﷺ was mind and imagination of primitive mind Abu Bakar ؓ was its conscience and its will. Through out their life togetherit was Muhammad ﷺ who said the and it was Abu Bakar ؓ also believed thething'

جب صلح حدیبیہ کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے کفار مکہ سے ایسی شرائط پہ صلح فرمائی جو بظاہر اہل مکہ کے حق میں تھیں تو صحابہ کرام ؓ مضطرب ہو گئے۔ حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق ؓ جیسے صحابہ کرام کہہ اٹھے کہ جب ہم حق پر ہیں تو پھر اس قدر دب کر کیوں صلح کر رہے ہیں۔ لیکن حضرت صدیق اکبر ؓ کی خوئے تسلیم اس وقت بھی رضائے رسول ﷺ کو رضائے رب سمجھ کر اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ جب حضرت عمر فاروق ؓ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے سامنے اپنے اضطراب کا ذکر کیا تو وہ اس قدر نالاں ہوئے کہ انہوں نے حضرت فاروق ؓ کو ''عمر'' کہہ کر ''اے شخص'' کہہ کر مخاطب فرمایا
رضائے خدا اور رضائے مصطفیٰ میں اپنی رضا فنا کر دینے کے یہ قرینے تصوف صدیقی ہی میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔
تصوف کی تیسری صفت صبر بیان ہوئی ہے۔ صبر کہتے ہیں اپنے نصب العین اور نظریہ حیات پر استقامت کے ساتھ جمے رہنے کو۔ مشکلات کے پہاڑ، مصائب کے طوفان، عداوتوں اور مخالفتوں کے تند ریلے کوئی بھی بندہ صابر کے قدموں میں لغزش پیدا نہ کر سکیں۔ اسوہ صدیقی ؓ کو پیمانہ صبر پہ ماپنا چاہیں تو صابرین میں ان کا قد سب سے اونچا دکھائی دیتا ہے۔ اسلام قبول کرتے ہیں تو اس کے اعلان واظہار کی آرزو انہیں مضطرب رکھتی ہے۔ جناب رسالت مآب ﷺ سے بار بار خانہ کعبہ میں جا کر دعوت اسلام کی اجازت طلب کرتے ہیں اور آخر اجازت پا کر پہلے خطیب اسلام ہونے کا شرف پاتے ہیں۔ ایسے خطیب اول جن کے پہلے ہی خطبہ حق کی تاب کفار نہیں لا سکتے اور ان پر ٹوٹ پڑتے ہیں، انہیں مار مار کر ادھ موا کر دیتے ہیں۔ گھر والے اٹھا کر گھر لے جاتے ہیں۔ جب ہوش میں آتے ہیں تو یہ پیکر صبر وثبات اپنے

محبوب ﷺ کی خیریت دریافت کرتے ہیں اور گھر والوں کے اصرار کے باوجود اس وقت تک پانی کا گھونٹ نہیں پیتے جب تک اپنے حبیب اکرم ﷺ کی زیارت نہیں کر لیتے۔ شعب ابی طالب کے معاشرتی مقاطعے کا مشکل وقت آتا ہے تو اپنے آقا ﷺ کو تنہا نہیں چھوڑتے۔ بدر و احد کے معرکے ہوں یا احزاب و حنین کی رزم آرائیاں، سائے کی طرح اپنے رسول برحق ﷺ کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ یقیناً حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی لئے انہیں الشجع الناس قرار دیتے ہیں کہ بجلی کی طرح چمکتی اور برستی تلواروں کے بیچ بھی وہ اپنے محبوب ﷺ کے دفاع کے لئے سینہ سپر رہتے ہیں۔ راہ حق میں جان قربان کر کے شہید ہونے کی تمنا سینے میں انگڑائیاں لیتی ہے تو اپنے آقا کریم سے اجازت طلب کرتے ہیں تو جواب ملتا ہے کہ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمیں اپنی ذات سے نفع مند ہونے دو کیا تم نہیں جانتے کہ تم ہمارے لئے ہماری آنکھوں اور کانوں کی طرح ہو۔

سارا زمانہ مخالف ہو جائے مگر مخلوق کی مخالفتوں کی پروا نہ کرتے ہوئے خالق کے حکم پر ڈٹے رہنا صوفیاء باوفا اور ارباب صبر و رضا ہی کا شیوہ ہوتا ہے اور اس کا مظاہرہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے حبیب کریم ﷺ دور نور اور اپنی خلافت کے زمانے میں بار بار کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے ڈھائی سالہ دور میں کیسے کیسے فتنے نہیں اٹھے اور کیسی کیسی مشکلات نے جنم نہیں لیا مگر آپ رضی اللہ عنہ کے پائے ثبات میں لمحے بھر کے لئے بھی لغزش نہیں آئی۔ منکرین ختم نبوت ہوں یا مرتدین آپ نے کمال اولوالعزمی اور ثابت قدمی سے ان کا مقابلہ کیا اور بعد میں آنے والوں کے لئے روشن مثالیں قائم فرمائیں۔

تصوف کی چوتھی صفت کو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ اشارت اور حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ، شیخ عبد القادر جیلانی مناجات سے تعبیر کرتے ہیں اور دونوں اسے حضرت ذکریا علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ انہی کو تین دن تک نہ بول سکنے اور اشارہ کرنے کا حکم ہوا تھا اور انہی نے اپنی مناجات سے اپنے خالق کے در رحمت پہ ایسی دستک دی تھی کہ قبولیت کے در وا ہوئے تھے۔ دعا و مناجات دراصل بندے کا اعتراف عجز کے ساتھ ہر سہارے سے بے نیاز ہو کر اپنے خالق و مالک ہی کے دروازے کا گدا بن کر مسلسل صدا لگانا ہے۔ جتنا کسی کا عجز گہرا اور یقین پختہ ہو گا اسی قدر مناجات میں سوز و اخلاص بڑھے گا۔

مناجات میں اللہ کی خشیت کے خالص صوفیانہ رنگ دیکھنا ہوں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اپنے رب کریم سے سرگوشیاں سنی جا سکتی ہیں۔

ابن عساکر کی روایت ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کوئی شخص تعریف کرتا تو آپ اللہ کی بارگاہ میں عرض گزار ہوتے۔

اے اللہ! تو مجھ سے زیادہ میرے نفس کو جانتا ہے اور میں ان لوگوں سے زیادہ اپنے نفس کو جانتا ہوں۔ اے اللہ جیسا ان لوگوں کا میرے بارے میں خیال ہے مجھے اس سے بہتر کر دے اور میرے وہ گناہ بخش دے جنہیں یہ لوگ نہیں جانتے اور ان کی بات سے مجھے گرفت نہ کرنا۔

کبھی فرماتے اے کاش! میں درخت ہوتا جسے جانور کھا لیتے یا لوگ کاٹ ڈالتے۔

کبھی یوں عرض کناں ہوتے:

کاش میں پرندہ ہوتا ایک درخت سے دوسرے پر اڑتا، بیٹھتا اور قیامت کے حساب سے بچا رہتا۔ کاش! میں سوکھی لکڑی ہوتا جسے لوگ جلا ڈالتے تاکہ قیامت میں جلنے سے بچ جاتا۔

غربت یحییٰ علیہ السلام کو داتا گنج بخش علیہ الرحمہ تصوف کی پانچویں صفت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں وہ اپنے وطن میں اپنے آپ کو مسافر سمجھتے تھے اور رشتہ دار عزیز و اقارب میں رہ کر بھی سب سے بیگانہ تھے۔ شاید بعد کے صوفیاء نے سفر در وطن اور خلوت در انجمن کی اصطلاحیں غربت یحییٰ علیہ السلام اور غربت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اخذ کی ہوں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ قریش کے متمول، معزز ذی علم، صاحب دانش و حکمت شخص تھے۔ ان کے نام و مقام سے کافر بھی واقف تھے مگر انہوں نے دامن اسلام میں اپنے آپ کو گم کر لیا تھا۔ وہ اپنے وطن میں ایسے مسافر تھے جنہیں اہل وطن کے رویوں کی پرواہ کی بجائے اپنے معبود اور اپنے محبوب ﷺ کی خوشنودی درکار تھی۔

تصوف کی چھٹی خصوصیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خرقہ پوشی بیان ہوئی ہے۔ مخدوم ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لباس ہمیشہ پشمینے کا ہوتا تھا۔ اکثر صوفیا، صدف کا لباس پہنتے تھے۔ کھردرے کپڑے کے خرقے زیب تن فرماتے تھے۔ مگر جو خرقہ صوفی باصفا، پیکر صدق و صفا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پہنا اس کی شان ہی عجب تھی گو کہ سارے مال کے ساتھ تن بدن سے کپڑے بھی اتار کر راہ خدا میں دے دیئے اور موٹے ٹاٹ کا خرقہ پہن لیا تھا جسے کانٹوں سے بخیہ گری کر رکھی تھی۔ عرب و عجم کے درویشوں کی بوریا نشینی کو بھی بارگاہ خداوندی میں قبولیت ملی ہوگی مگر جو سند قبولیت ثانی اسلام رفیق غار اور جلیس قبر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو عطا ہوئی وہ کسی اور کے حصے میں نہ آسکی کہ خود سرخیل ملائکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حاضر بارگاہ نبوی ﷺ ہو کر عرض کی کہ جس طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی عبا کو کانٹے لگائے ہوئے ہیں آج آسمان کے تمام فرشتوں نے بھی ایسا لباس پہنا ہوا ہے۔

ساتویں صفت تصوف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیاحت و تجرد ہے۔ حضرت سید ہجویر مخدوم امم علیہ الرحمہ نے لکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے سفر میں اس قدر مجرد تھے کہ سوائے ایک پیالہ اور ایک کنگھی کے کبھی کچھ ساتھ نہ رکھا۔ حتیٰ کہ ایک شخص کو دونوں ہاتھوں سے پانی پیتے دیکھا تو پیالہ پھینک دیا اور ایک شخص کو انگلیوں سے بالوں میں کنگھی کرتے دیکھا تو کنگھی بھی ضائع فرما دی۔ اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ بندہ اپنے الٰہ ومعبود کے ساتھ اس طرح وابستہ ہو جائے کہ مال و دولت، عہدہ ومنصب اور خواہش نفس ہر ایک سے ہاتھ اٹھا کر کوچہ تجرید میں نعرہ مستانہ بلند کرنے لگے۔ ارباب تجرید میں سیدنا صدیق اکبر ؓ فرد فرید نظر آتے ہیں۔ مال و دولت سے ان کی دلچسپی تو آپ گذشتہ صفحات میں پڑھ آئے ہیں۔ جاہ ونصب کے حوالے سے داتا صاحب علیہ الرحمہ نے ان کا جو قول نقل کیا ہے وہ ان کی بے غرضی اور بے نفسی کا مظہر اتم ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "جب آپ ؓ نے خلافت کے لئے لوگوں سے بیعت لی۔ آپ منبر پر جلوہ آراء ہوئے اور خطبہ پڑھا۔ خطبہ میں آپ نے فرمایا:

والله ما كنت حريصاً على الامارة يوماً ولا ليلاً ولا كنت راغباً ولا ساعياً ولا سالتها لله قط سراً ولا علانيةً وما لي في لامارة من راحةٍ.

اللہ کی قسم میں اس خلافت وامارت کا حریص نہیں ہوں اور نہ تھا اور کسی رات دن میں اس کی خواہش میرے دل میں نہیں ہوئی اور نہ ہی میری اس طرف رغبت تھی اور نہ میں نے کوشش کی اور نہ ہی میں نے کبھی اللہ تعالیٰ کے حضور کبھی خفیہ یا اعلانیہ اس کے لئے دعا کی اور مجھے اس میں کوئی راحت وخوشی نہیں۔

خواہش نفس کی پیروی سے بچنا بھی اہل تجرد کی پہچان ہے۔

سیدنا صدیق اکبر ؓ نے کبھی بھی خواہشات کو اپنے اوپر غالب نہ ہونے دیا۔ حضور سرکار دو عالم ﷺ کے بعد امت کے بلا شرکت غیرے حکمراں بننے کے باوجود کبھی آپ نے پر تکلف زندگی اختیار نہ فرمائی۔ اپنی خواہشات کو پورا کرنے کی سعی کرنا تو دور کی بات ہے آپ نے اپنے گھر والوں کو بھی ترک خواہشات کی تربیت دی۔ ایک دفعہ آپ کی اہلیہ محترمہ نے میٹھا کھانا بنانے کی خواہش کا اظہار کیا مگر بیت المال سے آپ کو جو وظیفہ ملتا تھا وہ اس قدر کم تھا کہ اس میں معمول کے سالن روٹی کے علاوہ اس اضافی کھانے کی گنجائش نہیں تھی۔ آپ کی نیک سیرت اہلیہ نے اجازت چاہی کہ وہ روزانہ تھوڑی تھوڑی بچت کرتی رہیں۔ آپ نے اجازت دے دی۔ مگر جب اتنی بچت ہو گئی کہ میٹھا پکایا جا سکے تو آپ نے وہ رقم بیت المال میں جمع کرا دی اور آئندہ کے لئے بیت المال سے اس مقدار میں یہ فرما کر اپنا وظیفہ کم کر دیا کہ ہمارے گھر کا اس سے کم میں بھی گزارہ ہو سکتا ہے۔

تصوف کی آٹھویں صفت فقر محمد مصطفےٰ ﷺ ہے۔ فخر عارفاں حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ نے محبت خدا، معرفت خدا اور خوف خدا میں تمام انبیاء، صدیقین، شہدا اور صلحاء کے امام حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے حوالے سے لکھا کہ "حق تعالیٰ شانہ نے خزانہ ہائے روئے زمین کی کنجی حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجی اور فرمایا اے پیارے محبوب اپنی جان پاک پر محنت ومشقت نہ ڈالیے اور خزانوں سے جس قدر چاہے خرچ فرما کر اپنی شان وتجمل دوبالا کیجیے۔ حضور اکرم ﷺ نے بارگاہ رب العزت میں عرض کی یا الٰہی میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک روز کھاؤں اور ایک روز بھوکا رہوں۔ اور یہ اصول تصوف کے معاملہ میں بہترین خصلت ہے" سید کائنات ﷺ کی خدمت میں جبریل امین علیہ السلام حاضر ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام دیا کہ آپ چاہیں تو بادشاہ نبی بنیں اور اگر چاہیں تو فقیر نبی بنیں۔ مگر آپ ﷺ نے فقیر رہنے کو پسند فرمایا۔

ایک موقعہ پر آپ ﷺ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا ہے کہ اگر میں چاہوں تو یہ پہاڑ میرے لئے سونے کے بنا دیے جائیں۔ مگر آپ نے فقر کو پسند فرمایا۔

آپ کا فرمان ذی شان ہے "الفقر فخری" "فقر میرا فخر ہے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو تربیت دی کہ غنا مال ومنال جمع کرنے کا نام نہیں بلکہ دل کے غنی ہونے کا نام غنا ہے۔ "الغنا غنى النفس" ۔ یہی وجہ ہے کہ جس سید انس وجاں ﷺ کے ہاتھوں دو جہانوں کی کنجیاں ہوں، پہاڑ جن کے لئے سونے کے بن جائیں، آسمان کے چاند اور سورج ان کے اشاروں پہ چلیں مگر انہوں نے ایک دن کھانے اور ایک دن بھوکا رہنے کو ترجیح دی اور "الفقر الفخرى" کے حسین کلمات سے فقر کو اپنا فخر قرار دیا اور اپنے پروردگار سے یوں مناجات کرتے رہے:

اللهم احيينى مسكيناً وامتنى مسكيناً واحشرنى فى زمرة المساكين

اے اللہ! مجھے مسکینی میں زندہ رکھ اور مسکینی میں مار اور زمرہ مساکین ہی میں مجھے محشور فرما۔

چونکہ حضور ﷺ نے دنیاوی مال ودولت سے دل نہیں لگایا۔ جتنا بھی مال آتا آپ رات سے پہلے پہلے دوسروں میں تقسیم فرما دیتے۔ مانگنے والا جو مانگتا آپ عطا فرما دیتے کبھی انکار نہ فرماتے بلکہ اگر کبھی سائل ایسے وقت میں حاضر ہوتا کہ کچھ موجود نہ ہوتا تو آپ فرماتے تم کسی

دکاندار سے میرے نام پر ادھار لے لو میں قرض چکا دوں گا۔ اگر کسی نے دو وادیوں پر مشتمل بکریاں بھی مانگیں تو آپ ﷺ نے عطا فرما دیں۔ اگر آپ نے نئی دھاری دار چادر زیب تن فرمائی اور سوال کرنے والے نے مانگ لی تو آپ نے فوراً بلا تامل عطا فرما دی۔ یہی وہ انداز ہائے نور تھے جنہوں نے صحابہ کرام کی تربیت فرمائی تھی اور انہیں تسلیم و رضا اور فقر و غنا کا پیکر بنا دیا تھا۔ اصحاب صفہ ایسے ہی اصحاب ہمت تھے جنہوں نے توکل علی اللہ اور ترک ماسوی اللہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر ﷛ چونکہ تمام صحابہ کرام ﷡ میں ممتاز مقام رکھتے تھے اس لئے آپ نے حضور ﷺ کی شان فقر سے زیادہ حصہ پایا اور کبھی بھی دنیا پر فریفتہ نہ ہوئے بلکہ اپنا مال بے دریغ مسلمانوں پر اور رسول اکرم ﷺ کی خدمت کے لئے خرچ کیا۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرتے تھے:

اللھم ابسط لی الدنیا وزھدنی فیھا

اے اللہ میرے لئے دنیا کو فراخ کر دے اور مجھے اس میں زاہد بنا دے۔

صوفیا کے سردار داتا گنج بخش علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"یعنی پہلے مجھے مال عطا فرما تا کہ اس کا شکر ادا کروں۔ پھر ایسی توفیق دے کہ تیرے لئے اس سے ہاتھ کھینچ لوں اور اس سے مستغنی ہو کر منہ پھیر لوں تا کہ مجھے شکر گزاری اور انفاق فی سبیل اللہ کا درجہ حاصل ہو جائے اور درجہ صبر بھی عطا فرما تا کہ بحالت فقر مضطر نہ ہو جاؤں تا کہ میرا فقر اختیاری ہو"۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "حضرت صدیق اکبر ﷛ کی ہستی وہ مبارک ہستی ہے کہ افضل البشر بعد الانبیاء ان سے آگے بڑھ کر کسی کا قدم اٹھانا روا نہیں۔ اس لیے اختیاری فقر پر اضطراری فقر کو مقدم کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے اور تمام مشائخ متصوفہ اسی مذہب پر ہیں۔"

قارئین!

حضرت امیر المومنین امیر الصدیقین سیدنا صدیق اکبر ﷛ کی سیرت و کردار اور احوال و آثار کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول ہو کر آپ نے ایسے روشن نقوش چھوڑے ہیں کہ بعد میں آنے والے ارباب تصوف اور اصحاب طریقت انہی نقوش سے پھوٹتی روشنی سے اپنے قریہ ہائے قلوب کو اجالتے رہے ہیں۔

اگر بعد کے صوفیاء اسلام نے "راحت بدل رساں ہمیں مشرب است و بس" کا مشرب اپنا کر خدمت خلق سے لوگوں کو اسلام کا گرویدہ بنایا تو یہ سبق بھی انہوں نے ذات رسول ﷺ کے بعد اس امت مرحومہ کے صوفی اول حضرت ابوبکر صدیق ﷛ ہی سے سیکھا تھا جو خلیفہ ہوتے ہوئے بھی بیواؤں اور یتیموں کی چارہ گری فرماتے تھے، ان کی بکریوں کا دودھ دوھ دیتے تھے۔ ایک نابینا بڑھیا کے گھر کا سارا کام کاج اس طرح منہ اندھیرے کر آتے تھے کہ کسی کو اس کی خبر بھی نہ ہوتی تھی۔۔۔ مزاج میں عاجزی اس قدر تھی کہ حج کے موقعہ پر امیر المومنین جان کر لوگوں نے ان کے گرد اگرد جمگھٹا لگایا اور پھر قطار بنا کر ان کے پیچھے چلنے لگے تو آپ نے پسند نہ فرمایا اور انہیں اپنے آپ سے الگ فرما دیا۔

درویشان خدا مست نے اگر بوریا نشینی اختیار کی تو ہم دیکھتے ہیں اس کی روشن مثالیں بھی انہیں اسوہ صدیقی ہی سے حاصل ہوئی ہیں۔

آپ مملکت عرب کے فرماں روا تھے، جس کی سرحدیں روز بروز پھیل رہی تھیں مگر آپ نے کوئی ذاتی دولت اور جائیداد نہیں بنائی بلکہ آپ کے وصال کے وقت استعمال کے کپڑوں کے سوا کچھ ساز و سامان نہ تھا۔ آپ نے اپنی بیٹی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا تھا کہ اے بیٹی اس شیر دار اونٹنی کو دیکھو جس کا ہم دودھ پیتے تھے اور اس پیالہ کو جس میں ہم کپڑے رنگتے تھے اور اس چادر کو بھی جسے ہم پہنا کرتے تھے۔ ہم ان چیزوں سے فائدہ اٹھاتے تھے جبکہ ہم مسلمانوں کے متولی تھے۔ جب میری وفات ہو جائے تو یہ سب اشیاء حضرت عمر ﷛ کو دے دینا۔ چنانچہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا۔ تو حضرت عمر فاروق ﷛ نے فرمایا اے ابوبکر ﷛ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ آپ نے اپنے بعد آنے والے شخص کو سخت مشکل میں ڈال دیا۔ (تاریخ الخلفاء: السیوطی)۔ اسی طرح امام سیوطی نے ابن ابی الدنیا کے حوالے سے نقل کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق نے وقت وصال حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو وصیت فرمائی۔ "اے میری بیٹی! ہم مسلمانوں کے امر کے والی رہے ہیں اور کسی درہم و دینار کو بے فائدہ خرچ نہیں کیا بلکہ ہم دلیا کھا کر گزارہ کرتے رہے ہیں۔ سخت اور موٹے کپڑے پہنتے رہے ہیں اور اب ہمارے پاس مسلمانوں کے مال سے سوائے اس حبشی غلام اور آب کش اونٹ اور اس کہنہ چادر کے کوئی اور چیز نہیں رہی۔ جب میری وفات ہو جائے تو یہ سب چیزیں حضرت عمر ﷛ کے پاس بھیج دینا۔ وقت وصال آپ نے جو وصیت فرمائی، جو گفتگو فرمائی، جو عمل فرمایا، وہ سب تصوف و طریقت کی راہوں میں چلنے والوں کے لئے معیار بن گئے۔

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے تاریخ الخلفاء میں ابن مسعود کے حوالے سے لکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت فرمایا

کہ جب حضرت صدیق اکبرؓ زیادہ بیمار ہونے میں نے تمثیلاً یہ شعر پڑھا

لعمرک ما یغنی الثراء عن الفتٰی

اذا حشرجت یوماً وضاق بھا الصدر

تیری زندگی کی قسم کثرت مال آدمی کو کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی جبکہ سانس جلدی جلدی آنے لگتا ہے اور اس کے باعث سینہ تنگ ہو جاتا ہے۔

یہ شعر سن کر آپ نے چہرے سے کپڑا اٹھایا اور فرمایا کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ یوں کہو:

وجآئت سکرۃ الموت بالحق ذالک ما کنت منہ تحید

پھر آپ نے فرمایا میرے یہ دونوں کپڑے، دیکھو ان کو دھو کر ان ہی میں مجھے کفن دے دینا کیوں کہ زندہ شخص مردے کی بہ نسبت نئے کپڑے کا زیادہ محتاج ہوتا ہے۔

بادشاہ حکمران لوگ اپنے بعد اپنے ورثا کے لئے جاگیریں جائیداد اور مال و دولت چھوڑ کر جاتے ہیں۔ لیکن صوفیانہ مزاج رکھنے والے درویش امیر المومنین سیدنا صدیق اکبرؓ نے بالکل اس کے برعکس عمل فرمایا۔ اول تو آپ نے پورے دور امارت میں بیت المال سے انتہائی احتیاط سے خرچ فرمایا۔ اپنے مقررہ ماہانہ وظیفے کے سوا ایک درہم تک اپنی ذات پر خرچ نہ کیا۔ اس کے باوجود آپ نے حساب لگایا کہ کل مدت خلافت میں آپ نے بیت المال سے وظیفہ یا تنخواہ کی مد میں کتنی رقم لی تھی۔ حساب لگانے کے بعد آپ کا ایک زمین کا ٹکڑا تھا، اسے بیچ کر وہ ساری رقم بیت المال میں جمع کرا دی۔ ایسے خدا پرستانہ اور صوفیانہ عمل کی توقع اسی ہستی سے ہو سکتی ہے جسے خدا کے حضور جوابدہی کا انتہائی احساس ہو۔

سید ہجویری مخدوم امم علیہ الرحمہ نے کشف المحجوب میں سیدنا صدیق اکبرؓ کا انتہائی بصیرت افروز، حکمت کشا اور روح پرور قول نقل کیا ہے۔

دارنا فانیۃ واحوالنا عاریۃ وانفاسنا معدودہ وکسلنا موجود

لعینی ہمارا گھر فانی ہے اور ہمارے حالات پرائے ہیں اور ہمارے سانس گنتی کے ہیں اور ہماری سستی بدستور موجود ہے"۔

تو سرائے فانی میں دل لگانا، عمارت کرنا جہالت کے مقتضیات سے ہے اور اپنے حالات و کوائف پر بھروسہ کرنا حماقت ہے اور چند گنے چنے سانسوں پر دل لگا لینا غفلت محض ہے اور اپنی سستی و کاہلی کو دین کہنا خیانت مجرمانہ ہے۔ جو موجب حرمان و نقصان ہے۔ اس لئے کہ جو چیز عاریۃً آئے وہ یقیناً واپس جائے گی اور رہی کاہلی و سستی تو اس کی دوا معدوم ہے۔ اس فرمان میں سیدنا صدیق اکبرؓ نے ہمیں ہوشیار فرمایا ہے کہ دنیا اور دنیا کی چیزیں اس قابل نہیں کہ ان سے دل لگایا جائے اس لئے جو مشغول بہ فانی ہو گیا وہ باقی سے محجوب ہو جائے گا"۔ (کشف المحجوب)

داتا گنج بخش علیہ الرحمہ نے سیدنا صدیق اکبرؓ کے کئی ایک اور اقوال بھی نقل کیے ہیں جن سے آپ کے عقیدہ توحید و رسالت کی وضاحت ہوتی ہے اور ان کے آئینے میں فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول کی صوفیانہ اصطلاحوں کے عکس جھلملاتے دیکھے جا سکتے ہیں۔

داتا صاحب علیہ الرحمہ غزوہ تبوک کے موقعہ پر استفسار رسول اللہ ﷺ ما خلفت لعیالک (اے ابوبکر اہل وعیال کے لئے پیچھے کیا چھوڑ آئے ہو) پر عرض صدیقی اللہ ورسولہ سے یہی مراد لیتے ہیں کہ محبت واحد حقیقی اور متابعت رسول ہاشمی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اس قدر محو تھے کہ تعلق دنیا سے آزاد ہو چکے تھے۔ پھر فرماتے ہیں کہ یہ ہے مکمل صفت صوفی وصافی عارف صادق کی اور اس سے انکار کرنا در حقیقت انکار ذات باقی ہے۔

حضور سرکار دو عالم ﷺ کی وفات قیامت آیات کے وقت صحابہ کرام کی دل شکستگی بے حوصلگی اور از خود رفتگی کے درمیان حضرت ابوبکرؓ کی ہمت، حوصلے اور اولوالعزمی کو بھی داتا صاحب علیہ الرحمہ ان کی فانی کی بجائے باقی اور مخلوق کی بجائے خالق پہ نظر کا نکتہ اخذ کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"بوقت وفات قیامت آیات سرکار دو عالم ﷺ، تمام صحابہ کرام اس عالی جناب گردوں رکاب کی جدائی سے اس قدر دل شکستہ تھے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے از خود رفتگی میں برہنہ تلوار کھینچ کر باآواز بلند فرما دیا خبردار جس نے کہا کہ حضور ﷺ انتقال فرما گئے ہیں، میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ حضرت افضل البشر بعد الانبیا سیدنا صدیق اکبرؓ تشریف لائے اور باآواز بلند فرمانے لگے۔

الا من عبد محمدًا فان محمدًا قد مات ومن عبد رب محمد فانہ حی لا یموت

خبردار ہو! جس نے حضرت محمد ﷺ کو حی قیوم جان کر عبادت کی بے شک اس ہستی پاک نے وجود عنصری سے پردہ فرما لیا اور جو عابد الٰہی ہے وہ سن لے کہ وہ جل مجدہ حی قیوم ہے اس کو فنا نہیں۔

پھر حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افا مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم

ہمارے محبوب محمد ﷺ خدا نہیں بلکہ رسول ہیں۔ ان سے پہلے جو رسول آئے وہ بھی دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں تو کیا اگر یہ انتقال فرمائیں یا شہید ہو جائیں تو تم اپنے پچھلے رویہ پر لوٹ جاؤ گے''۔

یعنی جو محمد ﷺ کو خدا مانتا ہے اسے چاہئے کہ سن لے کہ وہ تشریف لے گئے ہیں اور جو خدائے محمد ﷺ کا پوجنے والا ہے وہ جان لے کہ وہ ذات زندہ قدیم ہے۔ گویا دوسرے الفاظ میں اپنی صفوت کا مظاہرہ فرمایا کہ تعلیم مصطفیٰ ﷺ بھی یہی ہے کہ سوا ذات باقی کے سب فانی ہیں اور فانی سے وراء الوریٰ ذات باقی ہے''۔

صدیق اکبرؓ جیسی ہستی جو عشق مصطفیٰ ﷺ کی سدرۃ المنتہیٰ پہ فائز ہو اگر وہ یہ فرمائے کہ محمد ﷺ وصال فرما گئے اور ان کا خدا زندہ ہے تو یہ آپ کے عاشق رسول ہونے کے باوجود عارف خدا اور فنافی اللہ ہونے کی دلیل بھی ہے۔

کشف حجاب دوم توحید کے باب میں داتا صاحب علیہ الرحمہ نے حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ کے حوالے سے قول ابی بکرؓ کو اشرف کلمة فی التوحید توحید میں بہترین کلمہ قرار دیا ہے۔ وہ قول مبارک یہ ہے "من لم یجعل بخلقه سبیلاً الی معرفة الا بالعجز عن معرفته "۔

پاک ہے وہ جو اپنی مخلوق کو اپنی معرفت کی راہ نہیں دیتا بجز اس کے کہ عاجز ہو اس کی معرفت میں، یعنی اس ذات باقی کی معرفت سے عاجزی کا اعتراف ہی اس کی معرفت کو پانے کا راستہ ہے۔

احوال و آثار صدیقی سے اور بھی کئی اقوال نقل کئے جا سکتے ہیں جو خالصتاً تصوف کی تعبیر و تشریح کرتے نظر آتے ہیں۔ امام سیوطی علیہ الرحمہ نے تاریخ الخلفاء میں نقل فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ کی بیماری میں صحابہ آپ کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا اے خلیفہ رسول ﷺ آپ کے لئے کوئی طبیب بلا لائیں جو آپ کی نبض دیکھے۔ آپ نے فرمایا طبیب نے میری نبض دیکھی ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی پھر اس نے کیا کہا؟ آپ نے فرمایا اس نے کہا ہے ''انی فعال لما ارید ''میں جو کچھ چاہتا ہوں کرتا ہوں۔'' معنیٰ یہ تھا کہ مرا مالک و خالق ہی میرا طبیب حقیقی ہے، میں نے اپنے اختیار سے ہاتھ اٹھا لیا ہے اور خود کو اس کی رضا میں گم کر دیا ہے اب جو وہ چاہے کرے۔ یقیناً یہ فنا فی اللہ ہی کی منزل تھی جس میں وہ فرما رہے تھے کہ میرے حبیب نے فرمایا ہے انی فعال لما ارید۔

محبت و معرفت خدا جل جلالہ کے ساتھ عشق و اطاعت رسول اللہ ﷺ اور فنا فی الرسول ہونا بھی مقامات تصوف میں سے ہیں اور سیدنا صدیق اکبرؓ کی تو ساری زندگی عشق رسول ﷺ سے عبارت ہے۔ کفر کی حالت والے بوڑھے والد کو تھپڑ مار کر وہی نیچے گرا سکتا ہے جو سچا عاشق رسول ہو اور تلواروں کی یلغار میں اپنی تلوار کی زد میں آ جانے کی صورت میں حقیقی بیٹے کو قتل کر دینے کا عزم بالجزم رکھنے والا وہی ہو سکتا ہے جو فنا فی الرسول ہو۔

سورہ النساء کی آیت نمبر 66 بھی سیدنا صدیق اکبرؓ کے فنا فی الرسول ہونے پر دلیل فراہم کرتی ہے۔ ابن ابی حاتم عامر بن عبد اللہ بن زبیرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آیہ مبارکہ

ولو انا کتبنا علیهم ان اقتلوا انفسکم او اخرجوا من دیارکم ما فعلوه الا قلیلاً منهم ولو انهم ما فعلوا ما یوعظون به لکان خیراً لهم واشد تثبیتاً۔

اور اگر ہم فرض کرتے کہ اپنے آپ کو قتل کر دو یا اپنے گھر بار چھوڑ کر نکل جاؤ تو ان میں تھوڑے ہی ایسا کرتے اور اگر وہ کرتے جس بات کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو اس میں ان کا بھلا تھا اور ایمان پر خوب جمنا۔

نازل ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اگر آپ مجھے حکم فرما دیں تو میں اپنے آپ کو قتل کر ڈالوں۔ آقا ﷺ نے فرمایا تم سچ کہتے ہو۔

یہ جواب یقیناً کسی ایسی ہستی کا ہو سکتا ہے جو فنا فی الرسول کی منزلوں پہ فائز ہو۔

حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کی وفات نے بھی آپ کے عشق رسول پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ آپ کی وفات پیر کے روز اور 63 برس کی عمر میں ہوئی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے بھی پیر کے روز 63 برس کی ظاہری حیات گزار کر وصال فرمایا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ جب حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات قریب ہوئی تو آپ نے فرمایا آج کون سا دن ہے۔ لوگوں نے کہا پیر کا دن ہے۔

آپ نے فرمایا اگر میں آج ہی انتقال کر جاؤں تو میری تجہیز و تکفین کے لئے کل تک کا انتظار نہ کرنا کیونکہ سب دنوں اور راتوں سے مجھے وہی دن رات زیادہ محبوب ہے جو مجھے رسول اللہ ﷺ سے ملا دے اور قریب کر دے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس سچے عاشق رسول نے وفات کے بعد بھی ادب رسول ﷺ سے پہلو تہی نہیں کی بلکہ فرمایا کہ میرے جنازے کو رسول اکرم ﷺ کے حجرہ انور کے سامنے قدموں میں رکھ دینا اور عرض کرنا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کا غلام حاضر ہے آپ کے پہلو میں دفن ہونے کا متمنی ہے۔ اگر اندر سے کوئی جواب آئے تو وہاں دفن کرنا ورنہ بقیع میں دفن کر دینا۔ حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ نے اپنے محب صادق کی گزارش مسترد نہ فرمائی بلکہ جواب مرحمت فرمایا کہ حبیب کو حبیب سے ملا دو"

قارئین!

تسلیم و رضا، ایثار و وفا، محبت و معرفت خدا جل جلالہ اور عشق مصطفیٰ ﷺ میں لمحہ لمحہ گزرتی حیات صدیقی کا بنظر غور جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ ہر دور کے صوفیا آپ ہی کے نقوش پا کی روشنی میں چلتے آرہے ہیں اور آپ ہی طریق تصوف میں سب کے پیشوا اور امام ہیں۔

سیدنا صدیق اکبر ﷺ تصوف کے عنوان سے ان معروضات کو میں مداح رسول حضرت حسان بن ثابت ﷺ کے ان اشعار پر ختم کرتا ہوں جو انہوں نے حضرت صدیق اکبر ﷺ کی شان میں رقم فرمائے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے حسان بن ثابت کو فرمایا کہ "تو نے ابو بکر صدیق ﷺ کی مدح میں کبھی کوئی شعر کہا ہے تو انہوں نے عرض کی ہاں۔ آپ نے فرمایا سناؤ تو انہوں نے یہ اشعار پڑھے۔ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے تاریخ الخلفاء میں اور ہمارے عہد کے نامور محقق اور صاحب طرز پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی نے اپنی کتاب رفیق نبوت میں نقل کئے ہیں۔

اِذَا تــذکــرت شـجــوا مــن اخــی ثــقة
فــاذکــر اخــاک ابــا بـکــر بـمــا فـعـلا
الـتــالــی الـثــانــی الــمـحـمـود شـیـمـتـه
و اول الــنــاس طــراً صـدق الــرسـلا
والـثــانــی اثـنـیـن فـی الـغـار الـمـنـیـف و قـد
طــاف الـعـدو بــه اذ صـعـد الـجـبـلا
و کــان حــب رسـول الله قـد عـلـمـوا
مــن الـبـریـة لــم یـعـدل بــه رجــلا
خیـر الـبـریـة اتـقـاهـا و ارافـهـا
بـعـد الـنـبـی و اوفـاهـا بـمـا حـمـلا
کـمـاش حـمـیـداً لامـر الله مـتـبـعـاً
بـهـدی صـاحـبـه الـمـاضـی ومـا انـتـقـا

حضرت حسن بن ثابت ﷺ قاری یا سامع کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

☆ جب بھی تو کسی لائق اعتماد کے دکھوں کا ذکر کرے تو اپنے بھائی ابوبکر ﷺ کو ان کارناموں کی بنیاد پر جو انہوں نے سر انجام دیے ضرور یاد کرو۔

☆ آپ بعد میں آنے والے ثانی بننے والے ہیں کہ آپ کا مقام لائق تعریف ہے اور آپ نے تمام لوگوں سے پہلے رسولوں کی تصدیق کی۔

☆ آپ دو میں سے دوسرے تھے اس بلند تر غار میں اور جب آپ اس پہاڑ (ثور) پر چڑھے تھے تو اس وقت دشمن اس پہاڑ کے گرد چکر لگا رہے تھے۔

☆ آپ رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے اور وہ سب یہ جان چکے تھے کہ مخلوق میں سے کوئی بھی آپ کی برابری والا نہیں ہے۔

☆ آپ تمام مخلوقات میں سے بہتر ہیں۔ آپ نبی اکرم ﷺ کے بعد سب سے زیادہ تقویٰ شعار، سب سے زیادہ مہربان اور سب سے زیادہ ذمہ داریوں کو پورا کرنے والے ہیں۔

☆ آپ نے لائق تعریف زندگی گزاری۔ آپ اپنے ماضی کے ساتھ یعنی نبی کرم ﷺ کی ہدایت کے مطابق اللہ کے احکام ماننے والے تھے اور پھر آپ نے اطاعت پر استقامت دکھائی کہ کبھی اس سے روگرداں نہ ہوئے۔

یہ اشعار سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

حسان تو نے سچ کہا ہے۔

میرے دوست کے لئے میری خاطر کلمہ خیر کہتے رہو! میرے دوست کے لئے میری خاطر کلمہ خیر کہتے رہو!

میرے دوست کے لئے میری خاطر کلمہ خیر کہتے رہو!

قارئین!

گذشتہ صفحات کو بار بار پڑھیے آپ کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں رہے گا کہ تصوف اسلام کے علاوہ کوئی الگ دین نہیں بلکہ اس کا تعلق براہ راست ہادی عالم، مرشد انسانیت، حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے اس فرمان ذی شان سے ہے۔ جس میں آپ نے ایمان، اسلام اور احسان کو دین قرار دیا تھا۔ تصوف اسی "احسان" کی تعبیر وتشریح ہے جسے لسان نبوت وحی درجت میں دین کی تعلیم شمار کیا گیا ہے۔ تصوف کی مخالفت کرنے والے اگر تعصب اور ضد کی بجائے صدق ودل سے تفہیم مسئلہ کی کوشش کریں تو انہیں محسوس ہو گا کہ دونوں جہانوں کے سردار پروردگار عالمین کے محبوب اور سید المرسلین ﷺ ہونے کے باوجود شدت بھوک سے شکم اطہر پر دو دو پتھر باندھنے، گھر میں کئی کئی دن فاقہ کرنے، کھردرے بان کی چٹائی پہ آرام فرمانے اور اپنے کپڑے اور جوتے تک خود ہی سینے اور پھر

انی لست کا حد کم ابی ابیت عند ربی فیطعمنی ویسقنی

میں تم جیسا نہیں ہوں میں اپنے رب کے پاس شب باش ہوتا وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

اور لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک معرب ولا نبی مرسل

میرے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص وقت ہے جس میں ملک مقرب اور نبی مرسل بھی وسعت نہیں پاتا۔

جیسے کلمات طیبات فرمانے والے ہمارے ہادی ومرشد اور رہبر اکمل ﷺ ہی وہ سرچشمہ معرفت الٰہی ہیں جن سے محبت ومعرفت رب کے روحانی دریا پھوٹے اور انہوں نے زمانوں تک لوگوں کے مضطرب قلوب اور بے چین روحوں کو روحانیت کے آب صافی سے سیراب کیا۔۔۔ اسی سرچشمہ معرفت سے جاری ہونے والے ایک دریائے ناپیدا کنار خلیفۃ الرسول امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر ﷺ ہیں جن کی تعلیمات سے ہر دور کے صوفیاء نے اخذ فیض کیا اور آج بھی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ آپ کے فیض نسبت سے جاری وساری ہے۔

لیکن قارئین!

جہاں مخالفین تصوف کو اپنی روش پہ نظر ثانی کی ضرورت ہے وہاں اہل تصوف اور متعلقین طریقت کو بھی اپنی صفوں کا جائزہ لینے کی اشد ضرورت ہے۔ کیا کہیں ایسا تو نہیں کہ روحانیت کے شاہینوں کے نشیمن مادیت کے زاغوں نے اپنے تصرف میں لے لئے ہوں۔ کیا ایسا تو نہیں کہ ذکر وفکر اور صوفیانہ اشغال کو محض دولت اندوزی اور جاہ طلبی کا ذریعہ بنالیا گیا ہے۔ ہمارے چاروں طرف جس طرح کے گھس بیٹھئے لبادہ طریقت پہن کر تصوف کو بدنام کر رہے ہیں، ضرورت ہے کہ ان سے مکمل برأت کا اظہار کیا جائے اور پیری مریدی کو رسم ورواج سے نکال کر حقیقی معنوں میں اصلاح نفوس، تصفیہ قلوب اور معرفت خدا کی راہ حق کے طور پر اختیار کیا جائے۔ تصوف جو کبھی حقیقت تھا بغیر نام کے اور اب ایک نام ہے بغیر حقیقت کے فرمان داتا گنج بخش کی روشنی میں اسوہ صدیقی سے رہنمائی لے کر اسے حقیقتاً سمجھنے اور برتنے کی کوشش کی جائے۔

آج امت جس افراتفری، نفرت وتعصب، ظلم وتعدی، بے راہ روی، گمراہی اور دہشت گردی کا شکار ہے اس کا مداوا بھنگ پینے والے نام نہاد صوفیوں کی جعلی طریقت سے نہیں بلکہ سیدنا صدیق اکبر ﷺ جیسی جلیل القدر ہستیوں کی تعلیمات کو اختیار کرنے اور انہیں عام کرنے میں ہے۔

شاعر مشرق نے روحانی سرچشموں کے بند ہو جانے کا شکوہ کیا تھا اور اب تو اس پر بھی ایک صدی مزید گزر چکی ہے۔ صورت حال پہلے سے بھی بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہمارے علماء، خطباء، مدرس اور خانقاہ نشین مشائخ ذاتی مفادات تج کہ اس حقیقی روحانی نظام کو زندہ کریں۔

عصر حاضر کے زہر کا یہی تریاق ہے جو جبر و تشدد کی ڈسی ہوئی انسانیت کو سکون آشنا کر سکتا ہے۔ اس روحانی نظام سے نہ صرف امت مسلمہ گھمبیر مسائل سے باہر آ سکے گی بلکہ پوری انسانیت امن و سلامتی سے بہرہ مند ہو سکے گی۔ جو جنگ حرب و ضرب سے جیتی نہیں جا سکتی وہ حب خدا اور حب مصطفیٰ ﷺ کے ٹھنڈے میٹھے بولوں سے سر کی جا سکے گی اور پھر بقول اقبال:

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

☆☆☆

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور تصوف

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالیٰ جل مجدہ کا ارشاد ہے:

وعباد الرحمن الذين يمشون على الارض هوناً واذا خاطبهم الجهلون قالو سلماً (فرقان)

''یعنی خاص بندگانِ الٰہی وہ ہیں جو زمین پر جھک کر چلتے ہیں اور جب جاہل انہیں چھیڑیں تو وہ بجائے جواب کے ان سے کہہ دیتے ہیں کہ اچھا خوش رہو''

اور حضور ﷺ نے فرمایا:

من سمع صوت اهل التصوف فلم يومن على دعائهم كتب عند الله من الغافلين

''یعنی جس نے اہل تصوف کی آواز سن کر ان کی دعوت کو قبول نہ کیا وہ اللہ کے نزدیک غافلوں میں لکھا گیا''۔

مگر یہ سمجھنا ضروری ہے کہ صوفی کون ہے؟ اس لئے کہ لوگوں نے نام صوفی کی بہت سی تعریفیں بنا رکھی ہیں اور اس بحث میں بہت سی کتابیں بھی تالیف ہو چکی ہیں۔ ایک جماعت تو کہتی ہے کہ صوفی کو صوفی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ کمبلی اوڑھتا ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ صوفی کو صوفی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ بروز قیامت صف اول میں ہوں گے۔ ایک گروہ اس طرف گیا کہ صوفی اسے کہا جاتا ہے جو اصحاب صفہ کے ساتھ محبت وولا کا رابطہ رکھے۔ ایک فرقہ کہنے لگا کہ صوفی ایک اسم ہے جو صفا سے مشتق ہے، یعنی جس کے اندر باہر صفائی ہے وہ صوفی کہلانے کا حق دار ہے۔ اگرچہ بلحاظ طریقت ان توجیہات میں بہت سے لطائف حاصل ہو سکتے ہیں لیکن آخری طبقہ کی تعریف کے اعتبار سے لغوی معنی اس کے علیحدہ ہی نکلیں گے۔

اگرچہ صفا بمعنی صفائی ہے اور صفائی ہر پہلو سے اچھی ہے اور صفائی کی ضد کدورت ہے اور حضور ﷺ نے بھی فرمایا:

ذهب صفوا الدنيا وبقي كدرها

''دنیا کی صفائی جاتی رہی اور اس کی کدورت باقی رہ گئی''۔

اور ظاہر ہے کہ لطیف وصاف چیز اور میلی ومکدر چیز علیحدہ علیحدہ ہے اور یہ امر ظاہر وواضح ہے کہ اہل تصوف نے اپنے تمام معاملات اخلاقی، معاشی، معادی، ملی مہذب کر لئے اور اپنا دل کدورت آفات دنیا سے صاف فرما لیا، اس لئے انہیں صوفی کہا گیا اور یہ اسم عارفوں کے لئے اسمائے اعلام سے ہے، کیونکہ اہل تصوف کے خطرات قلبیہ اور امورات حالیہ اس اسم سے کہیں بڑھ کر ہیں، بلکہ درحقیقت لفظ صوفی ان کی صفات باطن کی ترجمانی کے لئے کافی نہیں اور ان کے معاملات تقریب پر اس کی تعریف محیط نہیں ہو سکتی۔ بنابریں اسم صوفی کا مبدأ اشتقاق صفا بنا کر اسے اسم صفت قرار دینا صحیح نہیں ہو سکتا۔

پھر یہ زمانہ تو وہ ہے کہ حضرت حق تعالیٰ شانہ نے عوام کو حقیقت تصوف اور اہل تصوف سے حجاب میں فرما کر اور ان کے منصب جلیل کی بلندی اور نورانیت قلبی کو عوام کے دلوں سے مخفی کر دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کوئی جماعت تو یہ سمجھ بیٹھی کہ تصوف ایک طریقہ کا نام ہے جو مشاہدہ باطن میں مدد دیتا ہے اور اصلاح ظاہری کر دیتا ہے۔ کوئی اس گمان میں بہک گیا کہ یہ صوفی اور تصوف ایک بے حقیقت چیز ہے اور یہ نام محض بے اصل نام ہے حتیٰ کہ بعض کمینہ جاہل تو مسخرہ پن کر کے نافہم اہل علم کو اپنے ساتھ ملا کر محض ظاہر بین نظروں سے دیکھ بھال کر سرے سے تصوف کے منکر ہو گئے اور باوجود یہ کہ وہ سخت حجاب غفلت میں محجوب ہیں، لیکن اپنی اندھی نظر کی تحقیق پر مطمئن ہیں۔ ان کی پیروی جاہل عوام کالانعام نے کی اور صفا باطن کی خواہش ہی دل سے نکال دی اور سلف صالحین اور صحابہ کرام کے طریقہ کو چھوڑ بیٹھے۔

ان الصفا صفة الصديق

ان اردت صوفيا على التحقيق

یعنی اگر تو واقعی صوفی کا متلاشی ہے تو یاد رہے کہ صوفی ہونے کی شان صفا تو صرف صدیق اکبر ﷺ میں تھی، اس لئے کہ صفا حقیقی کے لئے ایک اصل اور ایک فرع ہے۔ اصل تو دل کا ماسوی اللہ سے منقطع ہونا ہے اور فرع دل کا دنیا غدار کی محبت سے خالی کر دینا، اور یہ دونوں صفتیں صدیق اکبر ﷺ میں تھیں۔ جن کا نام حضرت عبداللہ ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہما ہے، اس لئے کہ صدیق اکبر کی ہی وہ ہستی ہے، جسے امام اہل طریقت اور مقتدائے اہل تصوف کہا جائے اور یہی وہ پاک باطن تھے جن کا دل اغیار سے اس قدر صاف تھا کہ صحابہ کرام میں بھی آپ کی ہستی کا ہمسر کوئی نہ تھا۔

بوقت وفات قیامت آیات سرور عالم ﷺ تمام صحابہ کرام اس عالی جناب گردوں رکاب کی جدائی سے اس قدر دل شکستہ تھے، کہ حضرت عمر

فاروق ﷺ نے ازخود رفتگی میں برہنہ تلوار کھینچ کر باواز بلند فرمایا: "خبردار جس نے کہا حضور ﷺ انتقال فرما گئے اس کا سر قلم کر دوں گا"۔

حضرت افضل البشر بعد الانبیاء صدیق اکبر ﷺ باہر تشریف لائے اور بلند آواز سے فرمایا:

الامن عبد محمدًا فان محمدًا قد مات ومن عبد رب محمد فانه حتی لا یموت

"خبردار ہو جس نے حضور ﷺ کو قدیم جان کر عبادت کی تو بے شک اس ہستی پاک نے وجود عنصری سے پردہ فرما لیا اور جو عابد الٰہی ہے وہ سن لے کہ وہ جل مجدہ حی قدیم ہے اسے فنا نہیں"۔

پھر حضرت صدیق اکبر ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

ومامحمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل ط افائن مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم ،

(آل عمران :144)

"ہمارے محبوب محمد ﷺ خدا نہیں بلکہ ہمارے رسول ہیں، ان سے پہلے جو رسول آئے وہ بھی دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں، تو کیا اگر یہ انتقال فرما جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم اپنے پچھلے رویہ پر لوٹ جاؤ گے"۔

یعنی جو محمد ﷺ کو خدا مانتا ہے اسے چاہئے کہ سن لے کہ وہ تشریف لے گئے ہیں اور جو خدائے محمد ﷺ کا پوجنے والا ہے وہ جان لے کہ وہ ذات زندہ اور قدیم ہے۔ گویا دوسرے الفاظ میں اپنی صفوۃ کا مظاہرہ فرمایا کہ تعلیم مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء یہ ہے کہ سوا ذات باقی کے سب فانی ہیں اور فانی سے وراء الوریٰ ذات باقی ہے تو جس کا دل فانی سے بندھا ہوا ہے وہ سمجھ لے کہ صورت فانی فنا ہو گئی اور اس کی تمام محنت رائیگاں گئی اور جس نے اپنی جان حضرت باقی کے سپرد فرما دی اس کی شان یہ ہے کہ اس کا نفس فانی فنا ہو جاتا ہے اور وہ ذات باقی کے ساتھ دوامی بقا میں رہتا ہے۔

لہٰذا جس نے ذات محمد ﷺ کو چشم ظاہر سے دیکھا ہے وہ اپنا اسلام اور ان کی تعظیم ختم کر دے۔ اس لئے کہ وہ صورت ظاہری تو فنا ہو گئی اور جس نے اس ہستی پاک کو بچشم حقیقت دیکھا ہے۔ اسے نقش ظاہری سے کچھ تعلق نہیں۔ اس کے نزدیک اس صورت کا رہنا اور غائب ہو جانا دونوں برابر ہیں۔ اس لئے کہ حالت بقا میں وہ اپنی بقا منجانب اللہ سمجھتا اور یقین کرتا ہے اور کیفیت فنا کو بھی منجانب اللہ جانتا ہے۔ جب اس نے ہر دو کیفیات منجانب محول حقیقی دیکھیں تو محول سے اعراض کر کے محول حقیقی کا اعتراف کر لیا اور جان لیا کہ ہر محول یعنی متغیر ہونے والے کا وجود محول حقیقی یعنی متغیر کرنے والے اور پھیر نے والے کے قبضہ قدرت میں ہے، تو پھر فرمان رب العزت جل مجدہ کے مطابق وہ ہر شے کی تعظیم و تکریم کرنے والا ہو گیا اور بنظر دل کسی غیر کو دیکھنا بھی گوارا نہ کیا اور نظر ظاہر کو بھی ماسوی اللہ سے بند کر لیا۔

من نظر الی الخلق هلک ومن رجع الی الحق ملک

"جس نے مخلوق فانی کی طرف نظر کی ہلاک ہوا اور جو وجود باقی اور ذات حق کی طرف رجوع ہوا ملکی صفات سے متصف ہو گیا"۔

یعنی ماسوی اللہ اور مخلوق کی طرف نظر ہونا نشان ہلاکت ہے اور رجوع بحق ہونا علامت ملکیت ہے۔ تو خلوئے دل ماسوی اللہ کے یاد دماغ فیہا سے یہ ہوا کہ جو کچھ مال و متاع غلام اس کے قبضہ میں ہو راہ مولیٰ میں دے ڈالے اور ایک کملی میں لپٹ کر دربار رسالت پناہ میں حاضر ہو۔ جیسا کہ صدیق اکبر ﷺ کا واقعہ ہے۔ کہ سب مال و متاع غلام لونڈی اللہ کے واسطے تصدق کرنے کو اس شان سے حاضر ہوئے کہ ایک کملی جسم پر تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ما ابقیت لعیالک "ابوبکر اپنے بیوی بچوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو۔ عرض کی: اللہ و رسوله. بیوی بچوں کے لئے دو خزانے بے خزاں اور دو تیغ بیکراں چھوڑ کر آیا ہوں۔ ایک محبت واحد حقیقی دوسرے متابعت رسول اعظم ﷺ"۔

شیخ الاسلام بعد انبیاء خیر الانام خلیفہ پیغمبر و امام سید اہل تجرید شہنشاہ ارباب تفرید و آفات انسانی سے بعید امیر المومنین حضرت ابوبکر عبداللہ بن عثمان الصدیق رضی اللہ عنہما آپ کی کرامات مشہور ہیں اور احکام و معاملات میں آپ کے قوی دلائل ہیں اور مسائل و حقائق تصوف میں مشہور۔ آپ کا کچھ حال تصوف کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے اس وجہ سے مشائخ کرام آپ کو پیشوائے اہل مشاہدہ مانتے ہیں (اس لئے کہ صاحب مشاہدہ جو ہوتا ہے اس کا حال دوسروں پر کم اور بہت کم منکشف ہوتا ہے) اور حضرت عمر ﷺ کو ان کی سخت گیری کی وجہ سے پیشوائے مجاہدین مانتے ہیں۔ احادیث میں آیا ہے اور علماء میں مشہور ہے کہ سیدنا ابوبکر ﷺ رات کے وقت نماز میں قرآن کریم آہستہ آہستہ تلاوت فرماتے اور جب سیدنا عمر ﷺ نماز پڑھتے قرآن کریم بہ آواز پڑھتے۔ حضور ﷺ نے حضرت صدیق اکبر ﷺ سے دریافت فرمایا کہ تم آہستہ تلاوت کیوں کرتے ہو۔ عرض کیا: اسمع من اناجیه ۔ حضور اس لئے آہستہ پڑھتا ہوں کہ" میں جانتا ہوں کہ جس کی مناجات کر رہا ہوں وہ مجھ سے غائب نہیں" اور اس کی سماعت ایسی ہے کہ اس کے لئے نزدیک و بعید اور آہستہ پڑھنا یا بلند آواز سے پڑھنا برابر ہے۔

حضرت عمر ﷺ سے پوچھا۔عرض کیا:

اوقظ الوسنان ای النائم واطرد الشیطان

"میں سوئے ہوئے لوگوں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں"۔

یہ شان مجاہدات کا مظاہرہ تھا اور شان مشاہدات کا اور یہ امر ظاہر ہے کہ مشاہدہ کے اندر مجاہدہ اس طرح ہے کہ جیسے قطرہ دریا میں اور یہی وجہ تھی کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

هل انت الا حسنة من حسنات ابی بکر

"عمر تم ابوبکر کی بھلائیوں میں سے ایک حصہ ہو"۔

جب عمر فاروق ﷺ جیسی جلیل القدر ہستی جس سے عزت ووقار اسلام ترقی پر آیا۔وہ صدیق اکبر ﷺ کے مقابلہ میں ایک حصہ بھلائی کے مالک ہیں،تو غور کر کے دیکھو دنیا کے لوگ آپ کے مقابلہ میں کس درجہ میں ہوں گے پھر باوجود اس شان کے حضرت ابوبکر صدیق ﷺ فرماتے ہیں:

دارنا فانیہ واحوالنا عاریة وانفاسنا معدودة وکسلنا موجودة

"ہمارا گھر فانی ہے،ہمارے حالات پرائے ہیں،ہمارے گنتی کے سانس ہیں اور ہماری سستی بدستور موجود ہے"۔

تو سرائے فانی میں دل لگانا،عمارت کرنا جہالت کے مقتضیات سے ہے اور اپنے حالات وکوائف پر بھروسہ کرنا حماقت وبے وقوفی ہے،تو چند سال کے بھروسہ پر دل لگا لینا غفلت محض ہے اور اپنی کاہلی اور سستی کو دین کہنا خیانت مجرمانہ ہے جو موجب حرمان ونقصان ہے۔

اس لئے کہ جو چیز عاریۃً آئے وہ یقیناً واپس جائے گی اور جو چیز گزرنے والی ہے اور وہ فانی ہے وہ کبھی رہ نہیں سکتی اور جو گنتی کے ساتھ ملی وہ ضرور ختم ہوگی اور کاہلی سستی اس کی دوا معدود ہے۔اس فرمان میں صدیق اکبر ﷺ نے ہمیں ہوشیار فرمایا کہ دنیا اور دنیا کی چیزیں اس قابل نہیں کہ ان سے دل لگایا جائے اس لئے کہ جو مشغول بہ فانی ہوگیا وہ باقی کے ساتھ محجوب ہو جائے گا۔

تو جب دنیا اور نفس امارہ طالب حق کے لئے زبردست حجاب ہیں تو مجھے لازم ہے کہ ان سے اعراض کروں اور جب یہ جان لیا کہ عاریۃً جو چیز ملتی ہے وہ دوسروں کے ملک ہوتی ہے،تو جو چیز کسی اور کے ملک ہے اس سے اپنا دست تصرف کوتاہ رکھنا ہی مناسب ہے اور ان ہی حضرت صدیق اکبر ﷺ سے ہے کہ آپ نے اپنی دعاؤں میں فرمایا:

اللهم ابسط لی الدنیا وزهدنی فیها

"الٰہی میرے لئے دنیا فراخ فرما دے اور مجھے دنیا سے زاہد رکھ"۔

یعنی جب مجھ پر دنیا فراخ ہو جائے تو مجھے اس کی آفتوں سے محفوظ رکھ۔اس دعا کے ضمن میں ایک رمز ہے۔یعنی پہلے مال عطا فرما تا کہ اس کا شکر ادا کروں پھر ایسی توفیق دے کہ تیرے لئے اس سے ہاتھ کھینچ لوں اور اس سے مستغنی ہو کر منہ پھیر لوں،تا کہ مجھے شکر گزاری اور انفاق فی سبیل اللہ کا درجہ حاصل ہو جائے اور درجہ صبر بھی اتنا عطا فرما کہ بحالت فقر مضطر نہ ہو جاؤں تا کہ میرا فقر اختیاری ہو۔اس میں پھر معاملت کا قول درست ثابت ہوتا ہے،جو کہ فرمایا ہے کہ جس کا فقر اضطراری ہو وہ مصنوعی ہے اور جس کا فقر اختیاری ہو وہ ہے کہ اس کا یہ کسب فقر جلب فقر سے منقطع ہوتا ہے،تو وہ فقر اس سے بہتر ہے جو بہ تکلف اپنے لئے کوئی درجہ بنائے۔

ہم کہتے ہیں کہ فقر کی صفت زیادہ تر ظاہر جب ہو سکتی ہے جب کہ بحالت غنا ارادہ فقر اس کے دل پر مستولی ہو اور اس حد تک اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کہ ابنائے بنی آدم کی تمام مرغوب چیزوں سے دل کا رجحان ہٹالے اور وہ تمام مرغوب انسان اشیاء کے مجموعہ کا نام دنیا ہے، نہ یہ کہ بحالت فقر غنا کی خواہش اس کے دل پر مستولی ہو اور اس حد تک دنیا حاصل کرنے میں سعی کرے کہ حصول درہم ودینار کے لئے بارگاہ امراء وسلاطین پر جبیں سائی کرتا پھرے۔

تو اچھی طرح سمجھ لو کہ صفت فقر یہ ہے کہ وہ غنا سے فقر کی طرف آئے،نہ یہ کہ بحالت فقر طالب ریاست ہو جائے۔

حضرت صدیق اکبر ﷺ کی ہستی وہ مبارک ہستی ہے کہ افضل البشر بعد الانبیاء ہے۔ان سے آگے بڑھ کر کسی کو قدم اٹھانا روا نہیں (اور وہ ایسے الفاظ میں دعا فرما چکے ہیں جو پہلے گزر چکی) اس لئے اختیاری فقر پر اضطراری فقر کو مقدم کرنا کسی طرح صحیح نہیں۔وہ تمام مشائخ متصوفہ اسی مذہب پر ہیں مگر ایک پیر جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں اور اس کے بحث ودلائل نقل کر کے اس کا رد بھی کر دیا ہے اور اس رد کو حضرت صدیق اکبر ﷺ اس قول سے اور مؤکد کرتے ہیں جو حضرت صدیق اکبر ﷺ کے فرمان کو زہری نے روایت کیا ہے۔یہ دلیل واضح ہے کہ جب آپ نے خلافت کے لئے لوگوں سے بیعت لی۔آپ منبر پر جلوہ آرا ہوئے اور خطبہ پڑھا اور خطبے میں آپ نے فرمایا:

والله ماكنت حريصا علی الامارة يوم ولا ليلة ولا كنت فيها راغبا ولا سالتها الله قط سرا وعلانية ومالی فی الا مارة من راحة

''خدا کی قسم میں اس خلافت وامارت کا حریص نہیں ہوں اور نہ تھا اور کسی رات دن میں اس کی خواہش میرے دل میں نہیں ہوئی اور میری رغبت اس کی طرف نہیں اور نہ میں نے کبھی اللہ تعالیٰ کے حضور خفیہ واعلانیہ اس کے لئے دعا کی اور مجھے اس میں کوئی راحت وخوشی نہیں''۔

حقیقت حال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے عبد صادق کو کمال صدق پر پہنچا دیتا ہے اور درجہ تمکین کے ساتھ معزز وممتاز بنا دیتا ہے تو وہ کسی معاملہ کو اپنے اختیار میں نہیں رکھتا، بلکہ منتظر ہوتا ہے کہ بارگاہ الٰہی کی طرف سے کیا حکم وارد وصادر ہوتا ہے، پھر اگر صدور حکم ہوتا ہے کہ فقیر بن کر رہ، تو فقیری پسند کر لیتا ہے اور حکم آتا ہے کہ امارت پر متمکن ہو تو امیر بن جاتا ہے۔ کسی معاملہ میں اسے اپنے اختیارات کا تصرف واختیار نہیں ہوتا، نہ وہ خود کسی معاملہ میں تصرف کرنا چاہتا ہے جیسا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہ آپ نے ابتداء میں بھی تسلیم ہی اختیار فرمائی اور انتہا تک اسی تسلیم ورضا کے محور پر رہے، چنانچہ تسلیم ورضا کے مسئلہ میں جتنے بعد میں ہوئے سب کے سب اسی ہستی کو اپنا امام وپیشوا مانتے چلے آرہے ہیں اور آپ تمام ارباب تسلیم ورضا کے امام اور اہل طریقت کے پیشوا خاص ہیں۔

☆☆☆

صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول ﷺ بس

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی
صدر مرکز تحقیق فیصل آباد

قافلہ انسانیت کی تاریخ کا کوئی دور ہو، کوئی نسل ہو یا کوئی گروہ ہو، ایک حقیقت بڑی واضح ہے کہ انسان نے عظمت واخوت اور گراوٹ و پستی کا کوئی نہ کوئی معیار ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے، کبھی نسل کو وجہ شرف گردانا گیا تو کبھی رنگ وروپ کو سرفرازی حاصل رہی، کبھی قوت وجبروت کے حوالے سے یہ برتری کا زعم رہا تو کبھی اخلاق وکردار کا حوالہ عظمتوں کا نشان بنا، ملت اسلامیہ بھی انسانی تسلسل کا ایک حصہ ہے اس لئے اس میں بھی بسا اوقات غیروں کے معیارات اہمیت پاتے رہے جبکہ اسلامی تعلیمات نے صرف اور صرف ایک اصولی موقف اپنایا ''تقویٰ'' بندگی کی علامت بھی تھا اور تکریم وتعظیم کا حوالہ بھی، عربی وعجمی کا بعد ناپسندیدہ قرار پایا تو عصبیت قومی کا تفاخر بھی پامال ہوا کہ نبی رحمت ﷺ نے ہر عصبیت کو اپنے قدموں تلے روندنے کا اعلان فرمادیا، تقویٰ شعاری میں بھی یہ امر ملحوظ رہ کر مرکز حسنات اور منبع فیضان ذات ﷺ کا فیصلہ اور رویہ ہی حتمی ہے کہ حسنات انہی کے اتباع کا نتیجہ ہیں اور فیضان اُسی در سے ہویدا ہوتا ہے۔ یہ تھا وہ معیار جو امت مسلمہ میں رفعت ومنزلت کی سند بنا اور ہر دور میں اس کی پاسداری کی گئی، امت نے تسلیم کرلیا تھا کہ بظاہر تعامل کچھ بھی ہو، ماحول کا تقاضا اور فیصلہ کیسا بھی ہو، قول فیصل، ارشاد حضور ﷺ ہے۔ غور کیجئے وہ عرب معاشرہ جو بیٹی کو زندہ درگور کرنا فخر محسوس کرتا تھا جہاں عورت اس قابل نہ تھی کہ ہزار اوصاف کے باوجود اس کا کوئی ناتمام سا قصیدہ ہی لکھا جائے۔ کس قدر معتبر قرار پائی کہ مرکز محبت وعقیدت ہی نہیں، مصدر خیر شمار ہوئی، اور پھر ایک ایسا فیصلہ بھی ہوا جو سب رسم ورواج سے ہٹ کر تھا، بیٹی کی نسل کو اپنی نسل کہہ کر عمومی ضابطہ سے ایسا استثنیٰ دیا کہ تاریخ انسانی ہر دور میں اس کے سامنے سر جھکاتی رہی، معلوم ہوا سب روابط، واسطے، نسلیں یا تعلقات معتبر ہیں مگر ارشاد رسول ﷺ کی عظمت کا کوئی بدل نہیں، امت تسلیم کرچکی تھی کہ جو بھی ارشاد یا اشارہ ہو وہی لائق اتباع اور قابل تعظیم ہے بلکہ یہی اساس ایمان ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنے جانثاروں کی وفاکشیوں پر بھی بعض فیصلے فرمائے، کبھی واضح حکم دیا تو کبھی بلیغ اشارہ فرمایا کہ ایمانوں کی تمازت کا امتحان ہوجائے۔ امت نے بھی جاں سپاری اور جاں دادگی کا وہ معیار قائم کیا کہ قوموں کی تاریخ مثلیں لانے سے عاجز ہے۔ اگر عنایت کی حد یہ تھی کہ تمام ساتھیوں کو نجوم قرار دے دیا تو وفا شعاری کا مقام یہ تھا کہ ایک ناتوان صحابیہ بھی پکار اٹھی تھی

"کل مصیبة بعدک جلل"

''آپ کی موجودگی کے بعد تو کوئی مصیبت بڑی نہیں سب چھوٹی ہیں''۔

یہ اعلان تھا کہ وجود آپ کا ہی مرکز تسکین وایمان ہے، یہ یقین ہر دور میں مسلمانوں کیلئے وجہ قرار رہا ہے۔ جانثاری کی حد یہ تھی کہ ہر کلمہ، ہر لفظ لائق اتباع ٹھہرا، نہ معاشرتی رویے سرراہ ہوئے نہ کسی پسند ناپسند نے راہ کاٹی، صحابہ کرام ﷺ کو اتباع کا شرف سب سے بڑھ کر حاصل ہوا کہ ان کے ایثار کا اعتراف بھی واضح تھا، فضائل صحابہ کرام ﷺ کا موضوع ہر کتاب حدیث اور کتاب سیرت کا جلی عنوان رہا ہے۔ آیئے اس میں اس عنوان کو موضوع گفتگو بنائیں جو سب سے زیادہ نمایاں تر ہے۔ حضرت صدیق اکبر ﷺ کی کتاب زندگی کا ہر ورق اس قدر مجلی اور پر بہار ہے کہ رعنائیوں کی کہکشاں روشن ہے۔ صرف چند اشاروں پر اکتفا کریں گے کہ روشنی کا ہر حوالہ معتبر ہوتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ قریش کے ایک قبیلے بنو تیم سے تعلق رکھتے تھے، عرب ماحول میں ہر قبیلے کو کسی منصب کا اہل قرار دیا گیا تھا باہمی جدال کے فیصلے، خون بہا کا تعین اور تاوان کی مقدار کا فیصلہ آپ کے گھرانے کی ذمہ داری تھی تجارت اہل مکہ کی معیشت کی اساسی کڑی تھی آپ کپڑے کے لائق احترام تاجر تھے۔ مناصب کی اس بوقلمونی نے قوت فیصلہ کا جوہر پیدا کردیا تھا۔ حیرت ہے کہ جاہلی معاشرہ جو ہر پستی اور بے راہ روی کا نچوڑ تھا آپ کے دامن تقدیس پر کوئی داغ نہ لگا سکا، شراب کو اس دور کا پسندیدہ مشروب قرار دیا جاسکتا ہے۔ گھر گھر پر میکدے آباد تھے مگر وہ وجود جسے ایک اہم منصب کیلئے تیار ہونا تھا۔ خمار خانے میں بھی دامن عفت کا محافظ رہا، یوں محسوس ہوتا ہے کہ اتباع سالت کی منزل کا راہی پہلے قدم سے ہی پابند آداب ہے اور جسے نبوی مشن کی نیابت کی ذمہ داریاں سنبھالنا تھیں وہ ابتداء ہی سے عقل وشعور کے جوہر کی حفاظت کر رہا تھا، اس لئے کہ آپ چند لمحوں کیلئے بھی فراست وبینی سے دستبردار نہ ہونا چاہتے تھے، صیانت کردار کا یہ دورانیہ شہادت دے رہا ہے کہ اتباع کا جوہر ہر لحہ نور فشاں رہا ہے، یہی وجہ تھی کہ جب نور نبوت کی پہلی کرن ہویدا ہوئی تو حاضر دربار ہوگئے، نہ کوئی دلیل طلب کی، نہ کسی سے مشورہ چاہا اور نہ کسی ذہنی ردوزرح کا شکار ہوئے۔ بس اعلان تھا اور وہاں خود سپردگی کا منظر تھا، دل یوں کھچا جیسے لوہا مقناطیس کی طرف لپکتا ہے کہ بقول ابن عربی علیہ الرحمۃ

"فیامن هوا للقلوب مقناطیس

کارکنان قدرت پکار رہے ہوں گے کہ ابوبکر آگے بڑھو کہ ''ثانی اثنین'' کا مرتبہ تو ازل سے تمہارے لئے ہے اظہار کسی موجود کا ہی ہوتا ہے اور یہ وجود محترم تو روز اول سے ہی قلب صدیق میں مسند نشین تھا بس

تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز

سیرت صدیقؓ کا ہر مظہر اسی وارفتگی کا اعلان ہے کہ کرداری رویوں کا جائزہ لیں تو یہ خیال حقیقت بن کر دمکنے لگتا ہے صرف ایک مثال:
غار حراء میں جبریل امین علیہ السلام کا آنا کہ وحی کے نزول کا آغاز ہو گیا، ذمہ داری کا احساس اور عملاً اس کی ابتداء نے قدرے اضطراب پیدا کیا۔ گھر آئے ام المؤمنین سے سارا واقعہ بیان کیا تو سیرت کے خدوخال کا قریبی مشاہدہ کرنے والی زوجہ محترمہ نے عرض کیا

" کلا واللہ ما یخنیک اللہ اجرا انک لتصل الرحم و تحمل الکل و تکسب المعدوم و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق

(صحیح بخاری باب کیف بدء الوحی)

"ایسا ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی کم تر نہ ہونے دے گا، بے شک آپ ہی تو ہیں کہ آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں، لوگوں کے بوجھ اٹھا لیتے ہیں، تنگ دستوں کیلئے کما لیتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ کی مصیبتوں پر مددگار رہتے ہیں۔

یہ نبی رحمت ﷺ کی مجلسی سیرت اور وہ معاشرتی کردار کا اولین حوالہ ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک روایت کتب سیرت میں موجود ہے کہ جب مکہ مکرمہ کا ماحول حد درجہ معاندانہ ہو گیا تو منظر سے ہٹ جانے کا ارادہ کیا، ایک عرب سردار ابن الدغنہ نے ارادہ ترک کرنے کی درخواست کی اور کہا

" فواللہ انک لتزین العشیرۃ و تعین علی النوائب و تفعل المعروف و تکسب المعدوم"

(سیرت النبی الابن ہشام الجزء الاول ص ۳۹۵)

"اللہ کی قسم آپ کو خاندان کی زینت بخشنے والے ہیں، مصیبتوں پر مدد کرنے والے ہیں، نیکی کرنے والے اور تنگ دستوں کیلئے کمانے والے ہیں"۔

اس مماثلت کردار کی دو طرح توجیہ ہو سکتی ہے کہ یا تو حضرت صدیق اکبرؓ کا کرداری خمیر ہی رسول اللہ ﷺ کے کرداری سانچے میں ڈھلا ہوا تھا یا یہ کہ اسوۂ رسول ﷺ نے وجودی رویوں کو اس قدر مطیع کر لیا تھا کہ سراپا نیاز ہو گئے تھے۔ کوئی صورت ہو، سیرت صدیق اکبرؓ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ "صدیق کیلئے ہے خدا کا رسول بس"

سب کچھ قربان کر دینے کی متعدد صورتیں تاریخ کے سینے میں محفوظ ہیں، مال کی قربانی کا اکثر ذکر کیا جاتا ہے کہ جب نبوی اشارہ ملا تو صحابہ کرامؓ نے حتی الامکان ایثار کا ثبوت دیا، حضرت عمرؓ تو ایثار کی پسندیدہ حد تک قربانی کا جذبہ رکھتے تھے۔ مسلمانوں کے سامنے انصار مدینہ کا ایثار معیار تھا کہ انہوں نے مہاجرین کیلئے گھر کے تمام اثاثوں کا نصف حاضر کر دیا تھا۔ اس پر دربار رسالت سے پسندیدگی بھی ظاہر ہوئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اسی کو شاید معیار بنایا اور گھر کے تمام اموال کا نصف حاضر کر دیا، یہ رویہ پسندیدگی کا مظہر ٹھہرا اور دعاؤں سے بھی فیض یاب ہوئے مگر ابھی تو رفیق نبوت نے ایثار کا وہ معیار پیش کرنا تھا جو ہمیشہ کیلئے جاں نثاریوں کا اسوہ بننا تھا، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ عقیدت کی سلامتی میں لب کشا ہیں۔

لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد و وفا سرشت
ہر چیز جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار

ایثار کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ فکر عیال ہی ہوتی ہے۔ اسی کا حوالہ دیا گیا مگر جواب یہ تھا

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کیلئے ہے خدا کا رسول بس

ہو سکتا ہے کسی کے دل میں یہ خیال گزرے کہ یہ لمحاتی فیصلہ تھا، جذباتی کیف بعض اوقات ایسے فیصلوں کا محرک ہوتا ہے مگر تاریخ سیرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ورق ورق پکار رہا ہے کہ یہ لمحاتی فیصلہ نہ تھا، یہ تو آپ کا عمومی کردار تھا جو پوری زندگی دمساز رہا ہے۔ کیا ہجرت کی رات اس ایثار کا مظاہرہ نہ ہوا تھا اور کیا یہ کردار پورے گھرانے کی سیرت کا حصہ نہ تھا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا اپنے نابینا دادا کے سامنے جو رویہ محفوظ ہے وہ کیا اپنی نظیر رکھتا ہے، یہ تو وہ مثالی کردار تھا جو معصوم بچوں کو بھی حاصل ہو گیا تھا اسی لئے بوڑھوں اور جوانوں پر ہی نہیں نوخیزوں کو بھی قربت رسول اور اعتماد رسول ﷺ کی رفعتیں عطا کر گیا تھا۔

یہ بھی یاد رہے کہ مالی ایثار اپنی ہزار رفعتوں کے باوجود شخصی و کرداری جانثاری سے کم تر ہوتا ہے۔ صدیق اکبرؓ نے جب اپنی کمسن

صاحبزادی، بیت رسول ﷺ کیلئے پیش کر دی تھی جو اس پر تو ایثار کشش وجود بھی لرز گئے تھے۔ کاشانہ نبوت کو ایک دمساز کی ضرورت تھی کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وفا پا گئیں تھیں۔ انہیں جاں رفیقہ کی جدائی اور پرورش بنات کی ذمہ داری کسی قربانی کا تقاضا کر رہی تھی، کون آگے بڑھا، بظاہر مناسبت کی کمی کے باوجود کسی گھرانے پر رسول اللہ ﷺ کی نظر پڑی؟ کس نسبت کو ملاء اعلیٰ کی بھی رضا حاصل ہوئی؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ازواج میں شمولیت اعلان کر رہی ہے کہ "صدیق کیلئے ہے خدا کا رسول بس"

سفر ہجرت کی ہم راہی ہو، غار ثور کی خلوت ہو، اسامہ بن زید ﷺ کی سپہ سالاری ہو، یا تعین زکوٰۃ سے بطور خلیفہ رویہ ہو، مدعیان نبوت کی سر کوبی ہو، کیا ایک ایک لمحہ اسی حکایت دلپذیر کا حصہ نہیں کہ سب کچھ، مال ہو، خاندان ہو، عزت وشہرت ہو، حکومت ومنصب ہو، وہ شرقی ومعاشی رویہ ہو، بہرصورت ایک وجود مکرم ﷺ کیلئے نہیں ہے۔ کچھ دیر ٹھہر کر اس رویے کا جائزہ لیجئے کہ ماں باپ بزرگ ہیں۔ بیٹے کی محبتوں کے محتاج ہیں، کاروبار جو ہزاروں دیناروں سے زیادہ ہے۔ نگرانی کا طلب گار ہے۔ بچے جو انسان کی زندگی کا سرمایہ اور اس کے وجود کی توسیع ہوتے ہیں، معاونت وسرپرستی چاہتے ہیں، مگر کیا کوئی مادی زنجیر اٹھتے ہوئے قدموں کو روک سکتی ہے؟ یہ سب اس لئے ہوا کہ بہر نوع جانثاری کا عہد باندھ لیا گیا تھا۔ متشدد ماحول میں حفاظت محبوب کا جذبہ کس رویے کا ترجمان تھا؟ ایک شریف الطبع وجود، مگر کفر کے گھیرے میں یوں صف شکن کہ خیبر شکن وجود جو شجاعت وعزیمت کا پیکر فرد تھا بھی پکار اٹھا

"اے ابوبکر! اللہ تم پر رحم کرے، واللہ تم پہلے آدمی تھے جس نے رسول ﷺ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اسلام قبول کیا، ایمان واخلاص میں تمہارا ہم پایہ کوئی نہ تھا، خلوص ومحبت میں تم سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ اخلاق، قربانی، ایثار اور بزرگی میں تمہارا کوئی ثانی نہ تھا۔ اسلام اور مسلمانوں کی جو خدمت تم نے کی اور رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں جس طرح ثابت قدم رہے، اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہی تمہیں دے گا۔ اگرچہ تم جسمانی لحاظ سے کمزور تھے لیکن دینی لحاظ سے جو قوت تمہیں حاصل تھی اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، تم اپنے آپ کو بندہ پر تقصیر سمجھتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا درجہ بے حد بلند تھا"۔ (محمد حسین ہیکل۔ ابوبکر صدیق ﷺ)

حضرت صدیق اکبر ﷺ کے عزم صادق اور ایثار بے مثل کا حوالہ واقعہ افک بھی ہے، ایک باپ جو معاشرے میں سربلند بھی ہے اور نیک نام بھی اس کی بیٹی جو ام المومنین بھی ہے اور امت کی معلمہ بھی اس پاک سیرت پر الزام لگ جائے تو عرب معاشرت کی خوں آشامی اور خود سری کو سامنے رکھتے ہوئے سوچئے کیا ہونا چاہئے؟ باوقار اور باغیرت باپ کی غیرت پر کس قدر بڑی ضرب لگی ہوگی؟ کیا تعلقات کی ایسی نوعیت برا فروختہ نہیں کرتی مگر حیرت ہے کہ وفا کیشی کی کونسی حد تھی کہ بیٹی پر بہتان اٹھایا گیا ہے اور جس کی حفاظت میں بیٹی دی جاتی ہے وہ وجود وقاع کی کوئی صورت پیدا نہیں کر رہا۔ قلق ہی نہیں ہیجان اٹھے گا مگر تسلیم ورضا کا پیکر جو خدا کے رسول ہی کو اپنا سب کچھ سمجھتا ہے کس قدر خاموش ہے؟ یہ وقت اور لمحہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خاندان کیلئے کس قدر بھاری ہوگا؟ کیا ایسی صورتوں میں خاندانوں میں تصادم نہیں ہوتا؟ کیا سسرال میں بیٹی پر انگلی بھی اٹھ جائے تو ماں باپ، بہن بھائیوں کا رد عمل کیسا ہوتا ہے؟ اللہ اللہ۔ اس قدر روح فرسا آزمائش سے استقامت صدیق ﷺ ہی عہدہ برا ہو سکتی تھی، حالات ناسازگار بھی تھے۔ غیرت مہمیز بھی لگا رہی تھی، شفقت پدری میں ہیجان بھی بپا تھا۔ مگر جانثار نبوت ایسی تاریخ رقم کر رہا تھا جو تاریخ عزیمت کا روشن باب تھی، جو منانہ روش اور اطاعت آشنا خاموشی، حضرت صدیق ﷺ کے کردار کی عظمت ومتانت کا وہ حوالہ ہے جو ہر دور میں وفا شعاروں کو استقامت کا درس دیتا رہے گا۔ آج صداقت، رفاقت کی وہ بلندی ہے جس کے سامنے ہر سرفرازی ہیچ ہے، یہ سب کچھ قربان کر دینے والے کا ہی حوصلہ ہے اور ایسے ہی ممنون سپاس انعام کے مستحق گردانے جاتے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر ﷺ کی مظہرۂ اسلام کی طرف سبقت ہو یا صراط اسلام پر استقامت، دین اسلام کی اشاعت میں بھرپور کردار ہو یا بانی اسلام ﷺ کی ذات ومشن کے ساتھ ہمہ جہت وابستگی، یہ سب حکایات وروایات تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم کا زریں باب ہیں۔ توجہ طلب رخ یہ ہے کہ کیا ایثار ومحبت کے یہ رویے معراج قبولیت کے دلیل گردانے گئے؟ کیا محبوب کائنات ﷺ اور ان کے پروردگار کے ہاں یہ سب کچھ وجہ عظمت قرار پایا؟ اسی سلسلے میں چند اشارات ہی کفایت کریں گے

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

"إنَّ من أمَنَ النَّاس علي في صحبته وماله أبوبكر ، لو كنت متخزا خليلا غير ربي لا تخدت ابا بكر خليلا ولكن اخوة الا سلام و مودته لا يبقين في المسجد باب الا سد الاباب ابي بكر"

(صحیح البخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی بکر)

''بلاشبہ لوگوں میں سے مجھ پر اپنی رفاقت اور اپنے مال کے حوالے سے سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہیں اگر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو دوست بناتا مگر اسلامی بھائی چارہ اور اسلام کی محبت ہے یعنی یہی کافی ہے، مسجد میں کوئی دروازہ نہ رہے مگر بند کر دیا جائے سوائے ابوبکرؓ کے دروازے کے''

سب سے زیادہ احسان کرنے والے، اخوت اسلام کے نمائندہ ہونے کا شرف پانے والے اور مسجد نبوی میں ایک منفرد منزلت کی عظمت کے حامل، ایک ہی ارشاد میں پذیرائی کے کئی باب وا ہو گئے، نائبین نبوت کا تذکرہ ہوا تو واضح فرما دیا گیا

"اما وزیرای من اهل الارض فابوبکر وعمر"

(جامع الترمذی کتاب المناقب باب أبی بکر)

''جہاں تک اہل ارض سے میرے دو وزیروں کا معاملہ ہے تو وہ ابوبکر اور عمر ہیں ؓ''

نیابت کی وضاحت بھی ہوگئی اور عظمت کی تخصیص بھی فرما دی گئی، یہ شرف افضلیت جامع الترمذی کی ہی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''یہ دونوں (حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ) اہل جنت کے عمر رسیدہ افراد کے سردار ہیں وہ اولین میں سے ہوں یا آخرین میں سے (ماضی کو مستقبل تک محیط کر دیا گیا) سوائے انبیاء کرام اور رسولان عظام علیہم السلام کے''

برتر حیثیت کا ذکر ہوا، حدود وقت سے ماوراء حکم مگر فرستادگان الٰہی کے بعد، لفظ لفظ واضح کر رہا ہے، کہ یہ صرف ایک تحسینی جملہ نہیں، مقام صدیقیت اور مقام فاروقیت کی برملا وضاحت ہے اور اس ارشاد پر توجہ چاہیے کہ فرمایا (سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ باب فی الخلفاء میں ہے)

''جہاں تک اے ابوبکر تیرا معاملہ ہے تو تو میری امت میں سے سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا''

ایک یا دو نہیں متعدد روایات فضیلت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے کتب احادیث میں درج ہیں جن کا شمار ایک دمکتا ہوا باب ہے۔ آیئے واقعات وشواہد کے حوالے سے بھی ایک مختصر جائزہ لیں۔

مکہ مکرمہ کی معاندفضا سے جب دارامن مدینہ منورہ کا سفر ہوا تو حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت کے کئی درخشندہ روپ سامنے آئے

☆ بہت سے صحابہ کرامؓ ہجرت فرما چکے ہیں۔ مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کسی لحہ ہمایوں کے منتظر ہیں، یہ لحہ آیا تو طلب کی صداقت جھلملا اٹھی، رات تھی محبوب کائنات ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر آئے ہیں، نظر پڑتے ہی سوال عرض کیا جاتا ہے'' اجازت مل گئی'' فرمایا ہاں تم ساتھ چلو گے۔ عقیدت ومعیت کا منظر انوکھا ہے۔ لب رسالت نے وجدان وعرفان کے چراغ روشن کر دیئے ہیں خود آ کر معیت کی درخواست کرتے تو کیفیت اور ہوتی۔ یہ معیت تو انتخاب رسول ﷺ ہے۔ ذرا چشم تصور وا کیجئے اور حالات کا جائزہ لیجئے، مکہ مکرمہ، عداوت کا مرکز ہی سہی مگر بہت سے جانثار بھی اس شہر میں بستے تھے عقیدتمندوں پر نظر تو ڈالی ہوگی، ان میں کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا تو سوچئے نظر کس پر ٹھہری؟ اللہ اللہ۔ ایک یہ شرف ہی تا قیامت سرفرازی کا حوالہ رہے تو کفایت کرے گا۔ خود چل کر وہ وجود اس گھر کی طرف جا رہا ہے جس کی طرف پوری کائنات کا رخ ہے۔

☆ یہ ایک منتخب وجود ہی کہ مومنانہ روش نہ تھی سارا گھرانہ پروانہ وار فدائی تھا۔ بیٹی نے پدر گرامی کی قربانیوں کو قریب سے دیکھا تھا اس لئے تقدیس کے پیکر اعظم کیلئے اوڑھنی پھاڑ ڈالی کہ مجسم حیا کی خاطر سامان سفر باندھنا تھا۔ ایک بچی جو نو خیز عمری کے کیف سے گزر رہی تھی ایسی مثال قائم کر رہی ہے جو گھرانے کی شرافت، جانثاری اور ہمہ جہت عقیدت کی واضح دلیل ہے۔

☆ سفر کا قرب، غار میں حفاظت رسول ﷺ کا فقیدالمثال اہتمام، لاتحزن، کا مژدۂ جانفزا اور ثانی اثنین کی لطافتوں کی رفعت کی فرمان الٰہی نے کسی تیسرے کی موجودگی یا شرکت کی بھی برملا نفی کر دی، یہ اعزازات کا وہ لحہ ہے جو اشرفیت وافضلیت کا ہر دور حوالہ رہے گا۔

☆ بڑی اعتماد کا جو رخ اس سفر میں آشکار ہوا وہ ہر اعتماد سے فزوں تر ہے۔ گھر سے نکلے ہیں کہ کسی کو خبر نہیں کدھر کا رخ ہے حتیٰ کہ تلواریں تان کر در اقدس محصور کرنے والے باخبری کے دعوے دار بھی الجھتے ہی رہ گئے۔ غار میں موجودگی کا توان کو بھی احساس نہ ہوا جو سر غار کھڑے تھے مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا گھرانہ وہ خوش قسمت گھرانہ تھا کہ وہ مقصد سفر سے بھی آگاہ تھا۔ رخت سفر سے بھی باخبر تھا اور منزل خیر سے بھی روشناس تھا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا غار ثور میں کھانا پہنچانا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ہر لحہ حالات سے باخبر رکھنا اور عامر بن فہیرہ کا ریوڑ کو یوں ہانک لانا کہ تازہ دودھ ہر لحہ میسر رہے، کیا یہ واقعات بیٹی، بیٹے اور غلام کے اعتماد کے روشن دلائل نہیں ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو قربت کا شرف رکھتے ہی تھے آپ پر اعتماد تو قرین حق تھا مگر سارے گھرانے پر اس قدر اعتماد اس امر کا ثبوت ہے کہ سارا گھرانہ ہی صداقتوں کے سایوں میں تھا۔ ایسا شرف تو کسی اور کو حاصل نہ ہوا۔

سچی بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر ﷺ نے عقیدت کا وہ معیار قائم کر دیا تھا کہ متلاشیان حق کیلئے ہر لمحہ اسی کی تلاش، وجہ سعادت ہے، اطاعت شعاری کی یہی بے مثل صورت ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قرب نبوت کا امتیاز عطا کر گئی ہے کہ رفعت اسی حد تک پہنچی کہ

"مرو ابابکر فلیصل بالناس"

''ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو حکم پہنچاؤ کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں''

ارکان اسلام میں نماز اور حج ہی وہ دو رکن ہیں جن میں امامت وامارت کی ضرورت ہوتی ہے، نبی مکرم ﷺ نے اپنی حیات ظاہرہ میں ان دونوں میں حضرت صدیق اکبر ﷺ کو پیشوائی عطا فرما کر ہر صاحب نظر کو رضائے رسول ﷺ بلکہ رضائے الٰہی کی طرف راہنمائی فرمادی جس کا سب نے اعتراف بھی کیا اور صدق دل سے تسلیم بھی کیا۔

حضرت ابوبکر ﷺ کی کتاب سیرت کا ہر ورق عظمت وکردار کا شاہد ہے، اسلام کی وحدت کی طرف فجر اسلام سے ہی راغب ہوئے اور پھر زندگی بھر اس تسلیم ورضا کے تقاضوں کو نبھاتے رہے۔ آپ کی زندگی کا ہر گوشہ اس کا گواہ ہے کہ محبوب کریم ﷺ کی ذات ومشن کیلئے سب کچھ قربان کر دیا۔

حاصل عمر نثار رہ یارے کردم
نادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

نثار کیشی کی یہ روایت، محبوب بھی ٹھہری اور لائق اجر وکمال بھی۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان میں حضرت ابوبکر ﷺ کی کتاب سیرت کو مجلا فرمائے کہ انعام یافتگی کا یہی راستہ ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وکان حب رسول اللہ قد علموا
من البریۃ لم یعدل بہ رجلا

''آپ رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے اور یہ سب جان چکے تھے کہ مخلوق میں سے کوئی بھی آپ کی برابری والا نہیں تھا

اللھم صل وسلم دائما ابدا
علی حبیبک خیر الخلق کلھم

☆☆☆

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ارشادات و خطبات

ڈاکٹر طاہر رضا بخاری

خلیفۃ الرسول، امیر المومنین حضرت سیّدنا صدیق اکبر ؓ کے خطبات وارشادات تاریخ اسلام کا وہ اثاثہ اور سرمایہ ہیں، جس سے اُمّتِ مسلمہ رہتی دنیا تک روشنی اور رہنمائی حاصل کرتی رہے گی۔ علامہ ابن کثیر کے مطابق جب مسلمانوں کی تعداد 38 ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کی کہ ہمیں تبلیغ اسلام کا فریضہ پوری قوت کے ساتھ سرانجام دینے کی اجازت عطا فرمائیں۔ بلاشبہ دنیائے اسلام کے وہ پہلے خطیب تھے جو نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ "دارارقم" سے نکل کر حرم شریف کے صحن میں دیگر صحابہ کے ہمراہ تشریف آور ہوئے اور اپنے قبیلہ میں تبلیغ دین کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف دعوت دینے کے لیے کھڑے ہوئے، کافر آپ کا خطبہ سن کر مشتعل ہوگئے اور آپ کو زدوکوب کرنا شروع کر دیا۔ آپ کے جسم پر بے پناہ ضربیں آئیں اور آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ سارا دن غشی طاری رہنے کے بعد جب شام ڈھلے آپ کو کچھ ہوش آیا تو آپ کی زبان سے جو پہلا جملہ ادا ہوا وہ یہ تھا:

" مَا فعل رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّم " یعنی مجھے بتاؤ میرے آقا محمد رسول اللہ ﷺ کس حال میں ہیں؟

10 ہجری میں نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک عظیم خطبہ دیا۔ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"خدا نے ایک بندے کو دنیا اور عقبیٰ کے درمیان اختیار دیا تھا، لیکن اس نے عقبیٰ کو دنیا پر ترجیح دی۔ "

نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد سن کر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، لوگوں نے اس آبدیدگی پر تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ رونے کا کون سا موقع ہے۔ لیکن رازدارِ نبوت اس حقیقت کو پا چکے تھے کہ یہاں بندہ سے مراد خود نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ پر بیماری کا غلبہ رہنے لگا اور 12 ربیع الاوّل دوشنبہ کے روز آپ ﷺ کا وصال مبارک ہوا۔ نبی اکرم ﷺ کے وصال کی خبر سن کر آپ مقام سخ سے واپس آئے اور دیکھا کہ مسجد نبوی کے دروازے پر ایک ہنگامہ برپا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کسی سے مخاطب ہوئے بغیر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں داخل ہوئے اور اپنے محبوب آقا کے نورانی چہرے سے نقاب اٹھا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور رو کر کہا:

"بِاَبِیَ انت داعی واللّٰہ لا یجمع اللّٰہ علیک موتین اما الموتۃ التی کتبت علیک فقد ذقتھا ثم لن تصیبک بعدہ موتۃ ابدًا۔"

میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، خدا کی قسم آپ پر دو موتیں جمع نہ ہوں گی، وہ موت جو آپ کے لیے مقدر تھی اس کا مزہ چکھ چکے، اب اس کے بعد پھر کبھی موت نہ آئے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے موقع پر تمام صحابہ کرام ؓ غم سے نڈھال تھے، کسی کو بھی آپ ﷺ کے وصال کا یقین نہیں آ رہا تھا، کوئی شخص یہ سننے کے لیے ہرگز تیار نہ تھا کہ نبی کریم ﷺ اس دنیا سے پردہ فرما گئے ہیں، حضرت عمر فاروق ؓ نے فرطِ غم میں تلوار سونت لی تھی کہ کسی نے اگر یہ کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا ہے میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو کوئی کم غم نہ تھا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو سب سے زیادہ محزون تھے اور آپ ﷺ کا وصال شدید صدمے کا باعث تھا، اس لیے کہ آپ ؓ وہ پہلے شخص (آزاد مردوں میں سے) تھے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی آواز پر لبیک کہا اور آپ ﷺ پر ایمان لائے تھے، ہجرت کا سفر بھی آپ ﷺ کے ساتھ کیا تھا، غارِ ثور میں اکٹھے رہے تھے، مدینہ میں آمد بھی ایک ساتھ ہوئی تھی، آپ ؓ نبی کریم ﷺ کے ہم جلیس اور ہم نشیں تھے، یہ وہ اولین شخص تھے جس کے کانوں میں نبی کریم ﷺ کی زبان مقدس سے اسلام کی آواز پہنچی۔ ان باتوں سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ؓ کو نبی کریم ﷺ کے وصال کا کتنا غم اور کس قدر صدمہ ہوگا، مگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حالت دیکھ کر آپ ؓ نے ان کو سہارا دیا۔ آپ ؓ کے عشق رسول ﷺ اور خیر خواہی امت کے جذبے کو یہ گوارا نہ ہوا کہ صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے وصال کے حوالے سے کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہوں۔ آپ ؓ نبی کریم ﷺ کے جسد پاک سے اُٹھ کر حجرے سے باہر تشریف لائے اور حضرت عمر فاروق ؓ کو فرمایا: ہوش میں آؤ اور سنبھلو مگر وہ اس قدر غم سے نڈھال اور وارفتگی کے عالم میں تھے کہ آپ ؓ کی بات سنی اَن سنی کر دی۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو جلال آ گیا اور آپ نے منبر پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور پھر لوگوں سے مخاطب ہوئے:۔

أ لا من کان یعبد محمداً فان محمداً صلی اللّٰہ علیہ وسلم قدمات، ومن کان یعبد اللّٰہ فان اللّٰہ حیّ، لایموت.

''خبردار! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا، اسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے پردہ فرما گئے ہیں، جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا اسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کو کبھی موت نہیں آئے گی''۔

اس کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِی اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ (آل عمران ۳: ۱۴۴)

''(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف رسول ہی ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں، کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں، تو تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو پھر جائے اپنی ایڑیوں پر تو ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا''۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس خطبے سے سبھی کے قلوب کو قرار آ گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ میں آیت قرآن کا انتخاب موقع محل کے مطابق کیا اور صحابہ کرام کو یوں لگ رہا تھا کہ اس آیت کا نزول گویا ابھی ہوا ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر کا یہ اثر ہوا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''اس آیت کو سن کر میرے پاؤں ٹوٹ گئے، کھڑے رہنے کی سکت نہ رہی اور میں زمین پر گر گیا، مجھے یقین ہو گیا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی''۔

اس نازک ترین مرحلے میں حضرت ابوبکر صدیق ﷜ کی ہستی منارہ نور ثابت ہوئی اور صحابہ کرام جس اندوہ ناک غم میں مبتلا تھے ان کے غم کو ہلکا کرنے میں مدد کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی خبر مشہور ہوتے ہی منافقین کی سازش سے خلافت کا مسئلہ ایسی صورت اختیار کر گیا کہ ایسا لگ رہا تھا کہ مسلمانوں میں شاید اب اتفاق نہ ہو سکے۔ ادھر سقیفہ بنو ساعدہ میں انصار خود کو خلافت کا حقدار قرار دے رہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اس صورتحال کا علم ہوا تو مزید صدمے میں مبتلا ہو گئے اور حضرت عمر فاروق اور ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنے ہمراہ لے کر سقیفہ بنو ساعدہ تشریف لائے جہاں انصار صحابہ فیصلہ کر چکے تھے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت کا منصب دیا جائے۔ ان حضرات ثلاثہ کے سامنے بھی بعض انصاری بزرگوں نے پرجوش تقاریر کیں اور اپنی تقاریر میں انصار کے فضائل اور حقوق بیان کیے، یہ سب کچھ دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطبہ دینا چاہتے تھے مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو روک دیا اور خود خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اولاً اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مخلوق میں رسول بنا کر بھیجا اور امت کے لیے گواہ، اس غرض سے کہ بندے اللہ کی عبادت اور اس کی وحدانیت کا اقرار کریں۔ عربوں کی حالت یہ تھی کہ وہ مختلف معبودوں کی عبادت کرتے تھے تاکہ وہ اللہ کے سامنے شفاعت کر کے ان کو نفع پہنچائیں، ان معبودوں کی حقیقت یہ تھی کہ پتھر اور لکڑی سے تراش لیے گئے تھے، اس بات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس طرح کیا ہے:

''اور وہ لوگ اللہ کے سوا ایسے معبودوں کی عبادت کرتے ہیں کہ جو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع، کہتے ہیں کہ ہم ان کو صرف اس لیے پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں ہمارا قرب بڑھائیں''۔

نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کو اپنے آباؤ اجداد کا دین ترک کرنا گراں گزرا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے (اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی) قوم میں سے مہاجرین اولین کو یہ خصوصیت بخشی کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی خدمت کے لیے کمر باندھی۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سخت مصیبتیں جھیلیں، ایسے حال میں کہ تمام آدمی ان کی مخالفت کرتے تھے اور ان کے جانی دشمن بن گئے تھے، لیکن وہ اپنی قلت اور دشمنوں کی کثرت کے باوجود ہراساں نہ ہوئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے روئے زمین پر سب سے پہلے اللہ کی عبادت کی، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ اسی کے ساتھ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے رفقاء اور کنبے والے ہیں اور خلافت کے سب سے بڑھ کر مستحق، سوائے ظالم کے کوئی شخص اس معاملہ میں ان سے جھگڑا نہیں کر سکتا۔

اے گروہ انصار! تمہاری دینی فضیلت اور سبقت فی الاسلام کے عظیم شرف سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ تم کو اللہ نے اپنے دین اور اپنے رسول کی مدد کے لیے منتخب فرمایا۔ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کے بعد تمہارے پاس بھیجا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر اصحاب تم میں سے ہیں۔ لہٰذا مہاجرین اولین کے بعد تمہارا مرتبہ سب سے بلند ہے۔ پس ہم امراء ہوں اور تم وزراء۔ تم اپنے مشورے پر ضد نہ کرنا اور ہم تمہارے مشورے کے بغیر معاملات طے نہیں کریں گے''۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فہم و فراست کی بدولت مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد و اتفاق برقرار رہا۔ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس معاملے کی اطلاع نہ ہوتی اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سقیفہ بنو ساعدہ میں جا کر خطبہ نہ ارشاد فرماتے تو شاید وہ

مواخات کا رشتہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین کے درمیان قائم کیا تھا وہ ٹوٹ جاتا اور یہ آپس میں باہم دست و گریباں ہو جاتے۔ اس طرح اسلام کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہو جاتا، لیکن خدا کو توحید کی روشنی سے عالم کو منور کرنا تھا، اس لیے اس نے آسمان اسلام پر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا مہر و ماہ پیدا کر دیا تھا جس نے اپنی عقل و سیاست کی روشنی میں افق اسلام کی ظلمت اور تاریکیوں کو کافور کر دیا۔

سقیفہ بنو ساعدہ میں ہی تاج خلافت حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کے سر سجا دیا گیا اور وہاں موجود افراد نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر لی مگر اگلے روز بیعت عامہ ہونا باقی تھی۔ اس روز جو آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا وہ عاجزی و انکسار سے مملو اور اطاعت رسول ﷺ کے عزم سے بھرپور تھا، خطبہ ملاحظہ ہو:

یا أیها الناس! فإني قد ولیت علیکم، ولست بخیر کم، فإن احسنت فاعینوني، وإن أسأت فقوموني، الصدق أمانة والکذب خیانة، والضعیف فیکم قوی عندی حتی ازیح علیه حقه إن شاء اللّٰه، القوی فیکم ضعیف عندی حتی اخذ الحق عنه إن شاء اللّٰه، لا یدع قوم الجهاد في سبیل اللّٰه إلا ضربهم اللّٰه بالذل، ولا تشیع الفاحشة في قوم قط إلا عمهم اللّٰه بالبلاء، واطیعوني ما اطعت اللّٰه ورسوله، فإذا عصیت اللّٰه ورسوله فلا طاعة لي علیکم، قوموا إلی صلوتکم، یرحمکم اللّٰه.

"لوگو! میں تمہارا سردار بنایا گیا حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، اگر میں نیک کام کروں تو تم پر لازم ہے کہ میری مدد کرو، اگر میں برائی کی طرف چلوں تو تمہارا فرض ہے کہ مجھے سیدھا کر دو۔ راستی اور راست گوئی امانت ہے اور دروغ گوئی خیانت۔ ان شاء اللہ تم میں جو شخص کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے، جب تک کہ میں اس کا حق نہ دلوا دوں۔ ان شاء اللہ تم میں سے جو قوی ہے، وہ میرے نزدیک کمزور ہے، جب تک کہ میں اس سے کمزور کا حق وصول کر کے اسے نہ دلا دوں۔ تم لوگ جہاد کو نہ ترک کرنا، جو قومیں جہاد کو ترک کرتی ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔ جس قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے خدا اس کی مصیبت کو بھی عام کر دیتا ہے۔ میں جب تک اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کروں تو تم بھی میری اطاعت کرنا، جب میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے انحراف کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں ہے۔ نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے"۔

اس پورے خطبہ میں کہیں بھی کوئی ایسا جملہ نہیں ہے جس سے تکبر اور فخر و غرور کا شائبہ تک ہوتا ہو۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت مختصر الفاظ میں اپنی خلافت کا منشور (Manifesto) بتا دیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے اور بس۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جونہی مسند خلافت پر تشریف فرما ہوئے تو اپنے سامنے بہت سی مشکلات، صعوبات اور خطرات کو کھڑے پایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے جھوٹے مدعیان نبوت اٹھ کھڑے ہوئے، دوسری طرف مرتدین اسلام کی ایک جماعت نے علم بغاوت بلند کر دیا اور منکرین زکوٰۃ نے علیحدہ شورش برپا کی ہوئی تھی۔ ان حالات میں حضرت اسامہ کی قیادت میں شام کے خلاف لشکر کشی کا فیصلہ انتہائی دشوار تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں ہی اس لشکر کی روانگی کا حکم دیا تھا۔ کبار صحابہ کی رائے یہ تھی کہ لشکر کی روانگی میں تاخیر کر دی جائے تاکہ کچھ حالات معمول پر آ جائیں یا کم از کم حضرت اسامہ کی بجائے کسی تجربہ کار اور عمر رسیدہ شخص کو امیر لشکر مقرر کیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حمیت دینی کو یہ ذرا بھی گوارا نہ ہوا کہ ارادہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو التواء میں ڈالا جائے یا حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ کسی اور کو امیر لشکر مقرر کیا جائے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تیاری کا حکم دیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو لشکر کو روانہ کرتے ہوئے خطبہ ارشاد فرمایا، وہ ملاحظہ ہو:

"لوگو! میں بھی تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔ مجھے کیا معلوم کہ تم مجھ پر وہ بوجھ ڈالو گے جس کے اٹھانے کی طاقت صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کی مخلوق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرمایا اور ہر قسم کی آفتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ رکھا تھا۔ مجھ میں کوئی ہمت نہیں، میرا کام صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بجا لانا ہے۔ میں کوئی نئی چیز آپ کے سامنے پیش نہیں کروں گا، اگر میں سیدھا رہوں تو میری اطاعت کرو، اگر ٹیڑھی راہ اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دو"۔

یہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اول کا نقطہ نظر، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ اسی نظریے پر قائم رہے اور تمام لوگوں سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی۔

لشکر اسامہ جب روانہ ہوا تو لشکر کو الوداع کرنے کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدل ساتھ ساتھ چل رہے

تھے۔الوداعی منزل پر لشکر کو پھر خطاب فرمایا:

''لوگو! میں تم کو دس باتوں کی وصیت کرتا ہوں، ان کو اچھی طرح یاد رکھنا۔ دیکھو خیانت مت کرنا، دھوکا نہ دینا، امیر کی نافرمانی نہ کرنا، کسی شخص کے اعضا مت کاٹنا، کسی بچے، بوڑھے اور عورت کو قتل نہ کرنا۔ کھجور یا کسی اور پھل دار درخت کو مت کاٹنا اور نہ اسے جلانا۔ بکری، گائے یا اونٹ کو کھانے کی ضرورت کے سوا ذبح نہ کرنا۔ تم کو ایسے لوگ ملیں گے جو دنیا سے الگ تھلگ عبادت خانوں میں گوشہ نشین ہوں گے ان سے کچھ نہ کہنا اور ان کو اپنے حال پر چھوڑ دینا۔ تم کو ایسے لوگ بھی ملیں گے جو تمہارے پاس طرح طرح کے کھانے برتنوں میں رکھ کر لائیں گے، ان کھانوں میں سے یکے بعد دیگرے جب کچھ کھاؤ تو اللہ کا نام لیتے جانا۔ تمہارا سامنا ایسے لوگوں سے بھی ہوگا جن کے سر بیچ سے منڈے ہوں گے اور پیچھے چھوٹے ہوں گے تم ان کو تلوار سے کھٹکھٹانا۔ جاؤ اللہ کا نام لے کر چل پڑو۔ اللہ تمہیں دشمن کے حربے اور طاعون سے محفوظ رکھے''۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیاسی بصیرت اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت لشکر اسامہ فتحیاب ہوا۔ امام جلال الدین السیوطی (م: ۹۱۰ھ) نے ابن عساکر کے حوالے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک خطبہ نقل کیا ہے وہ ملاحظہ ہو:

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے واسطے ہیں، میں اسی کی حمد کرتا ہوں اور اسی سے مدد مانگتا ہوں، موت کے بعد اسی کے کرم کا خواستگار ہوں۔ ہم سب کو ایک دن مرنا ہے۔

میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جنہیں اس نے حقیقی طور پر خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا تاکہ زندہ لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں اور کافروں پر اللہ تعالیٰ کی حجت تمام کردیں۔ جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی، انہوں نے ہدایت پائی اور جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی وہ کھلے گمراہ ہوئے۔

لوگو! میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو اور اس کے احکام کی تعمیل کرو۔ کلمۂ اخلاص کے بعد اسلامی ہدایات (احکام) کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے امیر کے احکام سنو اور ان کی تعمیل کرو، کیونکہ جس نے اللہ اور اپنے امیر کی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں اطاعت کی اس نے فلاح پائی، اس پر جو حق تھا وہ اس نے ادا کردیا۔ خود کو نفس کی پیروی سے بچاؤ، جو نفس کی پیروی، طمع اور غصہ سے محفوظ رہا وہ کامیاب ہوگیا۔ کبھی غرور نہ کرنا، غور کرو کیا وہ شخص بھی غرور و فخر کرسکتا ہے جو مٹی سے پیدا کیا گیا ہو اور مٹی ہی میں ملنے والا ہو جس کو کیڑے کھائیں گے، آج وہ زندہ ہے کل مردہ ہوگا۔ روزانہ بلکہ ہر لمحے نیک عمل کرو۔ مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ قبولیت اور اس کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہے۔ اپنے نفوس کو مردہ شمار کرو اور صبر کرو، کیونکہ صبر ہی کے ذریعے کام پورے ہوتے ہیں۔ تقویٰ اختیار کرو، تقویٰ ایسی چیز ہے جو بہت نفع بخش ہے، عمل کرو، کیونکہ عمل ہی قبول کیا جاسکتا ہے۔ جو چیز تمہیں اللہ کے عذاب کی طرف لے جائے اس سے بچو۔ اس کام کے کرنے میں جلدی کرو جس کے کرنے میں اللہ تعالیٰ نے رحمت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ سمجھو اور سمجھاؤ، ڈرو اور ڈراؤ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تم سے قبل لوگوں کی ہلاکت کے اسباب واضح طور پر بیان کردیے ہیں اور یہ بھی بیان فرمادیا ہے کہ کن کاموں کی وجہ سے انہوں نے فلاح پائی۔

قرآن مجید و فرقان حمید میں حلال و حرام، پسندیدہ و مکروہ یہ سب چیزیں بیان کردی گئی ہیں۔ میں تمہیں اور خود کو نصیحت کرنے میں دیر نہیں کرتا۔ خداوند تعالیٰ مددگار ہے اور اس کے سوا کسی میں قوت نہیں۔ اپنے اعمال میں اخلاص پیدا کرو، اللہ کی عبادت کرو اور اپنے حصے کی حفاظت کرو، تم دین کی آرزو کرو اور دین کو اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ جہاں تک ہوسکے نوافل پڑھو کہ تمہارے فرائض کی ادائیگی میں جو کمی رہ گئی ہے وہ پوری ہوجائے گی۔ اپنی حالت اور افلاس کے وقت تم ان نوافل کی برکات کے مستحق ہوگے۔

اے بندگان خدا! اپنے ان بھائیوں اور دوستوں کے بارے میں غور و فکر کرو جو فوت ہوچکے ہیں۔ انہوں نے اپنے اعمال کے مطابق بھلی یا بری جزا پائی۔ موت کے بعد جو بدبختی یا سعادت مندی ملنا تھی وہ اسے حاصل کرچکے۔

سنو! اللہ کی ذات و صفات میں کوئی نسبی رشتہ نہیں، وہ محض اپنی مہربانی اور کرم سے مخلوق کو نوازتا ہے۔ وہ اس وقت تک لوگوں سے برائیوں کو دور نہیں کرتا جب تک مخلوق اس کی اطاعت اور فرمانبرداری میں پیش قدمی نہ کرے۔ کسی نیک کام کا بدلہ دوزخ نہیں اور کسی برے کام کا بدلہ ہرگز جنت نہیں۔ میں آپ لوگوں سے بس اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں۔ اپنے لیے اور آپ سب کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طلبگار ہوں، ہمارے اور تمہارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہو آپ پر''۔

ادب و فکر سے معمور ایک اور خطبہ کا کچھ حصہ ملاحظہ ہو:

"کہاں ہیں وہ حسین اور پاکیزہ چہرے جن کی جوانی اور شادابی کو دیکھ کر لوگ حیران ہوتے تھے۔ کہاں ہیں وہ بادشاہ جنھوں نے بڑے بڑے شہر بسائے اور ان کو قلعہ بند کیا۔ کہاں ہیں وہ سورما جو میدانِ جنگ میں غالب آتے تھے۔ گردشِ زمانہ نے ان کی قوتیں پست کر دیں، ان کے جوڑ جوڑ الگ ہو گئے اور آج وہ اندھیری قبروں میں پڑے ہیں۔ دوڑو، دوڑو اور عملِ صالح کے لیے جلدی کرو۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام خطبات میں ایک بات تو مشترک ہے کہ امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم صراطِ مستقیم پر گامزن رہے اور اس فکر میں جو اخلاص تھا اس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان میں اثر پیدا کر دیا تھا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر سیدھا دل پر اثر کرتی تھی۔ بلاشبہ آپ بے مثال خطیب تھے۔

☆☆☆

علامہ ظفر محمود مجددی فراشوی صاحب

انٹرویو پینل

عبدالمجید مغل، مولانا محمد گلزار نقشبندی، قاری محمد اسلم ضیائی، ریاضت حسین راجہ

ظفر محمود فراشوی مرکزی جماعت اہل سنت برطانیہ کے صدر ہیں۔ عصری اور دینی علوم میں دسترس رکھنے والے دانشور اور "اسلام اور سائنس" کے حوالے سے منفرد مبلغ ہیں۔ خوبصورت بولتے اور لکھتے ہیں۔ رویت ہلال کے حوالے سے آپ کی رائے کو مشرق اور مغرب دونوں میں اہمیت دی جاتی ہے۔ فراشوی صاحب انگلینڈ رہتے ہیں لیکن ان کا دل پاکستان کے لئے دھڑکتا ہے۔ حال ہی میں ادارہ دلیل راہ کا ایک وفد ان سے ملا ہے۔ گفتگو میں ہم نے چاہا کہ قارئین دلیل راہ بھی شامل ہو جائیں۔ ملاحظہ ہو آپ کیا فرماتے ہیں۔

☆ دلیل راہ: علامہ صاحب آپ کا آبائی علاقہ کون سا ہے اور ابتدائی زندگی کیسے گزری؟

علامہ صاحب: میری زندگی کے ابتدائی ایام اسلام آباد کے گاؤں فراش میں ہی گزرے ہیں۔ آباؤ اجداد گوجر خان کے قریب ایک گاؤں گری راجگان سے تعلق رکھتے تھے۔ بعدازاں یہاں اسلام آباد میں منتقل ہو گئے۔ میری بنیادی تعلیم بھی یہاں اسلام آباد کے ایک قصبہ گری میں ہوئی۔ آٹھویں جماعت تک وہاں تعلیم حاصل کی۔ والد محترم صوفی محمد رمضان ایک متحرک مذہبی شخصیت تھے۔ ان کی روحانی نسبت حضرت خواجہ فضل احمد جلیاری شریف (بانٹھ نزد مندرہ) سے تھی۔ خواجہ فضل احمد کی نسبت حضرت خواجہ احمد علی سے تھی جو کہ حضرت پیر حافظ عبدالکریم عیدگاہ شریف راولپنڈی کے خلیفہ اعظم تھے۔ والد صاحب مسلک اہل سنت پر سختی سے کاربند رہتے اور کبھی کسی بدعقیدہ کو ہرگز اہمیت نہ دیتے تھے۔ مذہبی تقریبات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ آج سے چالیس سال قبل راولپنڈی میں عید میلاد النبی ﷺ کا جلوس شروع ہوا۔ آپ ہمیشہ فراش سے جلوس لے کر راولپنڈی کے مرکزی جلوس میں شرکت کرتے تھے۔ چورہ شریف، موہڑہ شریف، سُندر شریف کے بزرگوں اور حضرت بابا اعلیٰ شاہ جی علیہم الرحمہ سے قریبی تعلق رکھتے تھے۔ گھر کا ماحول ایسا تھا کہ میں خود بخود ہی دینی رنگ میں رنگتا چلا گیا۔

☆ دلیل راہ: تعلیمی مراحل کیسے اور کہاں کہاں طے ہوئے؟

علامہ صاحب: جیسا کہ میں نے اس قبل عرض کیا ہے کہ آٹھویں جماعت تک سکول کی تعلیم کے بعد میٹرک وایف۔ ایس۔ سی راولپنڈی سے کی۔ درس نظامی کی تعلیم کے لئے پیر سیّد عبدالقادر شاہ کے دارالعلوم ٹینچ بھاٹہ راولپنڈی میں داخلہ لیا۔ 1969ء میں داخلہ لیا تھا اور 1976ء میں دینی تعلیم کی تکمیل ہوئی۔

☆ دلیل راہ: گویا آپ نے درس نظامی کی ساری کتب پیر سیّد عبدالقادر شاہ صاحب سے پڑھیں؟

علامہ صاحب: نہیں کچھ دیگر اساتذہ بھی تھے اور کچھ استفادہ شیخ الحدیث مولانا قبلہ محب النبی سے بھی کیا ہے۔

☆ دلیل راہ: آپ ہمیشہ اپنے نام کے ساتھ فراشوی لکھتے رہے ہیں جبکہ اب کچھ عرصہ سے آپ نے مجددی بھی لکھنا شروع کیا ہے اس کی کوئی وجہ؟

علامہ صاحب: دیکھیں فراش تو میرا گاؤں ہے اس نسبت سے فراشوی لکھتا تھا اور لکھتا ہوں اور یہ لفظ مجھے پسند بھی بہت ہے اس لئے کہ زمین کو قرآن مجید نے فرش قرار دیا ہے۔ زمین کی وسعتیں اور اس کی نرمی کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں فراشوی لکھتا ہوں کہ عاجزی اور نرمی مجھے اچھی لگتی ہے۔ باقی رہا معاملہ مجددی لکھنے کا تو میری نسبت سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سے ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ حضرت خواجہ فضل احمد صاحب (جلیاری شریف) سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ سے منسلک تھے اور میری ان سے بیعت ہے۔

☆ دلیل راہ: کیا آپ کو اپنے شیخ خواجہ فضل احمد سے خلافت بھی عطا ہوئی ہے؟

علامہ صاحب: اپنے پیر و مُرشد سے تو مجھے خلافت نہیں ہے البتہ دیگر کئی بزرگوں نے خلافت سے نوازا ہے۔ جن میں چورہ شریف کے پیر کبیر علی شاہ، پیر شبیر علی شاہ اور کچھوچھہ شریف کے حضرت سیّد محمد مدنی میاں مدظلہ العالی وغیرہ نے مجھے باقاعدہ اجازت دی ہے لیکن میری طبیعت لوگوں کو بیعت کرنے کی طرف مائل نہیں ہے۔ سلسلہ ارادت شروع نہیں کیا اور نہ ہی ایسا کوئی ارادہ ہے۔

☆ دلیل راہ: ایک طبقہ کی سوچ یہ ہے کہ علماء کیا جانیں تصوف اور روحانیت کیا ہے اور ایک دوسرا طبقہ یہ کہتا ہے کہ جو عالم نہیں وہ صوفی بھی نہیں ہوسکتا۔ آپ بتائیں کہ تصوف اور علم کا آپس میں کیسا تعلق ہے؟

علامہ صاحب: امامِ مالک نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی فقیہی ہو لیکن صوفی نہ ہو تو اس کے زندیق ہونے کا خطرہ ہے۔ اسی طرح اگر کوئی صوفی ہو اور فقیہی نہ ہو تو اس کے بھی زندیق ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ تصوف تو ہے اصلاح کا نام اور اصلاح کے لئے علم کا جاننا ضروری ہے۔ موجودہ دور انحطاط کا دور ہے۔ موروثی تصوف نے خانقاہوں کے حالات کو بگاڑنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اولاد اہل ہو یا نہ ہو وہ بہر صورت جانشین ٹھہرے گی۔ اگر ہم اسلاف کی تاریخ دیکھیں تو بہت کم نظر آتا ہے بزرگ صوفیاءِ کرام نے اپنی اولاد کو اپنا جانشین بنایا ہو بلکہ اکثر نے جانشین اپنے مریدین میں سے مقرر فرمائے ہیں۔ ہاں اگر اولاد اہل ہو تو یقیناً انہیں جانشین ہونا چاہیے لیکن اگر دینی علوم سے نابلد ہے اور عمل سے بھی خالی ہے پھر ان کو جانشین بنانا تصوف کے نام پر دھوکا اور مریدین کے ساتھ زیادتی ہے۔ اس وقت ہماری خانقاہوں میں بگاڑ کی بنیادی وجہ ہی یہی ہے کہ اکثر و بیشتر سجادہ نشین حضرات دینی علم کے معاملے میں کورے ہیں اور اسی طرح علماء تصوف اور صوفیاءِ کرام سے دور ہیں اور صوفی علماءِ کرام سے کنی کتراتے ہیں۔ ایک طرح سے پیر ہونے کے لئے جاہل ہونا لازمی قرار دیدیا گیا ہے۔ سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی اور دیگر جلیل القدر بزرگانِ دین علماءِ کرام میں سے ہی تھے۔ حضرت داتا علی ہجویری کو دیکھ لیں بلکہ تمام اکابر مشائخ اہل علم میں سے ہی تھے۔ تصوف کے پانچ بنیادی ضابطے ہیں: ۱۔ رابطہ ۲۔ مراقبہ ۳۔ محاسبہ ۴۔ ذکر اور ۵۔ فکر۔ صوفی کے لئے یہ کوالٹی ضروری ہے اور ان سب

امور کیلئے علم چاہیئے۔ سلوک الی اللہ، سلوک فی اللہ، محاسبہ کے لئے بھی علم چاہیئے جیسے حلال وحرام کا علم اسی طرح یہ کہ ذکر کیا ہے۔ نماز، تلاوت قرآن کریم اور اللہ تعالیٰ کے پاک ناموں کا ورد یہ سب ذکر ہے۔ تفکر فی الکائنات۔ اگر صوفی کو علم نہیں تو وہ خود کیا سمجھے گا اور دوسروں کو کیا سمجھائے گا۔ علمِ لدنی کا میں قائل ہوں۔ وہ اسباب سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی عطا ہوتی ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام کا معاملہ اسی نوعیت کا ہے لیکن اگر کسی کے پاس اللہ تعالیٰ کی عطا سے علم ہے تو وہاں کم از کم بگاڑ کا خطرہ نہیں ہوتا لیکن جہاں بگاڑ نظر آئے وہاں معاملات مشکوک ہو جاتے ہیں۔

☆ دلیل راہ: کیا ایسا نہیں کہ آج کے دور میں خانقاہی نظام اپنی اہمیت کھو رہا ہے؟

علامہ صاحب: برصغیر پاک وہند میں خانقاہ کو بدنام کرنے اور اس کے جاندار نظامِ تعلیم کو مفلوج کرنے میں انگریز نے بڑا اہم رول ادا کیا ہے۔ انگریز کے ہندوستان پر قابض ہونے سے پہلے خانقاہ ہی تعلیم وتربیت کا مرکز ہوا کرتی تھی۔ تعلیم بھی وہاں سے حاصل کی جاتی اور روحانی

تربیت کے بھی تمام تر لوازمات وہاں ہی سے مہیا ہوتے تھے۔ تمام اکابر مشائخ اہل علم ہوتے تھے۔ وہ بیک وقت عالمِ دین اور صوفی ہوتے تھے۔ وہ ability, nobelity mobility کی صفات سے متصف ہوتے تھے۔ دشوار ترین سیاسی حالات میں بھی قوم اور ملت کی رہنمائی کرتے تھے۔ اُمت کی اصلاح، اس کے وقار اور اس کی ترقی کے لئے خانقاہی نظام پیش پیش ہوتا تھا، لیکن اب وہ حالات نہیں ہیں۔ انگریز نے علم کو خانقاہ سے الگ کر دیا۔ خانقاہیں قال اللہ وقال الرسول کی صداؤں سے محروم کر دی گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ خانقاہ نشینوں کے انداز زندگی بدل گئے۔ اب دنیا سے الگ تھلگ، گوشہ نشینی ہے یا پھر مال ودولت کے حصول کی دوڑ میں پیش پیش ہیں۔ یاد رکھیں اسلامی انقلاب جب بھی آئے گا خانقاہی نظام کے ذریعہ سے آئے گا لیکن اس مقصد کے لئے ایک پرزور اور مخلصانہ تحریک کی ضرورت ہے جو خانقاہی نظام کی اصلاح کرکے اس میں پھر سے ایک نئی روح پھونک دے۔ اس ضمن میں حضرت مفکرِ اسلام علامہ پیر سیّد ریاض حسین شاہ اور کچھ دیگر دردمند اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ چاہیے کہ خانقاہوں کے لئے ایک ضابطہ اخلاق ترتیب دیا جائے۔ ستم یہ ہے کہ پنجاب اور سندھ کے بعض سجادہ نشیں حضرات نماز تک نہیں پڑھتے۔ بعض ڈاڑھی جیسی سنتِ رسول ﷺ سے محروم ہیں اور سجادہ نشین ہیں اور لاکھوں نہیں و ہزاروں لوگ ان سے وابستہ ہیں۔

☆ دلیل راہ: آپ خانقاہی نظام کی بات کر رہے ہیں کیا ایسے نہیں کہ مجموعی لحاظ سے ہی ہم غیر مسلموں سے دست نگر بن کر رہ گئے ہیں؟

علامہ صاحب: بالکل ایسے ہی ہے۔ ہماری درسگاہوں اور ہماری رسدگاہوں تک ان کا عمل دخل ہے۔ میں آپ کو ایک بہت بڑی سازش سے آگاہ کروں کہ اسلامی دنیا میں ہمیشہ عیدین کے چاند کا تنازعہ رہتا ہے۔ اس کے پسِ پردہ بھی امریکن یہودی لابی کارفرما ہے۔ سعودی عرب کا جو متعلقہ محکمہ ہے جس کے ذمہ چاند طلوع ہونے (brith of moon) کا اعلان کرنا ہے اس میں امریکن سائنسدان گھسے بیٹھے ہیں اور ان کا ایجنڈا یہ ہے کہ مسلمانوں کی کوئی عید اور حج صحیح تاریخوں پر نہ ادا کیا جا سکے۔ اس سازش کے تحت ہمیشہ چاند کے طلوع کے بارے غلط اعلان کیا جاتا ہے۔ قدیم دور کے محدثین نے اس موضوع پر بڑا کام کیا ہے۔ مجھے زمانہ طالب علمی سے ہی اس موضوع سے خاص شغف ہے اور اس موضوع پر میں نے کافی تحقیقی کام کیا ہے۔ 1984ء میں اس موضوع پر میں نے ایک مقالہ تحریر کیا تھا اور اس کے بعد میں مسلسل اس موضوع پر کام کر رہا ہوں۔ میں ثابت کر سکتا ہوں کہ سعودی عرب میں کون کون سی عید اور حج کے موقع پر چاند کے طلوع ہونے بارے غلط اعلانات کئے گئے ہیں۔ یو۔کے میں ہم نے برٹش مسلم فورم بنا رکھا ہے اور عیدین کے چاند کا اعلان ہم خود کرتے ہیں اور اس اعلان کے تحت عیدین منائی جاتی ہیں۔

☆ دلیل راہ: آپ کب سے انگلینڈ میں خطابت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں؟

علامہ صاحب: میں 1978ء میں برطانیہ منتقل ہوا۔ وہاں برمنگھم میں خطابت شروع کی۔ مانچسٹر کی مرکزی جامع مسجد وکٹوریہ پارک میں دو سال خطابت کی۔ اس مسجد کے منتظم راجہ گلزار تھے۔ مفکر اسلام علامہ سید عبدالقادر شاہ بھی سب سے پہلے اسی مسجد میں تشریف لے گئے تھے اور آپ نے وہاں پر ہی دروس شروع کیئے۔ اس وقت یہ مسجد دوسرے عقیدہ کے لوگوں کے پاس تھی بعد میں اہل سنت نے حاصل کرلی۔ بعدازاں میں نے اپنا ایک ادارہ جامعۃ الکریمیہ کے نام سے قائم کرلیا جس میں تعلیم وتربیت کا سلسلہ جاری ہے۔

☆ دلیل راہ: آپ کے جامعہ میں کس قسم نظامِ تعلیم رائج ہے؟

علامہ صاحب: قرآن مجید ناظرہ، تجوید وترجمہ کے ساتھ پڑھانے کا انتظام ہے۔ اس کے علاوہ شارٹ کورسز بھی کروائے جاتے ہیں۔ جن میں عریبک، فقہ کے مختصر المدت کورسز ہوتے ہیں۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات پڑھائی اور سکھائی جاتی ہیں۔ زیادہ تر کورسز انگلش میں ہی پڑھائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر انگلش میں لیکچرز دیتا ہوں جن میں سوال وجواب کا سلسلہ بھی ہوتا ہے۔ مختلف موضوعات پر اسٹڈی سرکلز کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔

☆ دلیل راہ: آپ کے جامعہ کی کلاسز میں حصولِ تعلیم کے لئے صرف ایشین طلبہ ہی رجوع کرتے ہیں یا وہاں کے نومسلم وغیرہ بھی ہوتے ہیں؟

علامہ صاحب: زیادہ تر ایشین ممالک سے تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں۔ نومسلم کی اکثریت شیخ عبدالقادر کی درسگاہ میں جاتے ہیں۔ ان کا اس سلسلہ میں کافی کام ہے۔

☆ دلیل راہ: پاکستانی علماء ومشائخ میں سے دیگر کن حضرات نے برطانیہ میں تعلیمی ادارے قائم کیئے ہیں؟

علامہ صاحب: پیر حبیب الرحمان نے صفۃ الاسلام، پروفیسر عبدالرحمان صدیقی نے حجاز کالج، علامہ رسول بخش سعیدی نے بھی ایک ادارہ قائم کررکھا ہے۔ اسی طرح پیرزادہ امداد حسین نے جامعۃ الکرم کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے جس میں تعلیم وتربیت کا اچھا انتظام ہے۔

☆ دلیل راہ: برطانیہ کے آزادانہ ماحول میں نسل نو کی تعلیم وتربیت ایک آزمائش سے کم نہیں ہے۔ آپ کو اپنی اولاد کے سلسلہ میں کوئی دشواری تو پیش نہیں آئی؟

علامہ صاحب: الحمدللہ مجھے اللہ تعالیٰ نے کسی آزمائش میں نہیں ڈالا۔ میں اپنی اولاد کے حوالہ سے مطمئن ہوں۔ دو بیٹے ہیں، بڑا بیٹا انجینئر ہے جبکہ چھوٹا ابھی کالج میں پڑھ رہا ہے۔ دونوں نے درس نظامی کی تعلیم حاصل کی ہے اور الحمدللہ دونوں متشرع ہیں۔

☆ دلیل راہ: درس وتدریس کے علاوہ آپ کے کیا مشاغل ہیں؟

علامہ صاحب: علماء ومشائخ سے رابطے، دینی مسائل میں بحث مباحثہ اور مطالعہ۔ میرے پاس برطانیہ میں ایک عظیم الشان لائبریری ہے۔ مفکر اسلام قبلہ سید ریاض حسین شاہ صاحب جب برطانیہ تشریف لاتے ہیں تو اکثر میری لائبریری وزٹ کرتے ہیں۔

☆ دلیل راہ: تحریری طور پر کون سا کام پایہ تکمیل تک پہنچا سکے ہیں؟

علامہ صاحب: تحریری طور پر جو بھی کام کیا وہ تاحال غیر مطبوعہ ہے۔ ایک کام میں یہ کیا کہ مسلک اہل سنت کی صداقت وحقانیت کو چودہ سو سالہ تاریخ کے آئینہ میں ثابت کیا ہے۔ اسی طرح رویت ہلال کے موضوع پر معرکۃ الآراء تحقیقی کام کیا ہے۔ دیگر کئی ایک موضوعات پر مقالہ جات بھی ہیں۔ وقت ملا تو مسلک اہل سنت کی صداقت اور رویت ہلال کے موضوعات پر تحریری کام کو شائع کروانے کی کوشش کرونگا۔

☆ دلیل راہ: ایف۔ ایس۔ سی کے بعد آپ نے درس نظامی میں داخلہ لیا اور درس نظامی کی تکمیل کے بعد خطابت شروع فرمادی۔ برطانیہ میں منتقل ہونے کے بعد کیا کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ آپ کو مزید دنیوی تعلیم حاصل کرنی چاہیے تھی؟

علامہ صاحب: درس نظامی کے بعد میں نے پنجاب یونیورسٹی سے گریجوایشن بھی کی ہے۔ تنظیم المدارس سے شہادۃ العالیہ کا امتحان بھی پاس کیا۔ اس لئے مجھے برطانیہ میں کوئی لینگوایج پرابلم نہیں پیش آیا وگرنہ جو علماء دنیوی تعلیم سے نابلد ہوتے ہیں ان کے لئے یہاں ایڈجسٹ ہونا ازحد مشکل ہوجاتا ہے اور پھر یہ بھی کہ وہ یہاں کے ماحول میں کوئی اہم رول بھی ادا نہیں کرسکتے ہیں۔ شروع کے دور میں زیادہ تر ایسے ہی علماء یہاں آئے لیکن اب حالات کافی حوصلہ افزاء ہیں اور اچھے تعلیم یافتہ حضرات برطانیہ میں آرہے ہیں۔

☆ دلیل راہ: برطانیہ میں میں بھی مختلف تنظیمیں سرگرم عمل ہیں۔ آپ کا ان میں کیا کردار ہے؟

علامہ صاحب: میں مرکزی جماعت اہل سنت برطانیہ کا موجودہ صدر ہوں (یاد رہے کہ برطانیہ کی مرکزی جماعت اہل سنت کا الحاق جماعت اہل سنت پاکستان سے ہے)۔ 1980ء میں برطانیہ میں حجاز کانفرنس منعقد کروائی گئی جس میں مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ اس وقت برطانیہ میں جے۔ یو۔ پی بھی قائم کی گئی تھی جس کے ناظم اعلیٰ پیر سید منور شاہ بخاری (گجرات والے) تھے جبکہ میں اس وقت جے۔ یو۔ پی کا صدر تھا۔ اس کے علاوہ دیگر کئی ایک تنظیمیں بھی موجود ہیں مگر جماعت اہل سنت ہی سب سے بڑی تنظیم ہے۔

☆ دلیل راہ: برطانیہ میں مقیم مسلمانوں کی نئی نسل پر وہاں کا ماحول کس حد تک اثر انداز ہو رہا ہے؟

علامہ صاحب: سکول کسی بھی کمیونٹی میں بنیادی درس گاہ ہوتی ہے۔ وہاں کے نصاب تعلیم اور نظام تعلیم میں ظاہر ہے ہماری کوئی مداخلت نہیں ہو سکتی لہٰذا اس معاملہ میں ہم بے بس ہیں کہ جو کچھ بچوں کو سکولوں میں پڑھایا جاتا ہے وہ انہیں پڑھنا ہے۔ اس کے بعد ٹی۔ وی ہے جو بچوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ والدین اگر توجہ دیں تو ٹی۔ وی کی حد تک بچوں پر چیک رکھ سکتے ہیں۔ اب آہستہ آہستہ ہمارے اپنے کئی ایک تعلیمی و تربیتی ادارے وجود میں آ گئے ہیں۔ اسٹڈی سرکلز قائم ہو گئے ہیں۔ والدین نے حالات کی سنگینی کا اندازہ کر لیا ہے تو ایسے میں ہمیں وہ خطرات نہیں ہیں جو یہاں پاکستان میں لوگ بیٹھ کر تصور کر رہے ہیں بلکہ میں تو کہوں گا کہ برطانیہ کی نسبت پاکستان کی نوجوان نسل زیادہ بے راہرو ہے۔ اسلامی دنیا کے نوجوانوں سے وہاں کا نوجوان مقابلتاً بہتر ہے۔ مسلمانوں کی ثقافت کا وہاں کی کمیونٹی پر بڑے مثبت اثرات ہوئے۔ وہاں کی پارلیمنٹ میں ہمارے لوگ پہنچ گئے۔ چھ سے زیادہ لارڈز، دو وزیر، پانچ چھ ممبرز پاکستانی ہیں بلکہ مسلمانوں کی آبادی اور اثر و رسوخ اس قدر ہے کہ انگریز ممبرز پارلیمنٹ بھی الیکشن جیتنے کیلئے اور اپنی پالیسیز پر تائید لینے کے لئے پاکستانی کمیونٹی سے رابطہ رکھتے ہیں۔

☆ دلیل راہ: گذشتہ چند سالوں بالخصوص نائن۔ الیون کے بعد امریکہ اور یورپین ممالک نے مسلمانوں پر دہشت گردی کا لیبل چسپاں کر دیا۔ ایسے میں برطانیہ میں بسنے والوں مسلمانوں کو کن مسائل کا سامنا کرنا پڑا؟

علامہ صاحب: نائن الیون کے بعد یورپ کے دیگر ممالک کی طرح برطانیہ کے مسلمانوں کو بھی مشکل حالات درپیش آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ نائن۔ الیون کا واقعہ یہودی لابی کا ایک سوچا سمجھا منصوبہ تھا جس کا مقصد مسلمانان عالم کو بدنام کرنا اور ان پر دہشت گرد ہونے کا لیبل لگا کر غیر مسلم اقوام کو یہ باور کرانا تھا کہ مسلمان ساری دنیا کے امن کے لئے سنگین خطرہ ہیں حالانکہ خود امریکہ کو ابھی تک ثابت نہیں کر سکا کہ کون سا گروہ اس میں ملوث تھا۔ ایک منصوبہ بندی کے تحت القاعدہ کا نام لیا گیا ہے۔ یورپ کے مختلف ٹی۔ وی چینلز پر دنیا کے نامور ماہرین تعمیرات (Architectures) نے یہ کہا ہے کہ جس طرح ورلڈ ٹریڈ سنٹرز زمین بوس ہوا ہے جہاز ٹکرانے سے بلڈنگ ایسے نہیں گرتی۔ جس طرح بلڈنگ زمین پر آئی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بلڈنگ کی بنیادوں میں کوئی بارودی مواد وغیرہ نصب کیا گیا۔ اگر جہازوں کے ٹکرانے سے بلڈنگ نے گرنا تھا پھر ساری کی ساری بلڈنگ ایک سمت کو گرتی نہ کہ اپنی ہی بنیادوں پر اور یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ جہاز بھی اصل نہیں بلکہ ڈمی تھے۔ مسلمانوں کے خلاف جو پروپیگنڈہ ہوا سو ہوا لیکن خود امریکن اور دیگر یورپین عوام نے بھی اس بارے میں امریکی ایجنسیوں کی رپورٹس کو رد کر دیا۔ اس ڈرامہ کے تینوں مرکزی کردار بش، بلیئر اور مشرف سب عوام کی نفرت اور غیض و غضب کا نشانہ بنے۔ اس حادثہ اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ جو کتاب چھپی اور فروخت ہوئی وہ قرآن مجید تھا۔ اس کے بعد یورپ میں بسنے والے مسلمان نوجوانوں میں دینی رجحان بھی بڑھا ہے۔

☆ دلیل راہ: میڈیا میں کچھ اس قسم کی رپورٹیں شائع ہوتی رہتی ہیں کہ یورپ اور بالخصوص برطانیہ میں پاکستان سے تعلق رکھنے والے مشائخ اپنے طرز عمل کی وجہ سے لوگوں میں متنازعہ ہیں اور پیری مریدی اور تعویزات کو ایک بزنس کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ حقیقت حال کیا ہے؟

علامہ صاحب: پہلی بات تو یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ میڈیا میں چھپنے والی ہر رپورٹ صداقت پر مبنی ہو۔ برطانیہ میں اسلام کی اشاعت میں علماء و مشائخ کی بڑی خدمات ہیں۔ غلط فہمی یہ ہے کہ میڈیا عاملین کو بھی مشائخ میں شمار کر لیتا ہے، حالانکہ مشائخ اور عاملین دو مختلف طبقات ہیں۔ عاملین پیسے لے کر تعویزات و عملیات کرتے ہیں اور سادہ لوح لوگوں کو لوٹتے ہیں۔ ایک ایک تعویز کا دو دو ہزار پونڈ لیتے ہیں۔ چونکہ ان لوگوں

نے مذہبی لبادہ اوڑھ رکھا ہے اس لیئے ان کے کالے کرتوں کی وجہ سے صحیح العقیدہ اور پاکیزہ صفت مشائخ بھی بدنام ہو جاتے ہیں۔

☆ وکیل راہ: اہل سنت پاکستان کی موجودہ سیاسی حالت پر کیا تبصرہ کریں گے؟

علامہ صاحب: پاکستان میں اہل سنت کی سیاست انتہائی کسمپرسی کی حالت میں ہے۔ تمام تر عالمی سامراجی طاقتیں پاکستان کو عدم استحکام سے دوچار کرنے کے لئے باہم متحد ہیں۔ ان کے ایجنڈے کے تحت افغانستان سے طالبان کی حکومت ختم کی گئی۔ پاکستان کے قبائلی علاقوں اور سوات، مالاکنڈ وغیرہ میں شورش پیدا کی گئی۔ مزارات پر حملے دانستہ کروائے گئے۔ علماء ومشائخ اہل سنت کو سرحد میں شہید کروایا گیا۔ یہ سب کچھ دراصل اس پلان کا حصہ ہے جس میں اسلام اور پاکستان دشمن عناصر یہ چاہتے ہیں کہ اہل سنت کو اشتعال دلا کر انہیں سرحد کے طالبان سے لڑوا دیا جائے اور یوں پورا پاکستان خانہ جنگی کی لپیٹ میں آ جائے۔ اسی لئے اہل سنت کی صفوں میں سے کچھ نے ہتھیار اٹھانے اور طالبان پر چڑھائی کر دینے کی باتیں کی ہیں اور اگر ایسا کیا گیا تو یہ یقیناً امریکن ایجنڈے کی تکمیل ہی سمجھا جائے گا۔ ان نازک حالات میں میری حقیر رائے یہ ہے کہ اہل سنت امن معاہدہ کی مخالفت نہ کریں بلکہ حکومتِ وقت سے اپنے حقوق کے تحفظ، سرحد میں اپنی مساجد، مدارس کا تحفظ اور وہاں کے قاضی عدالتوں اور دیگر اداروں میں اہل سنت کی نمائندگی کے مطالبات کریں۔ موجودہ موقف سے لادین طبقہ کو قوت مل رہی ہے اور وہ طالبان کی مخالفت کی آڑ میں نظامِ شریعت کی مخالفت کر رہا ہے۔ اس سازش میں این۔ جی۔ اوز بھی شامل ہیں۔ ایک اور بات بھی سوچنے کی ہے کہ اس وقت جو یہودی لابی اس ایجنڈا پر کام کر رہی ہے انہیں اس سے کوئی تکلیف نہیں کہ مسلمان نمازیں پڑھیں، ڈاڑھیاں بڑھائیں اور مسجدیں تعمیر کریں بلکہ انہیں اگر تکلیف ہے تو نظامِ شریعت اور دین اسلام سے ہے۔ وہ چاہتے یہ ہیں اسلامی نظام دنیا میں کہیں بھی عملی طور نافذ نہ ہو۔ امریکہ سمیت تمام غیر مسلم ممالک کی ایران سے مخالفت کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہاں مذہبی طبقہ برسرِ اقتدار ہے۔ اہل سنت فتنہ پرور عناصر کی مخالفت ضرور کریں لیکن حکمت کے ساتھ کہ کہیں انہیں بے خبری میں خانہ جنگی میں نہ جھونک دیا جائے۔ جس سے اہل سنت کا نقصان ہو اور پاکستان کا بھی، لہٰذا ہمارا ایجنڈا اپنے حقوق کا تحفظ، پاکستان کی سلامتی اور نظامِ اسلام کو قوت دینا ہونا چاہیے۔

☆ وکیل راہ: دینی مدارس میں بالخصوص تنظیم المدارس کے تحت درسِ نظامی کا جو مروّج نصاب پڑھایا جا رہا ہے اس کے بارے میں آپ کا کیا نقطہ نظر ہے؟ کیا جدید دور کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس میں کسی تبدیلی وترمیم کی ضرورت ہے؟

علامہ صاحب: دینی مدارس کے نصاب میں جدید دور کی ضروریات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تبدیلی کا عمل جاری رہنا چاہیئے۔ تنظیم المدارس اہل سنت کے ناظمِ امتحانات مولانا غلام محمد سیالوی اور تنظیم کے ناظمِ اعلیٰ ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی سے میری اس سلسلہ میں ملاقات ہوئی ہے۔ میں نے اپنے ذہن کے مطابق انہیں کچھ تجاویز دی ہیں۔ انہوں نے بھی اس ضمن میں مثبت تبدیلیوں کا عندیہ دیا ہے۔ ہمارے علماءِ کرام اس بات کا بخوبی ادراک رکھتے ہیں اور انہیں احساس ہے کہ مناسب تبدیلیاں ہونی چاہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ حکومت کی خواہش ہے کہ دینی مدارس کے نصاب میں ریاضی انگلش وغیرہ شامل کی جائیں۔ یہ خواہش تو غلط نہیں ہے لیکن اس وقت حکومت کو دینی مدارس کے نصاب کی فکر کیوں کھائے جا رہی ہے۔ دراصل یہ خواہش امریکہ کی ہے اور اس حوالے سے امریکہ سارے عالمِ اسلام پر اثر انداز ہو رہا ہے حتیٰ کہ سعودی عرب کے تعلیمی اداروں میں مروّج نظام پر بھی اپنے تحفظات کا اظہار کیا ہے۔ انہیں کہا گیا ہے کہ نصاب سے جہاد سے متعلقہ آیات واحادیث کو خارج کیا جائے۔ حدود قوانین کو ترک کی جائے اور ہماری حکومت بھی اسی ایجنڈے پر کاربند ہے اور بتدریج اس ایجنڈے پر عمل درآمد کیا جا رہا ہے۔ آپ دیکھیں کہ جتنے بھی ٹی۔ وی چینلز ہیں خواہ وہ حکومتی عملداری میں ہیں یا پرائیویٹ ان میں مذہب کے نام پر ہونے والے تمام پروگراموں میں ایسے اسکالرز کو بلوایا جاتا ہے جو نہ صرف یہ کہ آزاد خیال ہیں بلکہ اسلام کی حقیقی روح مسخ کر رہے ہیں۔ ان میں سے سرِ فہرست جاوید غامدی ہے۔ میں عرض کروں کہ دینی مدارس کے نصاب میں تبدیلی وغیرہ کے حوالے سے یہ بات تو طے شدہ ہے کہ اصولِ حدیث، اصولِ تفسیر اور اصولِ فقہ وغیرہ کے مضامین تو بہر صورت رہنے چاہیئے البتہ زمانہ حاضر کی ضروریات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے چند مضامین کا اضافہ کیا جا سکتا ہے جیسے ریاضی، دنیائے اسلام کی قدیم وجدید تاریخ، سیاسیات، انٹرنیٹ، انگلش اور تقابلِ ادیان وغیرہ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دینی تعلیم کے ساتھ جدید تعلیم کے حامل علماءِ کرام کا ویژن ہی مختلف ہوتا ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ جو سیاستِ حاضرہ کو نہیں جانتا وہ عالم کہلانے حقدار ہی

نہیں ہے لہٰذا اس طرف توجہ کی ضرورت ہے اس لئے نہیں کہ حکومت کہہ رہی ہے بلکہ اس لئے کہ حالات کا تقاضا ہے۔

☆دلیل راہ: موجودہ دور میں جہاں اور بہت سی قباحتیں ہمارے اندر در آئیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ طریقت کے مختلف سلاسل سے وابستہ لوگوں میں تعصب پروان چڑھتا جارہا ہے۔ آپ کے نزدیک اس کا حل کیا ہے؟

علامہ صاحب: تصوف تو نام ہے احسان، اخلاص اور ادب کا۔ اس میں حسد، عناد، نفرت اور تفریق کا کوئی عمل دخل ہی نہیں ہے۔ الحب لله والبغض لله۔ محبت بھی اللہ کے لئے اور نفرت و عداوت بھی اللہ کے لئے۔ جب تعلق کی بنیاد اللہ کی رضا ہے تو پھر تعصب کیسا، لہٰذا اس قسم کے تعصب کی تصوف میں ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہے۔

☆دلیل راہ: اپنے دور کے خطباء کو آپ کس طرح دیکھتے ہیں جبکہ آپ خود بھی ایک کامیاب خطیب اور مقرر ہیں؟

علامہ صاحب: اچھا خطیب وہی ہوتا ہے جو اپنی بات کو دلائل و براہین سے مزین کرکے ابلاغ کرسکے اس لحاظ سے علامہ سید عبدالقادر شاہ، علامہ سید ریاض حسین شاہ، علامہ سید عرفان شاہ اور مفتی محمد اقبال چشتی سے میں متاثر ہوں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ وہ حضرات ہیں جو اپنی بات کو سامعین تک پہنچانے کا سلیقہ اور طریقہ رکھتے ہیں۔

☆دلیل راہ: زندگی کا کوئی ایسا سفر جسے آپ بھلانا بھی چاہیں تو نہ بھلا سکیں؟

علامہ صاحب: یادگار سفر تو حضور ﷺ کے شہر نور کا تھا۔ ۱۹۸۹ء میں مجھے اللہ تعالیٰ نے مدینہ شریف حاضری کی توفیق سے نوازا۔ اس سفر سے جو یادیں وابستہ ہیں وہ کبھی بھی نہیں بھول سکتا ہوں۔

☆دلیل راہ: آپ نے غالباً پاکستان میں بہت کم وقت گزارا ہے لیکن کیا کبھی پاکستان میں سیاسی یا مذہبی تحریک میں حصہ لینے اور جیل یاترا کا تجربہ بھی ہوا؟

علامہ صاحب: ختم نبوت کی تحریک ۱۹۷۳ء میں چلی۔ میں اس وقت گوجر خان میں خطابت کیا کرتا تھا۔ اس تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور گرفتاری بھی ہوئی۔ تحریک نظامِ مصطفیٰ ﷺ میں بھی حصہ لیا اور پھر جیل کی ہوا بھی کھائی دیگر بہت سے لوگوں کی طرح راجہ ظفر الحق اس تحریک کے دوران جیل میں ہمارے ساتھ ہی تھے۔

☆دلیل راہ: کیا شاعری سے بھی کوئی شغف ہے؟

علامہ صاحب: شعر و شاعری تو زمانہ طالب علمی سے ہی ہو رہی ہے۔ جب میں ایف۔ ایس۔سی پڑھتا تھا ہمارے کالج کے ایک پروفیسر ہر جمعہ کو اپنے پیریڈ کے دوران مجھ سے غزل سنانے کی فرمائش کرتے۔ میں صنف غزل میں ہی طبع آزمائی کرتا تھا۔

☆دلیل راہ: اپنے زمانہ طالب علمی کا کوئی شعر جو آپ سنانا چاہیں؟

علامہ صاحب:

دل کی دنیا میں تلاطم اور طوفان زلزلے
یاد جیسے پھر ظفر کو تلخیاں آنے لگیں

☆دلیل راہ: آپ کا پسندیدہ شاعر؟

علامہ صاحب: فارسی میں حافظ اور مولانا روم، اردو میں میر تقی اور غالب، انقلابی شاعری میں علامہ محمد اقبال، پنجابی میں میاں محمد اور پیر مہر علی شاہ، عربی میں حضرت حسان اور سیدنا حیدر کرار جبکہ اردو نعت میں اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی کا کلام پسند ہے۔ میرے پاس دیوان حسان، دیوان حیدر کرار اور دیوان امام شافعی موجود ہیں۔

☆دلیل راہ: لباس کے رنگ کے معاملہ میں آپ کی پسند کیا ہے؟

علامہ صاحب: رنگ تو سب سے زیادہ سفید ہی پسند ہے لیکن کریم اور بلیو رنگ بھی پہن لیتا ہوں۔

☆دلیل راہ: خوشبو کون سی دل کو بھاتی ہے؟

علامہ صاحب: گلاب کی خوشبو میری پسندیدہ ہے۔

☆دلیل راہ: اگر لمبا سفر کرنا پڑے تو دن کا سفر پسند کرتے ہیں رات کا؟

علامہ صاحب: رات کے وقت سفر کو ترجیح دیتا ہوں ایک تو اس لئے کہ رات کے وقت نمازوں کی فکر نہیں رہتی سوائے ایک آدھ کے اور دوسری وجہ یہ کہ رات کا سفر سکون سے طے ہوتا ہے۔

☆دلیل راہ: بعض علماء کرام قراقلی کیپ بڑے شوق سے سر پہ رکھتے ہیں۔ آپ کو بھی دیکھا گیا ہے کہ اکثر آپ قراقلی ٹوپی ہی استعمال فرماتے ہیں۔ اس کی کوئی خاص وجہ؟

علامہ صاحب: ایک دور میں قراقلی ٹوپی تقریباً سارے ہی علماء کرام استعمال کیا کرتے تھے لیکن اب رواج ذرا کم ہوگیا ہے۔ میں عمامہ بھی باندھتا ہوں۔ اکثر جمعہ وعیدین اور نمازوں کی امامت کے مواقع پر عمامہ باندھتا ہوں۔

☆☆☆

امیر المومنین خلیفہ اول حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

نائب مصطفیٰ ﷺ

پیر سید خضر حسین شاہ چشتی

زبدۂ عاشقاں ، نائب مصطفےٰ ﷺ
جس کو ہے لقب صدیق اکبر ملا
جس کے صدق وصفا کا ہے قرآن گواہ
اس کے صدق وصداقت کی کیا بات ہے

جانشین رسول ﷺ، اداشناس مزاج نبوت، واقف رموز حقیقت، نائب مصطفیٰ، حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، امام اصحاب رسول، صدق وصفا کے پیکر اور فراست وبصیرت کا اعلیٰ ترین مجسمہ تھے، آپ بلند ظرف، عالی وقار، غیور اور تقویٰ شعار تھے، مجاہد و غازی، زاہد و عابد اور شعب زندہ دار تھے، آپ روشن ضمیر، پاک طینت، صاف دل نشۂ عشق رسالت مآب میں سرشار، غریبوں، بے کسوں کے غم گسار اور اسرار بزم قدس کے محرم، صبر واستقامت کے پیکر، پاکیزہ مزاج، خوش اخلاق تھے۔ آپ کے دل میں خشیت الٰہی، آنکھوں میں مروت، بنی نوع انسان سے محبت، جذبات میں تقوائے وطہارت، اخلاق میں فیاضی وہمدردی اور منہیات ومحرمات سے فطرتاً متنفر تھے۔ غریبوں کی امداد فرماتے، غلاموں کو خرید کر آزاد فرما دیتے، آفت زدوں، ستم رسیدوں اور مظلوموں کی اعانت میں مشغول رہتے۔ معراج النبی ﷺ کی تصدیق کفار کے مجمع میں آپ ہی نے سب سے پہلے فرمائی۔ ہجرت میں رفیق اور غار میں (ثانی اثنین اذھما فی الغار) کے مصداق آپ ہی تھے۔ حضور ﷺ علالت میں امامت کے لئے آپ ہی کو منتخب فرماتے۔ آپ نے کفار ومشرکین کے ہاتھوں سخت ترین مصائب وشدائد اٹھا کر متاع ایمان کی حفاظت کی۔ شریروں اور سرکشوں سے ٹکرا کر دین حق کی سطوت وعزت برقرار رکھی۔ عظمت اسلام اور ناموس رسالت کی خاطر آپ نے بیش بہا قربانیاں پیش کیں اور صبر آزما مصائب برداشت کئے۔

مٹایا آپ ہی کے صدق نے باطل کو دنیا سے
سبحان اللہ! وہ عہد وفا صدیق اکبر کا

کوہِ استقامت

امام الانبیاء علیہ التحیہ والثناء کے وصال کے فوراً بعد حالات نے تشویش ناک رخ اختیار کر لیا جو اہل اسلام کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا۔ رحلت رسول ﷺ کی خبر سننے کے بعد کفار ومنافقین کے حوصلے بڑھ گئے۔ ضعیف الایمان لوگ دین اسلام سے پھرنے لگے، مسلمانوں کے دل فرقت رسول ﷺ کے باعث شکستہ اور بے تاب ہو گئے۔ سازشی گروہ نے اسلام کا شیرازہ بکھیرنے اور عقیدتوں کے گلشن کو تاراج کرنے کے لئے خفیہ میٹنگز شروع کر دیں۔ مصائب وآلام اور دشواریوں کے اس ہجوم کے پیش نظر ارباب ودانش نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جناب میں یہ عرض کیا کہ اے خلیفۃ الرسول ﷺ ان نازک ترین حالات میں لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کرنا مصلحت کے منافی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا اس وحدہ لاشریک کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جس لشکر کو رسول اللہ ﷺ نے روانہ فرمایا اس کی روانگی ہرگز نہیں رک سکتی جو علم رسول خدا نے باندھا ہے۔ وہ ہرگز نہ کھلے گا۔ آپ کے پائے استقامت میں ذرہ بھر بھی لغزش نہ ہوئی اور استقلال بے مثال میں لمحہ بھر کے لئے بھی فرق نہ آیا۔ چنانچہ جانشین مصطفےٰ ﷺ نے اسی حالت میں جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرما دیا۔ جس سے بہت ہی بہتر نتائج برآمد ہوئے۔

حضور ﷺ کے وصال پر ملال کی خبر جب اطراف مدینہ میں پہنچی تو عرب کے کئی قبیلے مرتد ہو گئے اور کئی قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان سے قتال کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے وقت کی نزاکت کے لحاظ سے یہ مشورہ دیا کہ اس وقت جنگ کے لئے ہتھیار نہ اٹھائے جائیں۔

لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے ان کے اس مشورہ سے اتفاق نہ کیا۔ مرتدین اور منکرین زکوٰۃ کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر ترتیب دیا اور اپنے ساتھ مہاجرین وانصار کو لے کر مدینہ شریف سے روانہ ہوئے اور جب سرزمین نجد کی بلندیوں پر پہنچے، تو نجدی مرتدین بھاگ کھڑے ہوئے۔ بعد میں آپ رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو فوج کا امیر مقرر فرمایا اور خود مدینہ شریف واپس تشریف لے آئے۔ خدائے بزرگ وبرتر نے انہیں فتح اور نصرت عطا فرمائی اور ایک بہت بڑا فتنہ دب گیا۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ رضی اللہ عنہ کی تدبیر واصابت رائے کے معترف ہو گئے انہیں بعد میں معلوم ہو گیا کہ اگر اس وقت ذرہ بھر بھی کمزوری دکھائی جاتی تو مملکت اسلامیہ کا نظم ونسق درہم برہم ہو جاتا اور عرب کے مختلف قبائل کے اندر باغیانہ سوچ جنم لیتی۔ اسلامی قوانین وآئین اور ضوابط وقواعد کی خلاف ورزیوں کی جرأت کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ بھی تھا اور اسلامی افواج کی تنظیم کا شیرازہ بکھر جانے کا بھی ڈر تھا۔

نجدی مرتدین فتنہ گروں کا قلع قمع کرنے کے بعد اسی سال کے آخر میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنی فوج کو لے کر یمامہ کی جانب روانہ

''کسی بوڑھے، بیمار، عورت یا بچے کو قتل نہ کیا جائے، راہبوں اور گوشہ نشینوں سے تعرض نہ کیا جائے اور ان کی عبادت گاہوں کا تحفظ کیا جائے۔ کسی کی آنکھ، کان، ناک وغیرہ نہ کاٹے جائیں۔ سایہ دار اور پھل دار درخت نہ کاٹے جائیں، باغوں اور فصلوں کو تباہ نہ کیا جائے۔ بستیوں کو تباہ و برباد نہ کیا جائے۔ معاہدوں کا ہر حال میں احترام کیا جائے اور جو لوگ اطاعت قبول کر لیں ان کی جان و مال کا پورا تحفظ کیا جائے اور ان کو مسلمانوں کی طرح پورے پورے حقوق انسانی دیئے جائیں'۔

جنگ کے ان مہذب اور شریفانہ اصولوں کو دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کی مومنانہ بصیرت اور شرافت کا اندازہ لگائیے۔ یہ سب حضور رسالت مآب ﷺ کے فیضان صحبت کی برکت تھی اور تعلیم نبوت کا اثر تھا۔

اسوہ صدیق اکبر ﷺ:

آپ بہت سخی اور فیاض تھے۔۔۔ غرباء و مساکین کی عیادت آپ کی عادت تھی۔ بہت کچھ کمایا لیکن سب کچھ خدا کی راہ میں لٹایا۔

آپ بہت بردبار۔۔۔ رحیم۔۔۔ حلیم تھے لیکن دین کی راہ میں صاحب استوار اور کوہ وقار تھے۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

اپنے دور خلافت میں خزانہ میں مال جمع نہ ہونے دیا، بلکہ بیت المال کا سب مال مستحقین میں تقسیم کر دیا اور تعمیری فلاحی منصوبوں پر صرف فرمادیا۔

آپ کی شب بیداری:

آپ شب بیدار تھے اور راتوں کو عبادت کے لئے کھڑے رہتے۔ تلاوت قرآن کے وقت شدت رقت سے چہرہ آنسوؤں سے تر رہتا، رقیق القلب ہونے کے باوجود ہر نازک اور کڑے وقت میں رفاقت و خدمت نبوت کی ذمہ داریوں کو بطریق احسن ادا فرمایا۔ ہجرت میں۔۔۔ غار میں۔۔۔ بدر میں، احد میں۔۔۔ حنین میں، سائے کی طرح سرکار ﷺ کے ساتھ رہے اور فرمانبرداری، اطاعت و مودت کا ایک اعلیٰ ترین معیار قائم فرمایا۔

بیت المال کا اثاثہ تقسیم کرتے وقت مرد۔۔۔ عورت۔۔۔ آزاد۔۔۔ غلام۔۔۔ چھوٹے اور بڑے سب سے یکساں سلوک فرماتے۔

فتنوں کا قلع قمع:

داخلی اور خارجی فتنوں کا قلع قمع ہوگیا۔ مرتدین کو شکست فاش ہوئی۔۔۔ عمل زکوٰۃ پوری طرح کارفرما ہوگیا۔۔۔ روم اور ایران کی دو بڑی طاقتوں کو اسلام نے بیک وقت نیچا دکھایا لیکن اس سیاسی استحکام کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی ذہنی تربیت اور تبلیغ کا کام بھی جاری رہا۔

قرآن پاک کی ترتیب:

جنگ یمامہ میں جب بہت سے حفاظ شہید ہوگئے تو اکابر صحابہ نے حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کو مشورہ دیا کہ قرآن کو حضور ﷺ کی ارشاد شدہ ترتیب کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔

چنانچہ حضرت زید بن ثابت ﷺ کو جو مدنی سورتوں کی ترتیب کا کام سرور عالم ﷺ کی زیر ہدایت کر چکے تھے، اس اہم کام پر مقرر کیا گیا اور انہوں نے یہ کام بطریق احسن انجام دیا اور قرآن حکیم حضور ﷺ کی ہدایت کے مطابق اسی ترتیب کے ساتھ مکمل ہوا۔ قرآن حکیم کی ابدی حفاظت کا کام مکمل ہوگیا۔ اسی مصحف کی نقول حضرت عثمان ﷺ نے اپنے دور خلافت میں مختلف علاقوں کو ارسال فرمائیں۔

دور جاہلیت میں بھی پاکباز تھے:

دور جاہلیت میں بھی ابوبکر صدیق ﷺ خوش اخلاق اور پاکباز تھے۔ سخاوت۔۔۔ شجاعت۔۔۔ مروت۔۔۔ شرافت اور ذہانت کا ایسا حسین امتزاج تربیت نبوت کا عظیم شاہکار تھا۔

فیضان نبوت ﷺ نے صدیق ﷺ کو کمال تک پہنچا دیا۔ محبت و معیت نبوت نے انہیں بدر صفات نبوت بنا دیا۔

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے محبت اور مودت رسول کی ایسی نادر مثال قائم کی جو رہتی دنیا تک اپنی انفرادیت اور عظمت میں یکتا و جداگانہ رہے گی۔

سوال و جواب:

سوال: صاحبزادہ صاحب! حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کے زمانے میں بعض اصلاحات ہوئی تھیں ان کے بارے میں بتائیں؟

جواب: جہاں تک اصلاحات کا تعلق ہے میرے مقابلے میں کچھ چیزوں کی طرف اشارہ ہوگیا ہے مثلاً یہ کہ بڑی بہیمانہ اور وحشیانہ جنگیں لڑی جاتی تھیں لیکن حضرت ابوبکر صدیق ﷛ نے ان جنگوں کو اتنا مہذب کر دیا، کہنے والے کہتے ہیں شاید زار روس نے 1801ء میں جنگ کی ایک کمیٹی بنائی تھی جس میں ضابطۂ اخلاق جنگ کے لئے مرتب ہوا لیکن یہ امر حق ہے کہ وہ تاریخ کے اس عظیم واقعہ کو بھول گئے۔

سیدنا صدیق اکبر ﷛ کا خطبہ اس بات کا گواہ ہے اور آپ کا فرمان تحریری طور پر موجود ہے کہ جس میں آپ نے اپنی فوجوں کو ہدایت کی کہ راہبوں کو، پادریوں کو، بوڑھوں کو نہ چھیڑا جائے۔ جو معبد ہیں خواہ کلیسا ہو یا مسجد ہو اس کا احترام کیا جائے۔ فصلیں نہ کاٹی جائیں، اپاہجوں اور غریبوں پر حملہ نہ کیا جائے اور سب سے اہم بات یہ کہ جو اقلیت مفتوح ہو جائے اس کو وہی حقوق دیئے جائیں جو اسلامی مملکت میں مسلمانوں کو دیئے جاتے ہیں اور ان کی پوری حفاظت کی جائے۔

مال کی تقسیم:

دوسری بات یہ تھی جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے مساوات کے مطابق مال کو تقسیم کیا۔ اس میں کسی کی ضرورت اس کی رہائش کے معیار کے مطابق پوری نہیں کی جاتی تھی بلکہ بطور ایک انسان کے بڑا ہو یا چھوٹا، ادنیٰ ہو یا اعلیٰ اس کو یکساں مال دیا جاتا۔

یہ اسلام کے اقتصادی نظام کا بہت بڑا اصول تھا۔

مساوات کا اصول:

ایک اور بڑی بات جو میں سمجھتا ہوں مساوات اور اخوت اور اخلاق مصطفےٰ یہ ہے کہ جو خلیفۃ المسلمین ہو وہ نہ قانون ساز مطلق بن سکتا ہے اور نہ غیر مشروط حاکم بن سکتا ہے۔

☆☆☆

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

عشق کی راہوں میں

لیاقت علی مفتی

دردِ محبت اور سوزِ عشق کسی کی میراث نہیں یہ خدائی عطیہ ہے۔ رب جسے چاہتا ہے اس متاعِ بے بہا سے نواز دیتا ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ دردِ محبت جسے نصیب ہو جائے اس کی خو بو عام انسانوں سے بالکل مختلف اور الگ تھلگ ہوتی چلی جاتی ہے۔ وہ اپنے جیسے انسانوں میں رہتے ہوئے بھی ان سے منفرد و ممتاز دکھائی دینے لگتا ہے۔ اضطرابِ محبت اور بیقراریٔ دل کی بدولت اس کی نگاہوں کا مرکز جمالِ محبوب ہی بن کے رہ جاتا ہے۔ اس کے دل کی دھڑکنیں کسی کی امانت بن جاتی ہیں اور اس کی سانسیں محبوب کی یادوں کی حدی خوانی کرنے لگتی ہیں۔ وہ سوچتا ہے تو حسنِ یار کے بارے میں۔۔۔۔ اس کے لب کھلتے ہیں تو تذکرہ محبوب کے لیے۔۔۔۔ وہ آنکھ بند کرتا ہے تو تصورِ محبوب میں۔۔۔۔ اور آنکھ اُٹھاتا ہے تو دیدارِ یار کے ذوق میں۔۔۔۔ اس کا اُٹھنے والا ہر قدم اسی منزل کا متلاشی ہوتا ہے جس کی نسبتیں اس کے مطلوب و مقصود اور محبوب و معشوق سے ہو جائیں اور پھر اس حقیقت سے بھی کسے انکار ہو گا کہ دردِ دل کے ان جذبوں کی غذا اگر زیارت "رُخِ والضحیٰ" بن جائے تو پھر بندہ اس دھرتی کا بندہ نہیں رہتا، لاہوتی سیاح بن جاتا ہے، چونکہ سوز دروں کی اس بے مثل دولت کو زوال نہیں لہٰذا اس درد کا حامل "دردی" بھی بدلتی صدیوں، گزرتے زمانوں، بیتتے لمحوں اور پیچ و تاب کھاتے لحظوں کی حدوں سے ماورای ہو جاتا ہے۔

جذب و سوز کی انہی لطافتوں نے ہمارے ممدوح و محبوب سیدنا صدیق اکبرؓ کو امام العاشقین بھی بنا دیا اور راہنمائے محبین ہونے کی عظمتوں سے بھی نوازا۔ روایات و آثار کی گواہیاں نہ ہوتیں تو بھی "حضرت صدیقؓ" کی بارگاہِ رسالت ﷺ میں قبولیت ہی ان کے عشق بے مثل کی سب سے بڑی دلیل تھی مگر اس پر مستزاد عشقِ صدیقی کے حوالے سے روایات و آثار کی کثرت تو یقیناً پڑھنے والوں کو بھی سوز دروں کی کیفیات سے مالا مال کر دیتی ہے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کے اس جملے پر تو کائنات وارنے نثارنے کو دل کرتا ہے کہ "چہرہ مصطفےٰ کا ہو اور نگاہیں ابوبکر کی، زندگی اسی میں بیت جائے" قاضی عیاض مالکی نے شفا شریف میں واقعہ کچھ یوں بیان کیا کہ ایک مرتبہ اصحابِ رسول ﷺ کی محفل سجی۔ سیدنا صدیق اکبرؓ بھی اس محفل کی رونق تھے۔ صحبتِ رسول علیہ السلام کے خوشہ چین آپس میں اپنے اپنے ذوق کا اظہار کرنے لگے، ایک صاحب نے کہا میرا دل کرتا ہے ہر وقت پیشانی سجدے میں رہے اور عبادت و ریاضت کے مزے ملتے رہیں۔ ایک دوسرے صاحب بولے میں چاہتا ہوں گرمیوں کی تپتی دوپہروں میں اللہ کی رضا کے لیے روزہ رکھنے کی ریاضت پر دوام مل جائے۔ کسی نے کہا میری تمنا یہ ہے کہ اللہ رب العزت مال و دولت کی فراوانی عطا فرمائے اور میں حاصل شدہ مال اسی کی راستے میں خرچ کرتا چلا جاؤں، ایک اور صحابی گویا ہوئے میرا دل چاہتا ہے کہ ہر وقت طوافِ کعبہ کی ریاضت مقدر بن جائے۔ رفیقِ ہجرت حضرت ابوبکرؓ خاموش بیٹھے سب کی گفتگو سماعت فرما رہے تھے۔ لگتا ایسے تھا جیسے ان کی خاموشی اپنے اندر سمندروں سے بھی زیادہ گہرائی اور گیرائی رکھتی ہو۔ کسی نے ان کے دل کے تاروں کو چھیڑ دیا۔ سوال کر دیا گیا اے رفیقِ رسول ﷺ یہاں ہر کسی نے اپنی اپنی خواہش و آرزو کا اظہار کیا سب نے اپنی اپنی تمناؤں کا تذکرہ کیا، اب سب منتظر ہیں آپ کے۔۔۔۔ کچھ آپ بھی تو ارشاد فرمائیے آپ کی سب سے بڑی آرزو کیا ہے؟ سیدنا صدیق اکبرؓ تڑپ اُٹھے، آنکھوں میں تیرتے آنسوؤں نے گویا پوری کائنات اپنے اندر جذب کر لی ہو۔ انتہائی پرسوز لہجے میں فرمانے لگے میں تو چاہتا ہوں "چہرہ مصطفےٰ ﷺ کا ہو نگاہیں ابوبکرؓ کی ہوں اور زندگی یونہی بیتتی چلی جائے۔

الفاظ کے اس مختصر سے مجموعے پر کیا کائنات کی ہر شے جھوم نہ اٹھی ہو گی۔۔۔۔۔؟ آج کے دور کا انسان بھی اگر دقتِ سماع سے سنے تو اسے فضاؤں میں "سبحان اللہ" "سبحان اللہ" کی صداؤں کا ارتعاش سنائی دے سکتا ہے۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کے فنا فی الرسول ﷺ ہونے کی ایک اور گواہی ارشاد العباد کے صفحات نے بھی دی یہاں بھی ایک بزمِ محبت کا ذکر کیا گیا مگر پہلی محفل اور اس میں فرق یہ ہے کہ یہاں مرکزِ محفل اور محورِ بزم بذاتِ خود نبی کریم ﷺ تھے۔ آقا ﷺ کی بارگاہ سے فیضِ نگاہ حاصل کرنے کے لیے صحابہ جمع تھے۔ حضور ﷺ فرمانے لگے مجھے تمہاری دنیا سے تین چیزیں پسند آئی ہیں۔ خوشبو، عورتیں اور نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک رکھی گئی ہے۔ دیگر صحابہ نے بھی اپنی اپنی پسند کا اظہار کیا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے اس موقع پر بھی تڑپتے جذبوں کا اظہار یوں کیا:

حبب الی من الدنیا ثلاث، النظر الی وجه رسول ﷺ وانفاق مالی علی رسول الله ﷺ وان تکون ابنتی تحت رسول الله ﷺ .

یارسول ﷺ! میرے لیے دنیا بھر میں تین ہی چیزیں باعثِ کشش ہیں (1) آپ کے چہرہ انور کی زیارت کرنا۔ (2) اپنا مال آپ کے قدموں پر نثار کرنا اور (3) میری لختِ جگر کا آپ ﷺ کے حرم کی عزتیں پانا۔

سو باتوں کی ایک ہی بات کہ

حسرتِ وصل و غمِ ہجر و خیالِ رخِ دوست

عشق رسول ﷺ نے جناب صدیق ؓ کو حسن اعتقاد کی کتنی حسین دولت عطا کی رکھی تھی۔ وہ عبادت و ریاضت، جہد و مشقت، دین و مذہب اور جذب و کیف الغرض ہر چیز کا مرکز و محور ذات رسالت مآب ﷺ کو سمجھتے تھے۔ ان کی نظر میں اعمال صالحہ کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کر دینا صرف یہی نہیں کہ شرک نہ تھا بلکہ محبوب حد تک مرغوب بھی تھا۔ حضرت ابوبکر ؓ کے یہ تین جملے آنے والی نسلوں کے لیے یہ پیغام بن گئے کہ

چہرہ رسول ﷺ کی زیارت سب سے عظیم عبادت ہے۔

محبت رسول ﷺ میں سب کچھ لٹانا اہم ترین ریاضت ہے۔۔۔۔ اور

آقا ﷺ سے منسوب کسی بھی شے کا قرب ہی زندگی کی سب سے بڑی سعادت ہے۔

عشق و محبت کا اولین فیضان یا پہچان یہ ہوتی ہے کہ عاشق اور محب اپنی مرضی کو اپنی نہیں رہنے دیتا بلکہ رضائے محبوب کی گدڑی اوڑھے زندگی کے ہر امتحان میں یکسو رہ کر سرخرو ہوتا چلا جاتا ہے۔ امر محبوب کے سامنے چون و چرا اور چنانکہ چنانچہ کی پالیسی اپنانے والا دراصل دعویٰ عشق و محبت کا منہ چڑا رہا ہوتا ہے اور محبوب کے ہر قول، ہر فعل اور ہر فیصلے کو اپنے لیے ضابطہ حیات سمجھنے والا ہی درحقیقت جولانگاہ عشق کا ایک کامیاب مسافر قرار پاتا ہے۔ سیدنا صدیق اکبر ؓ بلاشک و شبہ عاشق صادق تھے اور محب کامل، یہی وجہ ہے کہ آقا ﷺ کے حوالے سے جب کوئی بات ان تک پہنچی دنیا نے انہیں شک و تشکیک اور تردد و تردید سے کوسوں دور پایا۔ ایمان لانے سے لے کر معراج مصطفےٰ کی تصدیق۔۔۔ تک، ہجرت مدینہ سے لے کر غزوہ بدر و حنین تک۔۔۔۔۔۔ اور لشکر اسامہ کی روانگی سے لے کر مانعین زکوٰۃ اور مدعین نبوت کے خلاف شمشیر گیری تک ہر معاملے میں آپ کا موقف دوٹوک، آپ کا انداز واضح اور آپ کی اطاعت بے مثل رہی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مکہ کی وہ سوسائٹی جہاں صدیوں سے بت پرستی ہی کامیابی کی ضمانت سمجھی جاتی تھی۔ آقا ﷺ کی دعوت حق کے بعد وہاں گویا ہلچل سی مچ گئی۔ جسے دیکھو اسلام کے خلاف زہر افشانی کر رہا ہے شک و تشکیک کی دبیز سیاہیوں میں دانا سمجھے جانے والے لوگ بھی "ابوجہل" قرار پا رہے تھے مگر عظمتیں ڈھیر سے ڈھیرے اس موقع پر بھی کاشانہ ابوبکر ؓ پر نثار ہو رہی تھیں۔ یہ ابوبکر ؓ و علی ؓ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی تھے جنہوں نے بلاتامل دامن مصطفےٰ ﷺ میں پناہ حاصل کر لی حضور ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں:

"میں نے جس کسی کو اسلام کی طرف بلایا اس نے کچھ نہ کچھ تردد اور ہچکچاہٹ کا اظہار کیا سوائے ابوبکر بن ابی قحافہ کے۔ جب میں نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا تو انہوں نے فوراً بلا کسی پس و پیش میری آواز پر لبیک کہی"۔

ایسا ہوتا بھی کیوں نہ؟ ابوبکر ؓ جانتے تھے:

ایسے میں روشنی کی تمنا ہے زندگی
جب آفتاب سے ہو گریزاں کرن کرن

پھر یہی نہیں کہ اسلام قبول کر لیا تو اخروی نجات کے لیے اسی پر قناعت کر لی ہو بلکہ عشق رسول ﷺ نے زمانے بھر کو دہلیز محبوب پر لا حاضر کرنے کا جذبہ پیدا کر دیا اور بغیر کسی خوف کے لوگوں کو دامن رسول ﷺ سے وابستگی کی دعوت دینی شروع کر دی۔ جب مسلمانوں کی تعداد اڑتیس یا انتالیس ہوئی تو آپ سیدھے بیت اللہ پہنچے اور فرمانے لگے۔ لوگو! آؤ اس ذات کی طرف جس کی اطاعت میں خیر ہی خیر ہے۔ بتوں کے سامنے ماتھا رگڑ رگڑ کر تم نے کیا حاصل کر لیا، الہ واحد کے سچے بندے بن جاؤ کامیاب ہو جاؤ گے۔ مشرکوں کا ماتھا ٹھنکا عاشق رسول ﷺ کے یہ الفاظ انہیں سخت ناگوار گزرے اور انہوں نے یکبارگی جناب صدیق اکبر ؓ پر حملہ کر دیا۔ عتبہ بن ربیعہ نے آپ کو شدید زخمی کر دیا۔ اسی حالت میں آپ کو گھر لایا گیا۔ آپ چارپائی پر بیہوشی کے عالم میں لیٹے ہیں۔ والدہ صدقے واری ہو رہی ہیں۔ دودھ کا پیالہ ہاتھ میں پکڑے سرہانے کھڑی ہیں کہ بیٹے کو ہوش آئے تو پینے کو دوں، مگر محبت کی عطا یہ ہے کہ وہ تو محب کو اپنی ذات اور اپنی جان سے بھی بے نیاز کر دیتی ہے۔ اور وہ اپنی جان و جگر کے ٹکڑے محبوب پر نثار کر دینا ہی معراج سمجھتا ہے۔

از خویش رفتہ ہر دم فکر وصال میں ہوں

سیدنا صدیق اکبر ؓ کو ہوش آتا ہے والدہ فوراً سے بھی پہلے دودھ بھرا پیالہ بیٹے کے سامنے کرتی ہیں مگر سیدنا صدیق اکبر ؓ چہرہ دوسری جانب پھیر لیتے ہیں۔ والدہ پریشانی کے عالم میں دودھ پینے کا کہتی ہیں تو انہیں جواب ملتا ہے" واللہ علی ان لا اذوق طعاماً ولا اشرب شراباً او اتی رسول ﷺ"۔ "قسم بخدا مجھ پر لازم ہے کہ اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں نہ پیوں جب تک رسول ﷺ کی زیارت نصیب نہیں ہو جاتی"۔

حضور ﷺ کی معراج شریف سے واپسی پر مشرکین مکہ نے ایک نیا طوفان کھڑا کر دیا۔ جہاں جاتے تمسخر و استہزاء کرتے جاتے۔ جناب

صدیقؓ کے مسلمان ہو جانے پر وہ سخت نالاں تھے۔ آج خوش ہوئے اور سوچنے لگے آج اچھا موقع ہے صدیقؓ کو اس کے "دوست" سے بدظن کرنے کا۔ اسی سوچ کے ساتھ ابوجہل سیدھا آپ کے پاس پہنچا کہنے لگا آج تو تمہارے دوست نے حد کر دی اور پھر پورا واقعہ سنا ڈالا۔ وہ توقع کر رہا تھا کہ آج صدیق اکبرؓ بھی طیش میں آکے اس بات کا رد کر دیں گے مگر سیدنا صدیق اکبرؓ کی غیور آواز سے گویا اس کا دل بیٹھ سا گیا۔ ابوبکر جواب تک صرف ابوبکر تھے فرمانے لگے "لئن کان قال ذلک لصدق" "اگر رسول کریم ﷺ نے ایسا فرمایا ہے تو یقیناً سچ فرمایا ہے"۔ ابوجہل کو اس جواب سے لاجواب کر کے سیدھے بارگاہ رسالت میں پہنچے، آقا نے مسکراتے ہوئے "صدیق" کا لقب عطا فرمایا جو آپ کے نام سے بھی زیادہ آپ کی پہچان بن گیا۔ ابوبکر، صدیق بنے۔۔۔ کیسے۔۔۔۔۔۔؟ فقط کامل واکمل عشق اور بے مثل جذبہ محبت کی بدولت۔

ہجرت مدینہ کے دوران حضور ﷺ کی معیت اور ہمرکابی کا اعزاز بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہی عطا فرمایا۔ حضور ﷺ کی جانب سے اس امر کا اشارہ ملنے پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خوشی دیدنی تھی مگر یہاں رکتے ہوئے یہ بات ضرور سوچنی چاہیے کہ حضور ﷺ کے ساتھ ہجرت کرنے میں دنیاوی اعتبار سے آخر بھلائی ہی کیا تھی۔۔۔۔۔۔؟

مشرکین مکہ کی پارلیمنٹ دارالندوہ کا اجلاس ہر روز کئی کئی مرتبہ منعقد ہو رہا تھا۔ وہاں منصوبہ بندیاں ہو رہی تھیں رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کی (العیاذ باللہ)۔ ایسے میں یہ خطرہ بھی تو تھا کہ اگر کہیں بھی حضور ﷺ کا سامنا دوران سفر مشرکین مکہ سے ہو گیا تو نہ صرف یہ کہ وہ حضور ﷺ کو شہید کریں گے بلکہ حضور ﷺ کے ساتھیوں کی جانیں بھی خطرے میں ہوں گی مگر اس کے باوجود "رفاقت رسول" کی سعادت پر ابوبکرؓ کی خوشی سبب کیا تھا؟ بات ایک ہی سمجھ میں آتی ہے ابوبکرؓ جانتے تھے کہ

عشق کی لذت مگر خطروں کی جانکاہی میں ہے

اور یہ بھی کہ زندگی نواز آقا ﷺ کے قدموں پر جان وار کے ہی زندگی کا قرض چکایا جا سکتا ہے اور اگر اس نعمت پر دنیا کی ہر نعمت کو قربان بھی کرنا پڑے تو زہے نصیب۔ یہی سودا سب سے زیادہ نفع والا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کے مکان کا محاصرہ کر لیا گیا تو آپ ﷺ نے مولا علیؓ کو لوگوں کی امانتیں ان کے سپرد کرنے کی ذمہ داری کے ساتھ اپنے بستر پہ لٹایا۔ علیؓ فرماتے ہیں اتنی میٹھی نیند اس سے پہلے کبھی نہ آئی جو حضور ﷺ کے بستر شریف پہ نصیب ہوئی۔۔۔۔۔۔ تلواروں کا سایہ اور میٹھی نیند۔۔۔۔۔۔؟ اللہ اللہ عشق و محبت کا کیا کہنا، یہ تو انسانی فطری تقاضوں کو بھی بدل دیتی ہے۔ حضور ﷺ اور سیدنا صدیق اکبرؓ انتہائی رازداری کے ساتھ مکہ سے نکلے۔۔۔۔۔۔۔ دوران سفر ابوبکرؓ کی جان نثاری، وفاداری اور عشق و محبت سے لبریز واقعات درد دل والوں کے لیے مرہم دوا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مکہ والوں کو خبر ہو چکی تھی۔ وہ بھوکے بھیڑیوں کی طرح حضور ﷺ کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ غار ثور کے پاس پہنچ کر حضور ﷺ نے وہاں قیام کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ ابوبکرؓ اونٹنی سے نیچے اترے پہلے خود غار کے اندر گئے۔ سوچ یہ تھی کہ اندر کہیں کوئی سانپ، بچھو یا کوئی درندہ چھپا نہ بیٹھا ہو اور رسول اکرم ﷺ کو خدا نخواستہ کوئی ضرر نہ پہنچا دے۔ ان کے اپنے الفاظ ہیں "والذی بعثک بالحق لا تدخل حتیٰ ادخله فان کان فیه شئی نزل بی قبلک" سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی ایسی چیز اندر ہوتی تو وہ کیا ابوبکرؓ کو نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی؟ پھر یہ جانتے ہوئے بھی ابوبکرؓ نے پہل کیوں کی؟۔۔۔۔۔۔ دراصل ابوبکرؓ کو ان کے عشق نے سکھایا ہی یہی تھا کہ اپنی جان دے کر بھی محبوب کو راضی کر لیا سب سے بڑی کامیابی ہے بقول میر تقی میر:

عاشق سا تو سادہ کوئی اور نہ ہو گا دنیا میں
جی کے زیاں کو عشق میں اس کے اپنا وارا جانے ہے

غار ثور کے پاس مشرکین مکہ کے پہنچ جانے پر حضرت ابوبکرؓ کی گھبراہٹ کا سبب بھی یہی بیان کیا گیا کہ ابوبکرؓ کو فکر اپنی جان کی نہیں بلکہ جان کائنات ﷺ کی تھی کہ کہیں انہیں نقصان نہ پہنچ جائے۔ صدیقؓ نے اس بات کا عملی ثبوت بھی دیا جب سانپ کے آگے ایڑھی رکھ دی کہ وہ اندر نہ آسکے۔ اسی بات کی دلیل کے طور پر مسند احمد کی یہ روایت بھی پیش کی جا سکتی ہے

"عن البراء بن عازبؓ قال قال ابوبکرؓ فارتحلنا والقوم یطلبوننا فلم یدرکنا احد الا سراقة بن مالک بن جعشم علیٰ فرس له. فقلت یا رسول اللہ ﷺ هذا الطلب قد لحقنا فقال لا تحزن ان اللہ معنا. حتیٰ اذا دنا منا فکان بیننا و بینه قدر رمح او رمحین او ثلاثة قال قلت یا رسول اللہ هذا الطلب قد لحقنا و بکیت قال لم تبکی قال قلت اما واللہ ما علیٰ نفسی ابکی ولکن ابکی علیک قال فدعا علیه رسول اللہ ﷺ

فقال اللهم اکفناہ بما شئت فساخت قوائم فرسه فی ارض صلد"

''حضرت براء بن عازب ﷺ فرماتے ہیں جناب صدیق اکبر ﷺ نے فرمایا ہم نے مدینہ شریف کی جانب کوچ کیا تو لوگ ہماری تلاش میں تھے۔ان میں سے کوئی بھی ہم تک نہ پہنچ سکا سوائے سراق بن مالک بن جعشم کے جو اپنے گھوڑے پر سوار تھا۔میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ یہ تلاش کرنے والا تو ہم تک پہنچ گیا ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا''غمگین نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے'' یہاں تک کہ جب اس کے اور ہمارے درمیان ایک ،دو یا تین نیزوں کے برابر فاصلہ رہ گیا تو میں نے کہا یہ کھوجی ہم تک پہنچ گیا اور میں رونے لگ گیا۔آپ ﷺ نے پوچھا تم کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کی اللہ کی قسم میں اپنے لیے نہیں رو رہا۔میں تو آپ کے لیے رو رہا ہوں۔اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے دعا ئے ضرر فرمائی اے اللہ تو جیسے چاہے ہمارے لیے کافی ہو جا تو اس پر اس کے گھوڑے کے پاؤں سخت زمین میں دھنسنے لگ گئے۔''لا تحزن ان اللہ معنا'' کے خوبصورت الفاظ نے حضرت ابوبکر ﷺ کو کس قدر اطمینان عطا فرمایا ہوگا بالخصوص''معنا''جمع متکلم کی لطافتوں نے تو یقیناً سیدنا صدیق اکبر ﷺ کو سرشار کر دیا ہوگا۔

عشق رسول ﷺ کے معاملے میں سیدنا صدیق اکبر ﷺ السابقون الاولون کے سرخیل تھے۔یہی وجہ ہے کہ ہر موقع پر عشق ومحبت والی اداؤں میں بھی آپ بے مثل ومثیل رہے۔خلافت سنبھالنے کے بعد سب سے پہلا حکم جو آپ نے جاری فرمایا وہ شام کی طرف لشکر اسامہ ﷺ کی روانگی کے متعلق تھا۔حضور ﷺ نے بذات خود حضرت اسامہ ﷺ کو امیر لشکر تعینات فرمادیا تھا۔

جناب ابوبکر ﷺ نے حکم رسول کی تعمیل میں حکم جاری کیا تو بعض لوگوں نے اس پر رائے زنی کی۔کچھ نے کہا کہ ریاست کے حالات اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ مسلمانوں کی جمعیت تقسیم کی جائے لہذا تمام لشکریوں کا مدینہ رہنا سودمند ہوگا بعض لوگوں نے امارت اسامہ ﷺ پر اپنے تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ان کی عمر صرف سترہ یا بروایتے بیس برس ہے۔ناتجربہ کاری کی اس عمر میں سالار لشکر بنانا مناسب نہ ہوگا۔سیدنا صدیق ﷺ نے ہر ایک کی بات سنی اور سن کر آخر میں سب کو مخاطب کر کے فرمایا:

''مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مجھے یہ یقین ہو کہ جنگل کے درندے مجھے اٹھا کر لے جائیں گے تو بھی میں اسامہ کے اس لشکر کو روانہ ہونے سے نہیں روکوں گا جسے رسول ﷺ نے روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔اگر مدینہ میں میرے سوا کوئی بھی باقی نہ رہے تو بھی میں اس لشکر کو ضرور روانہ کروں گا''

سیدنا ابوبکر ﷺ کے یہ روشن و تابندہ جملے ان کے عشق و محبت کا ایک مچلتا اظہار تو ہیں ہی مگر ساتھ ہی ساتھ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے درس عبرت بھی ہیں۔آج کے دور میں بھی جب اپنے اور بیگانے سب خلافت راشدہ کے حسن انتظام کو سراہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔مسلمانان عالم کو بالعموم اور مسلمان حکمرانوں کو بالخصوص یہ سمجھنا ہوگا کہ خلافت راشدہ کے حسن انتظام کی شہ کلید خلفاء راشدین کا بے مثل جذبہ اطاعت اور نظام مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ ان کی لازوال وابستگی تھی۔خلفائے راشدین نے قسم اٹھا رکھی تھی نظام اسلام کے معاملے میں ہر طرح کی مصلحتوں سے دور رہنے کی۔جب وصال رسول ﷺ کے بعد عربوں کے کچھ قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو جناب ابوبکر ﷺ نے ان کے خلاف قتال کا اعلان کر دیا۔اگرچہ بعض صحابہ نے اس پر اپنے تحفظات کا اظہار بھی کیا مگر آپ ﷺ نے سب کو ایک ہی جواب دیا کہ''خدا کی قسم!اگر یہ لوگ ایک رسی یا بکری کا ایک بچہ بھی جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں زکوٰۃ دیا کرتے تھے اب اس کے دینے سے انکار کریں گے تو میں ان کے خلاف قتال کروں گا''آقا کا یہی فقید المثال نظام نافذ کر کے آج بھی امن وترقی کی وہ منزل حاصل کی جا سکتی ہے جو خلافت راشدہ کی پہچان ہے۔

محبت محبین کو جن حسین اداؤں سے نوازتی ہے ان میں سے ایک انتہائی خوبصورت خوبی نسبتوں کا احترام ہے۔محبت کرنے والے اپنے محبوب و معشوق سے منسوب ہر چیز کو اپنے لیے مقدس و محترم جانتے ہیں۔محبوب کے ساتھ تعلق رکھنے والی ہر شئی بھی محب کے لیے محبوب ہوتی ہے۔وہ محبت بھی کیسی ہوئی کہ محبوب تو اچھا لگے لیکن محبوب کے متعلقین پسند نہ آئیں۔یقیناً یہی وجہ ہے رسول ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی مولا!تیرے خلیل ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا تھا میں محمد ﷺ مدینہ کو حرم بناتا ہوں۔مقصد مدعا یقیناً یہی تھا کہ اہل ایمان ومحبت بحرمت مدینہ منورہ سے واقف و آشنا ہیں۔مقام غور و فکر ہے کہ مکہ بھی شہر محبوب ہے اور مدینہ بھی۔۔۔۔۔۔۔اور دونوں حرم۔۔۔۔۔۔۔یہ سب احترام نسبت سکھانے ہی کا تو اہتمام تھا۔بذات خود خالق ارض وسماء نے "لا اقسم بھذا البلد و ھذا البلد الامین، و العدیت ضبحا اور لا اقسم بمواقع النجوم۔'' کی خوبصورت قسمیں فرما کر بھی تو یہی سکھایا کہ خبردار!کبھی نسبتوں کی توہین نہ ہو جائے کہ میں خالق ہو کر بھی اپنے محبوبین کی نسبتوں کی قسمیں فرما رہا ہوں۔

جناب صدیق اکبر ﷺ بچپن سے لے کر جوانی اور پھر تادم وصال عشق رسول ﷺ کے داعی صادق تھے اور اس حقیقت کو خوب جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ہمیشہ نسبتوں کا احترام کیا۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ شاہد عادل ہے کہ انہوں نے آقا سے منسوب کسی بھی شے کی توہین کرنے کا تصور کیا نہ ہی کسی کو ایسا کرنے دیا۔۔۔۔۔ حلیم و بردبار ابوبکر جو لہولہان جسم لے کر بھی گردن جھکائے گھر جا پہنچتے مگر کسی کو اذیت دینا گوارہ نہ کرتے۔ روح میں اترتے چلے جاتے ہیں جب اپنی ہی لخت جگر کو آقا ﷺ کے سامنے تھپڑ رسید کرتے ہیں وجہ صرف یہ تھی کہ ان سے بارگاہِ رسالت کے آداب ملحوظ نہ رکھے جا سکے تھے۔ بیٹی کو تھپڑ مارنا بھی شاید آسان ہو مگر ابوبکر جیسا عظیم و حلیم انسان اور اپنے والد حقیقی کو تھپڑ مارنا؟۔۔۔۔ یقین نہیں آتا مگر یقین کرنا پڑتا ہے کیوں کہ ایسا اپنی ذات یا مال کے لیے نہ ہوا بلکہ حرمت رسول کی خاطر تھا اسلام قبول کرنے سے قبل ایک مرتبہ ان کے والد ابوقحافہ ﷺ نے ان کے سامنے رسول ﷺ کو گالی دے دی تھی۔ تھپڑ اتنا زوردار تھا کہ ان کے والد دور جا گرے۔ اپنے اس عمل سے انہوں نے پیغام یہی دیا کہ محبت کرنے والا سب کچھ برداشت کر سکتا ہے مگر محبوب کی توہین نہیں۔۔۔۔۔ اور پھر اپنے ہی بیٹے کو جنگ کے بعد یہ کہنا کہ "اگر تو ایک مرتبہ بھی میری تلوار کی زد میں آ جاتا تو میں تیری گردن اڑا دیتا کیونکہ تو میرے محبوب کا منکر ہے۔" دنیا انگشت بدنداں نظر آتی ہے کہ شفقت پدری اور گردن زنی کی بات۔ دو متضاد حقیقتیں ہیں۔ مگر پیار کرنے والوں کی تو ادائیں ہی نرالی ہوتی ہیں اور محبوب کی دہلیز پر سب کچھ وار دینا ہی تو اصل پیار اور محبت ہے۔

اب جان سے گزرنے کا ہے اک مرحلہ باقی
رشتوں کی اذیت کا سفر کاٹ چکا ہوں

بات نسبتوں کے احترام کی چل نکلی تو عرض ہے کہ آقا حضور رسالت مآب ﷺ سے سیدہ فاطمۃ الزھراء، مولا علی، حضرات حسنین سلام اللہ علیہم اور ان کی اولاد امجاد کو جو نسبتوں کا علو حاصل ہے کون احمق اس سے انکار کر سکتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہر دانش رکھنے والے انسان نے ہمیشہ ان کی عظمتوں کو تسلیم کیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عظمتیں ملتی اسی کو ہیں جو ان کی عظمتوں کو جاننے ماننے والا ہو۔ بڑے بڑے دولت مند مٹ گئے۔۔۔۔ رعب و دبدبے والے بادشاہ ختم ہو گئے۔۔۔۔ اور کیسے کیسے سورما قصہ پارینہ بن گئے۔۔۔ مگر۔۔۔۔ فقر محمدی کے پاسبان ابوذر ﷺ۔۔۔۔ روایات حیدری ﷺ کے امین قنبر ﷺ۔۔۔۔ قضا و عدل کی زینت شریح ﷺ۔۔۔۔ اور حرب و ضرب کا فخر "حر" آج بھی زندہ و تابندہ ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے خانوادۂ رسالت ﷺ کو اونچا جانا اور اونچا مانا تھا، خاندان رسول ﷺ بارے لہجہ ہلکا نہ ہونے دیا تھا۔۔۔ اور اولاد علی ﷺ سے پیار اور محبت کو سرمایہ حیات جانا تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ "آل" سے پیار کیے بغیر آل اچھا ہو ہی نہیں سکتا اور خانوادے کی محبت کے بغیر اصل سے محبت کا دعویٰ ہی ادھورا ہوتا ہے۔ ان روشن حقیقتوں کو کوئی اور جانے نہ جانے اصحاب رسول خوب جانتے تھے اور پھر اصحاب رسول کا فخر۔۔۔۔ جناب صدیق اکبر ﷺ وہ تو عاشق تھے اہل بیت کے۔ اسی لیے اکثر فرمایا کرتے تھے۔ "ارقبو محمدا" فی اھل بیتہ" اے لوگو! حضور ﷺ کے اہل بیت کے بارے میں آپ کا لحاظ رکھا کرو۔ انہوں نے خود بھی اہل بیت اطہار سے محبت اور پیار کی انتہا کر دی۔ اپنے اسی جذبہ محبت کا اظہار ایک دفعہ یوں کیا:

"والذی نفسی بیدہ لقرابۃ رسول ﷺ احب الی ان اصل من قرابتی."

رب ذوالجلال کی قسم! رسول ﷺ کے قرابت دار مجھے اپنی اصل کے اقرباء سے زیادہ محبوب ہیں۔

مسند احمد ابن حنبل کے حوالے سے علامہ طبری نے ریاض النضرۃ میں نہایت خوبصورت روایت نقل کی۔ حضرت انس ﷺ راوی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ مولا علی ﷺ تشریف لائے اور کھڑے کھڑے سلام عرض کیا۔ بعد ازاں مولا علی ﷺ نے حاضرین پر اک نگاہ دوڑائی۔ گویا وہ محفل میں جگہ تلاش کر رہے ہوں۔ حضور رسالت مآب ﷺ نے صحابہ کے چہروں کو دیکھا۔ منشائے رسالت یہ تھی کہ مولا علی ﷺ کے لیے جگہ بنائی جائے۔ سیدنا صدیق اکبر ﷺ رسول کریم ﷺ کی دائیں جانب بیٹھے تھے۔ وہ سمٹنے لگے یہاں تک کہ مولا علی ﷺ کے لیے جگہ بن گئی۔ تو جناب صدیق ﷺ بولے اے ابوالحسن! تشریف لائیے۔ مولا علی ﷺ آئے حضور ﷺ اور جناب صدیق ﷺ کے درمیان بیٹھ گئے۔

یہ بارگاہ حسن دو عالم نہ ہو کہیں
ہے پاسباں رقیب یہاں کیوں رقیب کا

حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اس واقعے سے رسول اللہ ﷺ کے رخ زیبا پر جناب ابوبکر ﷺ کے لیے ایک خاص پسندیدگی دیکھی۔ رسول کریم ﷺ فرمانے لگے۔ "اے ابوبکر بے شک بزرگوں کی بزرگی کو بزرگ ہی جانتے ہیں۔"

حضور ﷺ کی فصاحت و بلاغت بھی ملاحظہ ہو کہ ایک ہی جملے میں آقا نے ابو بکر صدیق ؓ اور مولا علی ؓ دونوں کو بزرگی کی سند عطا فرمادی اور ظاہر ہے عزت والا ہی ان بزرگوں کی بزرگی کا قائل ہو سکتا ہے۔ جناب صدیق اکبر ؓ تو ساری زندگی مدح کرتے رہے اہل بیت کی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خود بھی لائق صد مدح و ستائش ہو گئے۔ آپ کے جذبہ محبت کے حوالے سے حضرت حبشی بن جنادہ ؓ کی یہ روایت کس قدر خوبصورت ہے وہ فرماتے ہیں میں حضرت سیدنا صدیق اکبر ؓ کے پاس بیٹھا تھا۔ انہوں نے اعلان کیا رسول اللہ ﷺ کا جس سے کوئی بھی وعدہ ہے وہ کھڑا ہو جائے۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ! مجھ سے تین مٹھی کھجوروں کا وعدہ ہے۔ انہوں نے مولا علی ؓ کو بلوایا اور فرمایا اے ابوالحسن! اس شخص کا گمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے ساتھ تین حثیات کا وعدہ فرمایا ہے سوا سے تین مٹھیاں عنایت فرمادیجئے۔ مولا علی ؓ نے تین مٹھیاں ناپ کے اسے دے دیں۔ جناب صدیق ؓ نے حکم دیا کہ ان کھجوروں کو گنا جائے۔ حکم کی تعمیل ہوئی تو ان کی تعداد ساٹھ تھی۔ دوسری اور تیسری مٹھی میں بھی پوری ساٹھ ساٹھ ایک کھجور بھی کم و بیش نہ تھی اس پر جناب صدیق کہ دیا ہوئے اللہ اور اس کے رسول پاک ﷺ نے بالکل سچ فرمایا ہے ہجرت کی رات جب ہم غار سے مدینہ کے ارادے سے نکلے تو آپ نے فرمایا میری ہتھیلی اور علی ؓ کی ہتھیلی گنتی میں برابر ہے۔

جناب صدیق ؓ یہ کام خود بھی کر سکتے تھے کہ یہ کوئی مشکل کام نہ تھا مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔ کیوں۔۔۔۔۔۔؟ فقط اس لیے کہ وہ مولا علی ؓ کے بارے میں اپنی سوچوں کا اظہار بھی کرنا چاہتے تھے اور مقام علی ؓ سے دنیا کو آگاہ کرنا بھی ان کے پیش نظر تھا۔

حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی مولا علی ؓ کے بارے میں رائے کیا تھی درج ذیل روایت ملاحظہ ہو۔

كان ابو بكر يكثر النظر الى وجه على فسأله عائشة فقال سمعت رسول الله ﷺ "النظر الى وجه على عبادة"

جناب ابو بکر صدیق ؓ اکثر و بیشتر مولا علی ؓ کا چہرہ دیکھتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کر دیا بابا جان آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ جواباً ارشاد فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے "علی کا چہرہ دیکھنا بھی عبادت ہے"۔

عنوان مضمون اگر عظمت علی ؓ ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ "وما خلقت الجن و الا نس الا ليعبدون" جن و انس کی تخلیق کا مقصد ہی عبادت ہے۔ اور النظر الى وجه على عبادة عبادت نام ہے چہرہ علی کو دیکھنے کا گویا جن و انس کو تو پیدا ہی زیارت علی ؓ کے لیے کیا گیا ہے۔

جگر گوشہ رسول سیدہ زہرہ و بتول سلام اللہ علیہا کی رضا کو آقا کریم ﷺ نے اپنی رضا اور ان کی ناراضگی کو اپنی ناراضگی قرار دیا تھا۔ جناب ابو بکر صدیق ؓ بھی اس بات سے پوری طرح آگاہ تھے، یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ جب کسی نے آپ کو یہ خبر دی کی سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہما آپ سے ناراض ہیں تو آپ بے قرار ہو گئے۔ گرمیوں کے دن تھے۔ دھوپ زوروں پر تھی آپ نے شام ہونے کا انتظار نہ کیا بلکہ کڑکتی دھوپ میں چلتے ہوئے سیدہ کے در نور پر پہنچے۔ مولا علی ؓ سے اندر جانے کی اجازت طلب کی۔ مولا علی ؓ نے سیدہ فاطمہ کو اطلاع کی اور پوچھا اگر آپ پسند کریں تو انہیں اجازت دے دی جائے۔ سیدہ کائنات نے مولا علی ؓ سے پوچھا کیا آپ اس بات کو پسند کرتے ہیں۔ مولا علی ؓ نے برملا رضامندی کا اظہار کیا جناب ابو بکر ؓ اندر آئے مخدومہ جہاں کی خدمت میں سلام عرض کیا اور کہا "اللہ کی قسم اس وقت تک اس جگہ سے ہٹوں گا نہیں جب تک رسول اللہ ﷺ کی بیٹی مجھ سے خوش نہ ہو جائے۔ چنانچہ جناب سیدہ فاطمہ ؓ نے آپ کے اس رویے پر انتہائی مسرت و شادمانی کا اظہار فرمایا۔

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آقا حسن بن علی ؓ کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے فرما رہے تھے۔ اے اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما۔ اس طرح کے کئی مناظر یقیناً جناب صدیق اکبر ؓ نے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ اسی لیے آپ نے اپنے آقا کی اس ادا کو ادا کرنے کا بھی پورا اہتمام فرمایا۔ عقبہ بن حارث ؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ نماز عصر ادا کر کے باہر نکلے۔ چلتے چلتے آپ کی نظر امام حسن ؓ پر پڑی جو کھیل رہے تھے۔ آپ ؓ نے انہیں اپنے کندھوں پر اٹھا لیا اور فرمانے لگے میرے والد آپ پر فدا ہو جائیں آپ حضور ﷺ کے مشابہ ہیں نہ کہ علی ؓ کے۔ مولا علی ؓ اس پر ہنسنے لگے۔

صحبت رسول ﷺ سے اکتساب نور کرنے والے صحابہ کرام باہم ہمیشہ شیر و شکر رہے۔ نسبت رسول کے حوالے سے وہ ایک ایسے رشتے میں بندھ چکے تھے جس کے سامنے زمانے بھر کے تمام رشتے ناتے بودے اور انتہائی کمزور دکھائی دیتے ہیں۔ اسلامی اخوت بھائی چارے اور محبت والفت کی یہ قدریں صحابہ میں کس قدر بلند تھیں اس روایت سے جانا جا سکتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ منبر پر تشریف فرما تھے، امام حسن بن علی ؓ تشریف لائے اور منبر کی جانب بڑھنے لگے۔ آپ کو مخاطب کیا اور ارشاد فرمایا آپ نیچے اتر جائیں یہ میرے بابا کا منبر ہے۔ حضرت ابو بکر ؓ ان کی اس بات سے چیں بجبیں نہ ہوئے۔ اگر یہ دنیوی بادشاہت کا کوئی دربار ہوتا تو نہ جانے مولا حسن ؓ کا یہ جملہ کتنے بھیانک

نتائج کا پیش خیمہ بن جاتا مگر جناب صدیق ﷺ تو تھے ہی کشتہ عشق مصطفےٰ ﷺ۔ فرمانے لگے یقیناً آپ نے سچ فرمایا ہے یہ آپ کی کے بابا کا منبر ہے میرے باپ کا نہیں پھر آپ ﷺ رونے لگے اور امام عالی مرتبت کو گود میں اٹھائے بہت دیر تک روتے رہے۔ مولا علی ﷺ کو اس واقعہ کی خبر پہنچی تو آپ تشریف لائے اور فرمایا میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ کی ناراضگی سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں پھر فرمایا خدا کی قسم میں نے حسن ﷺ کو ایسا کرنے کو نہیں کہا۔ حضرت ابوبکر ﷺ فرمانے لگے اللہ کی قسم میں نے آپ کے بارے میں یہ گمان بھی نہیں کیا۔

حضور ﷺ کے عاشق صادق محب کامل اور جانثار اکمل جناب صدیق اکبر ﷺ کی زندگی جیسے عشق مصطفےٰ ﷺ سے آراستہ و پیراستہ تھی ایسے ہی آخری وقت میں بھی آپ کی سوچیں، افکار، نظریات اور ادائیں بے مثل و بے نظیر تھیں۔ اپنے وصال کے روز پوچھنے لگے آج کون سا دن ہے؟ بتایا گیا سوموار ہے پوچھا آقا ﷺ کا وصال کس دن ہوا تھا؟ بتایا گیا آج ہی کے دن۔ اس پر آپ نے ایک سرد آہ بھری اور فرمایا مجھے اُمید ہے کہ آج میرا آخری دن ہے اور اگر میں آج کے دن انتقال کر جاؤں تو کل کا انتظار نہ کرنا آج ہی دفنا دینا اس لیے کہ مجھے دنوں اور راتوں سے زیادہ محبوب رسول اللہ ﷺ کی قربت ہے۔ آپ کے آخری وقت کے حوالے سے وارث علوم مصطفےٰ ﷺ کی یہ خوبصورت روایت ملاحظہ ہو۔

مولا علی ﷺ فرماتے ہیں جب حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے مجھے اپنے سرہانے بٹھایا اور فرمایا: اے علی! جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے اس ہاتھ سے غسل دینا جس سے تم نے رسول اللہ ﷺ کو غسل دیا تھا اور مجھے خوشبو لگانا اور مجھے رسول رحمت ﷺ کے روضہ اقدس کے پاس لے جانا، اگر تم دیکھو کہ دروازہ کھول دیا گیا ہے تو مجھے وہاں دفن کر دینا ورنہ واپس لا کر عام مسلمانوں کے قبرستان میں میری تدفین کرنا۔ مولا علی ﷺ فرماتے ہیں کہ جناب صدیق ﷺ کو غسل اور کفن دیا گیا اور میں نے روضہ انور پر سب سے پہلے پہنچ کر اجازت مانگی عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ابوبکر ﷺ آپ سے داخلہ کی اجازت مانگ رہے ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ روضہ انور کا دروازہ کھول دیا گیا اور آواز آئی۔ حبیب کو حبیب کے ساتھ داخل کر دو بے شک حبیب ملاقات حبیب کا مشتاق ہے۔

معیت محبوب ﷺ کو مرکز جاں اور راحت ایماں سمجھنے والے "صدیق ﷺ" کو لجپال آقا نے بعد از وصال بھی "وصال" کی لطافتیں عطا فرما دیں۔ سوچنا چاہیے اگر کسی کو چند لمحے آقائے دو جہاں ﷺ کے قدموں میں نصیب ہو جائیں تو وہ ان لمحات کو حاصل حیات بھی گردانتا ہے اور ذریعہ نجات بھی تو صدیق اکبر ﷺ کی عظمتوں اور رفعتوں سے کون ظالم انکار کر سکتا ہے جنہیں کملی والے آقا نے دنیا آخرت میں اپنا ساتھی بنا لیا ہے۔ عشق و محبت کا یہ وہ انعام ہے جس پر یقیناً جبرئیل و میکائیل بھی رشک کرتے ہوں گے۔ لگتا ایسے ہے جیسے پوری کائنات جان ہتھیلی پر رکھے نذرانہ پیش کرنے کے لیے بے تاب ہو اور آقا نے پوری کائنات کو تڑپنے کی کیفیتیں عطا کر کے اپنے "صدیق" کو قبول فرما لیا ہو۔

ہمہ آہو ان صحرا سر خود نہادہ بر کف
با میدآنکہ روزے بہ شکار خواہے آمد

اور بقول اقبال

تجھے وہ شاخ سے توڑیں زہے نصیب ترے
تڑپتے رہ گئے گلزار میں رقیب ترے

☆☆☆

''محمد علی جناح ہمارا ہیرو نہیں''

راجہ آصف خان

کیا قائداعظم کے پیروکار حکمران ،سیاستدان اور اہلیان پاکستان یہ سن کر باغ باغ شاد شاد نہ ہو جائیں گے کہ محمد علی جناح ہمارا ہیرو نہیں ،ہم ان کو اپنا ہیرو نہیں مانتے۔

اور ہاں پھر یہ بھی کہ جس طرح جمعیت علمائے اسلام کے بھاری بھرکم قائد مرحوم مفتی محمود نے کہا تھا کہ ''ہم پاکستان کے بنانے کے گناہ میں شامل نہیں'' اور اس کی تائید مزید باپ پر پوت کی جیتی جاگتی مثال موجودہ قائد بلکہ گرانڈیل قائد یوں کریں کہ'' ہمارے بزرگ پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہیں تھے۔''

قارئین محترم!

مذکورہ بالا قائدین کے پیش کردہ دو جملے صاف اعلان کر رہے ہیں کہ ان باپ بیٹے اور ان کی جمعیت علمائے اسلام کے مطابق پاکستان بنانا گناہ اور اس گناہ کو مٹانا ثواب عین ہے۔خاکم بدہن ،خاکم بدہن ،خاکم بدہن

اور بانیان پاکستان ،غازیان پاکستان ،شہیدان پاکستان ،اغواء شدگان پاکستان ،آمدگان پاکستان کے جانشیان وارثان ،حب داران پاکستان ہیں کہ کوئی حال مست ،کوئی چال مست ،کوئی اقتدار مست ،کوئی اختیار مست بلکہ اتنے مست کہ پاکستان کو گناہ اور اس فتوی کے تحت پاکستان مٹانے کو ثواب بنانے والے پاکستان کی اسمبلیوں میں بار بار جا پہنچیں۔

بڑے صاحب مفتی محمود قومی متحدہ محاذ کے صدر بنے ،وزیر اعلی سرحد بنے ،چھوٹے صاحب ایک وزیر بنے ،دوسرے چھوٹے صاحب ،مولانا فضل الرحمان حزب اختلاف واقتدار اور شراکت اقتدار کے مزے لوٹتے رہے ،بلکہ قومی اسمبلی کے رکن بنے اور اب بھی کشمیر کمیٹی کی چیئر مینی کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ہاں ہاں وہی کشمیر جنت نظیر شہ رگ پاکستان کشمیر کمیٹی کے چیئر مین جس کے بارے میں ان کے آلہ کار اور عمر کے لحاظ سے چچا ہم خیال ،اپنے ملا صوفی محمد حالا مجرم ومفرور پاکستان فرماتے ہیں کہ کشمیری آزادی وطن کے لئے لڑ رہے ہیں اس لئے یہ لڑائی جہاد نہیں ہے۔

ہاں ہاں یاد آیا کہ اس ٹولہ کے ایک اور کردار جماعت اسلامی کے بانی امیر مولانا ابوالاعلی مودودی مرحوم ۔۔۔۔۔۔۔ نے تو بزعم خود اپنی صلاحیت مزاج رسول شناسی کی روشنی میں قیام پاکستان کے اعلان اور اولین جہاد کشمیر 1948ء کے خلاف فرمایا تھا کہ کشمیر کی جنگ ،جہاد نہیں ہے پھر جب یہ وقت جو آزادی کشمیر کا صحیح وقت تھا۔وہ گزر گیا تو مودودی کی یہی جہاد کشمیر کی منکر جماعت نے پرانا چولا بدلا اور جہاد کشمیر ہی کے نام پر پاکستان اور بیرون ملک مخیر حضرات کی جیبوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔تا حال یہی صورت موجود ہے۔

قارئین محترم!

مذکورہ بالا 3/2 حوالہ جات ضمناً تحریر ہو گئے ،موقع ملا تو ان پر تفصیلی مضمون پیش خدمت کرنا چاہوں گا۔

آج تو در حقیقت مفتی محمود مرحوم کے ارشاد گناہ پاکستان میں عدم شمولیت اور مولانا فضل الرحمان کے ارشاد کے ہمارے بزرگ اس گناہ قیام پاکستان میں شامل نہ تھے ،پھر کچھ تحریر کرنے کے ساتھ مولانا فضل الرحمان کے اس فتوی سے عوام الناس کو آگاہ کرنا مقصود تھا کہ یہ صاحب فرماتے ہیں کہ محمد علی جناح ہمارے ہیروز میں شامل نہیں ہے ،ہمارے ہیروز کوئی اور ہیں؟ اب یہ سوال کرنا آپ کا حق اور اس کا جواب معہ ثبوت پیش کرنا ،میرا حق بنتا ہے۔ہاں ہاں بالکل درست بات ہے۔مگر:

کہاں تک سنو گے کہاں تک سنائیں
ہزاروں ہی شکوے کیا کیا بتائیں

تو لیجئے۔عالمی شہرت کے حامل دانشور جناب شریف فاروق صاحب (پشاور) کا فکر انگیز وحقیقت آفرین آرٹیکل ،از روزنامہ نوائے وقت زیر عنوان'' قومی ہیرو کون؟ کی 3 قسطیں بالترتیب مورخہ 2 تا 4 مئی 2007ء ۔بمطابق ماہ ربیع الاول شریف 1426ھ من وعن وغیرہ مزق زیروزبر بطور ثبوت قومی جرم کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:

''پاکستان عالم اسلام سمیت جن سنگین ،پیچیدہ ،ناقابل گرفت اور پریشان کن حالات سے گزر رہا ہے۔ان کا تقاضا ہے کہ ہم بہت ٹھنڈے دل ودماغ سے ان مسائل اور ان کے حل پر غور وفکر کریں اور راہ نجات تلاش کریں لیکن بعض ایسے بنیادی مسائل اور دقائق ہوتے ہیں جن کی طرف فوری توجہ دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ان مسائل کی پیچیدگی اور سنگینی اس وقت اور بھی ٹھنڈے غور وفکر کی متقاضی ہو جاتی ہے جب ان کے سوتے بنیادی نفسیاتی تعصبات سے پھوٹتے ہوں اور ان کی اصلاح نفسیاتی کی بظاہر کوئی صورت دکھائی نہیں دے رہی ہو۔

آپ انہیں نفسیاتی عوارض یعنی ناقابل اصلاح تعصبات قرار دے سکتے ہیں۔اس کے باوجود یہ ضروری ہوتا ہے کہ ابلاغ واصلاح کا

سلسلہ منقطع نہ کیا جائے یہ تشریح اس لیے کرنا پڑی کہ 9 فروری 2007ء کو لاہور میں جمعیت العلمائے اسلام کے سیکرٹری جنرل قومی اسمبلی میں متحدہ اپوزیشن کے لیڈر متحدہ مجلس کے سیکرٹری جنرل، سرحد میں اکرم درانی حکومت کے پس پردہ مولانا فضل الرحمان کی صدارت ایک اجلاس منعقدہ ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ پاکستان کے تمام صوبوں میں برطانوی سامراج کے خلاف صف آرا تختہ ہائے دار پر لٹک جانے والے جلاوطنی اور قید و بند کے ناقابل تصور مصائب برداشت کرنے والے ''قومی ہیرو'' کی خدمات کا اعتراف کرنے کے لیے لاہور پاکستان کے تمام صوبوں میں قومی ہیرو کانفرنسیں منعقد کی جائیں۔ ظاہر ہے اس میں کسی قسم کی قباحت کی کوئی بات نہیں اور نہ ہی کسی کو ایسی کانفرنسوں کے انعقاد سے اختلاف ہوسکتا ہے۔ ''آزادی کے ان ہیروز'' میں جن عظیم شخصیات کو شامل کیا گیا ہے ان میں اسیر مالٹا حضرت شیخ الہند مولانا سید محمود الحسن، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا نانوتوی، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا مفتی کفایت اللہ وغیرہ شامل ہیں۔ یقیناً دیوبندی مدرسہ فکر سے تعلق رکھنے والے ان حضرات کے بارے میں بعض تحفظات کے باوجود یہ شخصیات ہمارے نزدیک قابل احترام و ستائش ہیں۔ آج تک کسی صحیح الفکر اور حقیقت پسند فرد نے ان کی عظمت کے اعتراف سے انکار نہیں کیا۔

راقم کو یہ تو اعزاز حاصل ہے کہ وہ جہاں 15 سال کی عمر میں 22 مارچ 1940ء کو لاہور سٹیشن پر برصغیر کے سب سے بڑے مسلم رہنماء حضرت قائداعظم کا پلیٹ فارم نمبر ایک پر استقبال کرنے اور 23 مارچ 1940ء کو منٹو پارک (اقبال پارک) میں برصغیر کے تاریخ اجتماع میں جہاں مدراس سے کلکتہ اور کلکتہ سے پشاور تک کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں اپنی جدوجہد کا آغاز کرتے دیکھا، وہیں اسے یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ اس نے حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ، حضرت مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی حضرت مولانا احمد علی وغیرہ قریباً تمام اکابرین کی تقاریر بھی سنیں بلکہ اسے یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ اس نے برطانوی سامراج کے خلاف جدوجہد کرنے والے سب سے بڑے مجاہد حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری سمیت بڑے بڑے انقلابیوں کی تقریریں بھی سنیں، یہاں تک کہ پنڈت جواہر لال نہرو اور دوسرے کانگریسی رہنماؤں کے ارشادات سے محظوظ ہوا اور کبھی کسی تعصب یا تنگ ذہنی کا شکار نہیں ہوا لیکن فکر دیوبند سے تعلق رکھنے والے مولوی صاحبان اپنے تعصبات کے خول سے آج تک نہیں نکل سکے، جبکہ فکر سرسید کے مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والی عظیم شخصیات کو دیوبندی علماء کی بھاری اکثریت اپنے نفسیاتی احساس کمتری سے ''شفا'' حاصل نہیں کرسکی۔ بظاہر قیام پاکستان کے بعد انہیں اس ''مرض'' سے شفا حاصل کر لینی چاہیے تھی لیکن وہ اس سے نجات حاصل نہیں کرسکے۔

صرف یہی نہیں بلکہ جمعیت العلمائے اسلام سے تعلق رکھنے والے بھاری تعداد میں موجود مولانا، آئمہ اور خطیب حضرات پورے پاکستان کی عام جامعہ مساجد اور مدرسوں پر ''قابض'' ہیں جن کے قبضے پر بھی ہمیں کوئی اعتراض نہیں کہ وہ ''دین کی خدمت'' کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں لیکن اس ''دینی خدمات کے فریضے'' کے ساتھ وہ قائداعظم تحریک پاکستان یہاں تک کہ پاکستان کے خلاف بھی ''بغض'' سے اپنے دلوں اور ذہنوں کو پاک نہیں کرسکے۔ اس کی غالباً وجہ یہ ہے کہ انہیں اپنے اکابرین کانگریس ہندو تنظیموں، یہودی اور انتہا پسند عیسائیوں کی طرف سے جو کچھ غلط پروپیگنڈہ کی صورت میں ملا ہے، وہ نہ سمجھی کے باعث قیام پاکستان کے بعد بدلے ہوئے حالات میں ان کا کردار کیا ہونا چاہیے، وہ فکری انتشار میں مبتلاء ہیں اور ان کا سب سے بڑا ہدف قائداعظم محمد علی جناح ہیں۔ مولانا فضل الرحمان کی زیر صدارت اجلاس میں ارشاد فرما دیا گیا ہے کہ جمعیت العلمائے اسلام صرف اکابرین دیوبند کو قومی ہیرو قرار دے رہی ہے۔ قائداعظم کو قومی ہیرو تسلیم نہیں کرتی۔

یہاں تک بھی کوئی بات نہیں تھی کہ ہر سیاسی جماعت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ جسے چاہے ہیرو قرار دے جسے چاہے نہ دے لیکن بعض مقامات ایسے آجاتے ہیں جہاں کہنا پڑتا ہے کہ۔۔۔۔

اس سے بڑھ کر جو آگے شکایت کی بات ہے

اس لیے کہ بعض مسلمہ قومی شخصیات پر انگشت نمائی ملکی آئین اور اساسی فکر کے خلاف بھی قرار دی جاتی ہے لیکن اس حد بندی کو مولانا صاحب ''فضل الرحمان'' نے یوں پھلانگا ہے کہ اس اجتماع میں فیصلہ کیا گیا کہ ہم جناح (حضرت قائداعظم محمد علی جناح) کو قومی ہیروز میں شمار نہیں کریں گے۔ وہ ہمارے قومی ہیرو نہیں ہیں مولوی صاحب! چاند پر تھوکنے سے اس کے حسن و جمال میں کوئی فرق نہیں پڑتا چاند کی نورانی شعاعیں تمام دنیا کو روشن و منور کرتی رہتی ہیں اور تا ابد کرتی رہیں گی، البتہ ہم مولانا صاحب سے صرف اتنا پوچھنا چاہیے گے قائداعظم کو تو چھوڑیے کہ کیا آج تک انہوں نے شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید سے قطع نظر کیا شیخ الہند حضرت مولانا سید محمود الحسن اور اکابرین دیوبند کی ایثار پیشگی للّٰہیت بوریا نشینی، درویشی، جاہ و حشم سے بے نیازی اور فقر و فاقہ کی روش اپنانے کی کوئی مثال قائم کی ہے؟ اب تو وہ ''حکمران'' بھی ہیں ''حکمرانی کے حمام'' میں وہ اور ان کے وزراء کیا کیا جوہر دکھا رہے ہیں اس پر یقیناً حضرت شیخ الہند مولانا سید محمود الحسن ہی

نہیں حضرت مولانا کفایت اللہ مولانا سید حسین احمد مدنی وغیرہ کی روحیں بھی تڑپ اٹھیں گی۔

غور فرمایئے! جمعیت العلمائے اسلام کو صوبہ سرحد میں حکومت عطا کی گئی انہوں نے ''کتاب'' یعنی قرآن حکیم کریم کے نام پر ووٹ حاصل کیے اور ہم ایسے نیازمندوں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ مسلم لیگ، پی پی پی، اے این پی وغیرہ سب کو دیکھ لیا ان ''بوریا نشین حکمرانوں'' کو بھی آزما کر دیکھتے ہیں چنانچہ راقم سمیت اس کی اہلیہ بیٹے بہونے گروپ کی صورت میں ان حضرات کے حق میں ووٹ ڈالا لیکن مولانا صاحب (فضل الرحمان) اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ انہوں نے کس کردار کا مظاہرہ کیا ہے؟ ان کے کسی ایک آدھ وزیر کی بات نہیں کرتے کہ اس کا کردار مثالی ہو سکتا ہے لیکن اگر ہم کچھ عرض کریں گے کہ تو ڈیرہ اسماعیل خان کے دارالعلوم کی (ابھی تک زیر تعمیر) دیواروں سے لیکر پشاور کے بنگلوں تک الامان الحفیظ کہ صدائیں بلند ہونے لگیں گی۔

مولانا فضل الرحمان کے اقوال، افعال اور ان کے تضادات کے بارے میں بہت کچھ کہہ سکتے ہیں لیکن اس لئے نہیں کہنا چاہتے کہ ہمارا مقصد اصلاح احوال ہے انہیں مسخ شدہ قومی سیاسی تاریخ کی ''قید'' سے نجات دلانا ہے۔

دراصل انہیں علم نہیں کہ قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت کے خلاف کانگریس، ہندو مہاسبھا، مولوی حضرات، لیبر پارٹی، انڈیا لیگ اور عالمی سطح پر فرنگیوں، یہودیوں، اور امریکیوں نے جس طرح مشترکہ متفقہ اور متحدہ محاذ آرائی کرتے ہوئے ان کی " Massive Character Assassination" کی مہم چلائی یہی وہ قائداعظم جناح تھے کہ جب ستمبر 1948ء میں تربت میں موت وحیات کی کشمکش میں تھے اور آخری اقدام کے طور پر نیویارک میں پاکستانی سفیر کو (Isphani M.A.H) گورنر جنرل کے سیکرٹری مسٹر فرخ امین جو ٹیلی گرام بھیجتے ہیں کہ اس کی نقل ملاحظہ فرمایئے۔

"Top Secret" Governer General's Camp Quetta n.d Isphahani Parep New York.Cont Inuation my telegram of september 8, kindly intimate immediately names of specialists selected by you stop needless to say they should not repeat not be jews stop.

انتہائی خفیہ'' گورنر جنرل کا کیمپ کوئٹہ (بنام) (پاکستانی نمائندہ) نیویارک میں'' میری 8 ستمبر کی تار کے تسلسل میں مہربانی فی الفور آپ نے جن ماہرین امراض قلب کو منتخب کیا، ان کے اسماء بھجوایئے یہ کہنا غیر ضروری نہیں ہوگا اسے دہرایئے کہ ان میں کوئی یہودی شامل نہ ہو۔ سٹاپ''

کیا اس سے قائداعظم کی عربوں سمیت عالم اسلام کی والہانہ محبت کا کوئی کم ثبوت ہے۔ دراصل مولانا فضل الرحمان اور ان کے قبیلہ کے لوگوں کو علم ہی نہیں کہ قائداعظم جناح کیا تھے کیا نہیں ہے۔ ان کا انقلابی اور اسلامی کردار کیا تھا مولانا صاحب کی تو چھوڑیئے خود بڑے بڑے مسلم لیگی لیڈر اور کارکن اور تحریک پاکستان سے وابستہ حضرات کو علم نہیں کہ قائداعظم انگریزی سامراج کے خلاف جہاد کرنے والے کتنے عظیم انقلابی تھے، بدقسمتی سے قائداعظم کی شخصیت کے اس پہلو کو ان کے مخالفوں نے جن میں انگریز اور ہندو اور یہود سب ہی شامل تھے اس کردار اور جدوجہد کو واضح کرنے کے لیے ماضی کو مسلم لیگی حکومتوں اور اس کے زعماء نے بھی کچھ نہ کیا اور قائداعظم کو انگریز کا اجیر قرار دینے کی مہم چلائی حالانکہ قائداعظم نے انگریز کے خلاف اپنے زمانہ طالبعلمی میں برطانوی پارلیمنٹ کی خالی نشست پر انتخاب کے دوران انگریز امیدوار کے خلاف ہندوستانی نژاد پارسی دادا بھائی نوروجی کے حق میں چند دوسرے ہندوستانی طلباء کے ساتھ مل کر مہم کا آغاز کر دیا تھا۔

اسی پس منظر میں جب وہ ہندوستان کے سب سے کم عمر بیرسٹر کی حیثیت میں ہندوستان آئے تو انہوں نے کانگریس میں شرکت کی اس کے رکن بنے اور اس دور میں اپنی کمائی سے ایک ہزار روپیہ ماہوار چندہ بھی دینا شروع کر دیا۔ وہ ہندو مسلم اتحاد کے سفیر قرار پائے، بمبئی میونسپلٹی کے کمپاؤنڈ میں ان کی خدمات کے اعتراف میں یادگار تعمیر کی گئی جہاں انہیں ''ایمبیسڈر آف ہندو مسلم اتحاد'' قرار دیا گیا، بلبل ہند مسز سروجنی نائیڈو نے تو ان کی شان میں کئی نظمیں لکھیں۔

مولانا فضل الرحمان فرماتے ہیں کہ وہ قائداعظم جناح کو قومی ہیرو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ ان کے ماننے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے اب تو ہندوستان سمیت عالمی سطح پر انہیں لازوال رہنما قرار دیا جا رہا ہے۔

stanley Wolpert ہوں یالارڈ ماؤنٹ بیٹن کی ''لاسٹ دربار'' کے زیرعنوان دہلی سے شائع ہونے والی کتاب دہلی یونیورسٹی کی ریڈر ڈاکٹر اجیت جاوید کی ''جناح سیکولر اینڈ نیشنلسٹ'' ہو یا مہاراشٹر کے اٹارنی جنرل H.M. Seerwai کی indian: myth and Reality Independence

ہر کوئی قائد اعظم کی عظمت کا لوہا ماننے پر مجبور ہے۔ اس لیے کہ وہ حقیقی معنوں میں قائد انقلاب اور مسلمانوں کے حقوق کے سب سے بڑے ترجمان تھے۔

رہی قائد اعظم کی حریت مآبی؟ مولانا صاحب سمیت کروڑوں پاکستانیوں کو بھی شاید علم نہ ہو کہ برطانیہ عظمٰی جو اپنے زمانہ کی سپر ہی نہیں مہا سپر پاور تھی اس کے وزیر اعظم ایمزے میکڈانلڈ نے دوسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے موقع پر انہیں پیش کش کی۔

Mr Jinnah! you join us and become law member of india we'll allow you to have private practice also.

حریت مآب جناح بلا تاخیر جواب دیتا ہے۔

Do you want to bribe me? I woun't accept it.

اس کے بعد انگریز کی طرف سے جوان سال آتش بیان جناح کو Kinight Hood یعنی SIR کے خطاب کی پیشکش ہوتی ہے۔ وہ اسے پائے استحقار سے ٹھکرا دیتا ہے۔ انگریز بہادر اسے پھانسنے کے لیے Governor of Bombay بننے کی پیشکش کرتا ہے اور اسے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ یہاں تک کہ انگریز جب رولٹ ایکٹ جو برطانوی دور کا سب سے بڑا استبدادی قانون تھا، منظور کرتا ہے تو جواں سال جناح بطور احتجاج سنٹرل اسمبلی سے مستعفی ہو جاتا ہے مولانا صاحب تو قومی اسمبلی کی زریں نشست سے علیحدہ ہونے کے لیے تیار نہیں۔ 28 مارچ 1919 کو 43 سال کی عمر میں جس طرح اور جس زبان میں استعفٰی دیتا ہے اور جرات، بہادری، بے باکی اور بے خوفی کا جو مظاہرہ اپنی تقریر میں کرتا ہے اس سے اس کی دھاک برصغیر کے طول وارض ہی نہیں بکنگھم پیلس اور دوسرے برطانوی ایوانوں کو بھی ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ کیا انقلابی جناح کے سوا کوئی دوسرا صف شکن رہنما انگریز کے خلاف ایسی صف شکنی کر سکتا ہے؟ یہ بھی چھوڑیئے۔

مولانا صاحب آپ کا کوئی قصور نہیں یہ تو بڑے بڑے مسلم لیگیوں کو بھی علم نہیں کہ محبان آزادی کی توہین کے خلاف یہ جناح ہی تھا جس نے بمبئی کے گورنر لارڈ ولنگڈن کے اعزاز میں منعقد کی جانے والی الوداعی تقریب کو الٹ کر رکھ دیا اس دور میں انگریز چیڑا اسی کے خلاف بھی لب کشائی کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ قائد اعظم جناح نے احتجاجی جلوس نکالا اسی طرح لارڈ ولنگڈن کے خلاف جب بمبئی کے بعض وکلاء نے اس تقریب میں شرکت کا فیصلہ کیا تو جواں سال جناح نے انہیں جھاڑتے ہوئے کہا۔ '' آپ لوگوں کو شرم نہیں آتی کہ ایسے گورنر کی الوداعی تقریب میں شریک ہونا چاہتے ہو جو تمہارے انقلاب پسندوں کی توہین کرتا ہے''۔ یہی نہیں بلکہ بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ یہ جواں سال جناح تھا جس نے جلیانوالہ باغ کے قتل عام کے خلاف احتجاجی مظاہروں کی قیادت کی اس پر اس کا پنجاب میں داخلہ بند کر دیا گیا۔ یہ انقلابی جناح ہی تھا جب بھگت سنگھ، گوردیو اور دت جیسے انقلابیوں نے حصول آزادی کی خاطر جب سنٹرل اسمبلی میں وائسرائے ہند کو ہلاک کرنے کے لیے بم پھینکا تو ان پر دہشت گردی کا مقدمہ چلا دینے سے دنیا بھر میں قیامت بپا ہوگئی۔ قائد اعظم جناح کا یہ کردار آپ کسی افرنگ دشمن عالم دین یا کانگریس سے کم تھا؟ انگریز کے کاسہ لیس ازلی امراء، وزراء، والیان ریاست انگریزی خطاب یافتگان بلوں میں گھس گئے ان مجاہدین کو کوئی بھی مقدمہ لڑنے کے لیے تیار نہیں تھا یہاں تک کہ کانگریس اور جمیعت العلماء ہند کے ممدوح مہاتما گاندھی بھی میدان سے بھاگ گئے لیکن یہ انقلاب صفت جناح ہی تھا جس نے نظیری کی زبان میں۔۔۔۔۔

گریز داز صف ماہر مرد غوغا نیست
کسے کہ کشتہ نشد از قبیلہ مانیست

دار و رسن کو دعوت دینے سے گریز نہ کیا، بہت کم حضرات کو علم ہوگا کہ اسی پس منظر میں انگریز نے آٹھ ہندوستانی لیڈروں کو '' کالا پانی '' کی سزا دینے کے لیے رنگون بھیجنے کا فیصلہ کیا، اس میں انقلابی جناح کا نام تھا لیکن اس وقت ہندوستان کے حالات اس قدر ہولناک ہو چکے ہوئے تھے اور انقلابیوں کی سرگرمیاں اس قدر پھیل چکی تھیں کہ انگریز کو اسی میں عافیت نظر آئی کہ وہ ان آٹھ انقلابیوں کو '' کالا پانی '' نہ بھجوائے۔ اگر انگریز خوف زدہ نہ ہوتا تو جناح بھی کالے پانی کی سزا بھگت رہا ہوتا ویسے حق یہ ہے کہ جناح جیسے لیڈر اور آئین کا احترام کرنے والے کو یہ سزا دینا یا قید و بند کی عام سزا دینا اتنا آسان نہیں تھا۔ جناح کو عالمی Constitutions پر اس قدر عبور حاصل تھا کہ اسے ماہر آئین دنیا بھر میں شہرت حاصل تھی اور بقول سٹینلے ولپرٹ اس کا شمار ہندوستان کے صف اول کے وکلاء میں ہوتا تھا۔ برطانوی اقتدار اعلیٰ کے اس دور میں ہندوستان کا صف اول کا بیرسٹر جناح جو برطانیہ کی Privy Council میں بھی Appear ہوا کرتا تھا۔ اسے ہاتھ لگانا کوئی آسان نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ہی انگریز کو یہ بھی ڈر تھا کہ ہندوستان میں پہلے ہی انقلابی تحریکیں چل رہی ہیں جناح کو کالے پانی بھجوا کر ایک نئی مصیبت نہ

کھڑی ہو جائے۔ ہاں تو قائداعظم نے بھگت سنگھ گورد یال ورت کے حق میں جو "تباہ کن تقریریں کیں ان کے بارے میں پاکستان میں بھارت کے سابق ہائی کمشنر اور فارن سیکرٹری جے این ڈکشٹ نے جو کچھ کہا A.G Noorani کی کتاب The trial of Bhaqat Singh politics of justice کے سرورق پر تبصرہ کرتے کہا ہے۔

The most remarkable part of the book for me is the appendix,giving the text of Muhammad Ali jinnah's speech in the Central Legislative Assembly on September 12 and 14, 1929. This was the most forthright statement in defernce og bhagat singh from amongst the leading aindian politians of the time. It is relevant to remember that where principal af law and norms of justice were threatened, Jinnah's voice was that of a fearless Indian."

قائداعظم محمد علی جناح کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ کانگریس اور انقلابی کردار انجام دینے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی بھی ترجمانی کے فرائض انجام دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ اس کا یہ "جرم جرم عظیم" تھا۔ مولانا صاحب اور ان کے قبیلے کے لوگوں سے کیا گلہ خود بڑے بڑے مسلم لیگیوں کو بھی یہ علم نہیں کہ جناح کیا تھے لیکن اس کا یہ جرم کہ کانگریس کی ہم نوائی کرتے ہوئے مسلمانوں کی حقوق کی بھی ترجمانی کرے۔

1۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان کے لیے ایسی اصلاحات کا مطالبہ کیا جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں کو حاصل ہیں۔

2۔ جب اس نے مسلمانوں کی اکثریتی علاقہ سندھ کو بمبئی کی غلامی سے نجات دلا کر اسے الگ صوبہ بنانے کے لیے تن من دھن کی بازی لگانے کا آغاز کیا۔

جب اس نے نہرو رپورٹ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور 14 نکاتی تجاویز پیش کیں، جب کانگریس اور انگریز مسلمانوں کو ان کے حقوق دینے پر تیار نہ ہوئے تو قائداعظم جناح نے 1937ء میں اپنے راستے جدا کر لئے مسلم لیگ کو "محلات" "ڈرائنگ روموں" سے نکال کر ایک عوامی تحریک کی صورت میں تبدیل کر دیا جس کے نتیجے میں 1940ء میں لاہور میں قرارداد پاکستان منظور کی گئی۔ جس کے بارے میں کانگریسیوں اور انگریز نواز عناصر نے پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ اس قرارداد کو لارڈ لنلتھگو کے ایماء پر اس کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر چودھری سر ظفر اللہ خان نے تصنیف کیا اور اسے مسلم لیگ نے اپنا لیا۔

گویا سر سید احمد خان کے دور سے لے کر 1940ء تک مسلمانوں کی الگ آزاد مملکت کا مطالبہ جو مختلف مفکرین کرتے چلے آرہے تھے اور اسے جامع صورت میں حکیم الامت علامہ اقبال نے اپنے خطبہ الہ آباد میں 1930ء میں پیش کیا تھا اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔

قائداعظم کی جدوجہد کا تو یہ عالم تھا کہ وہ سامراجی قدغن کے خلاف انقلابی اقدامات کرنے پر آمادہ رہتے تھے۔ چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح کی فراخ حوصلگی کا تو یہ عالم تھا کہ مولانا شوکت علی مرحوم کے ایماء پر قائداعظم جناح نے سرخ پوشوں پر سے پابندیاں اٹھوائیں۔

مولانا فضل الرحمان اس لیے قائداعظم کو قومی ہیرو ماننے کے لیے تیار نہیں کیونکہ یہ مسٹر جناح ہی تھے جنہوں نے 1939ء میں جب ابھی وہ قائداعظم بھی نہیں بنے تھے اور قرارداد پاکستان بھی پیش نہیں ہوئی تھی، اپنی وصیت میں اسلامیہ کالج پشاور کے لیے ایک کروڑ گیارہ لاکھ روپے مخصوص کئے جس کا پہلا چیک 1957ء میں ان کی بہن محترمہ فاطمہ جناح نے پشاور یونیورسٹی کے کانووکیشن ہال میں کہ جس کی ابھی چھتیں بھی تعمیر نہیں ہوئی تھیں۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس دور میں سونے کی فی تولہ قیمت 40 /35 روپے سے زیادہ نہیں تھی اسی خطیر رقم سے قائداعظم کامرس کالج تعمیر ہوا، کالج کے عملے کے لیے رہائشی تعمیرات مکمل ہوئیں اور اب اس کے بقایاجات سے طلباء کے لیے ریسرچ اینڈ ریفرنس لائبریری بن رہی ہے۔ 1957ء میں جب محترمہ فاطمہ جناح نے یہ چیک دیا تو راقم بھی اس اجتماع میں موجود تھا۔

قائداعظم کی مسلمانان برصغیر ہی نہیں مسلمانان عالم سمیت پختونوں کے ساتھ محبت لازوال تھی 1945ء میں جب وہ ائرپورٹ سے اپنی قیام گاہ کی طرف آنے لگے تو مال روڈ پشاور پر جہاں ان دنوں نیشنل بنک آف پاکستان کی عمارت واقع ہے سنٹرل بنک آف انڈیا کی عمارت تھی۔ قائداعظم اپنے ساتھیوں کو لے کر بنک میں گئے اور سو روپے سے اپنا سیونگ اکاؤنٹ کھولتے ہوئے تلقین کی کہ مسلمانوں کو بنکنگ کی طرف آنا چاہیے اس سے پہلے انہوں نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر حبیب بنک جس کا شمار آج پاکستان کے سب سے بڑے

پرائیویٹ بنک میں ہوتا ہے، اس کا اجراء کرایا تھا۔

مولانا فضل الرحمان کے نزدیک یقیناً قائداعظم کی یہ خدمات انہیں قومی ہیرو قرار نہیں دے سکتیں اس کے لیے گاندھی نہرو اور پٹیل کو یہ مقام ملنا چاہیے۔

غالباً مولانا فضل الرحمان اس لیے بھی قائداعظم کو قومی ہیرو ماننے کے لیے تیار نہیں کہ انہوں نے باچہ خان (خان عبدالغفار خان) کو 1947ء میں نئی دہلی میں یہ پیشکش کی تھی جو سیاسی سطح پر اب منظر عام پر آ چکی ہوئی ہے جس کی تفصیلات سے راقم کو باچہ خان کے دست راست مرحوم میاں جعفر شاہ نے ایک ملاقات میں تفصیلات سے آگاہ کیا تھا قائداعظم نے باچہ خان سے کہا:

Khan sahib! I am an old man. I may die at any time. You come and join me.

دوبارہ اس بات کو انہوں نے 1948ء میں پاکستان کی مجلس آئین ساز کے پہلے اجلاس منعقدہ کراچی کے موقع پر دہرایا۔ جب باچہ خان ان سے ملنے کے لیے آئے تو قائداعظم جیسے Arrogant نے ان کی کار کا دروازہ کھولا اور اسی طرح انہیں رخصت بھی کیا دونوں مواقع پر ان کی بہن مادر ملت بھی موجود تھیں۔

مولانا فضل الرحمان غالباً قائداعظم کو اس لیے بھی قومی ہیرو ماننے لیے لئے تیار نہیں ہوں گے کہ جب امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد یورپ سے نئی دہلی جاتے ہوئے کراچی کے ہوائی اڈے پر اترے تو وہ حضرت قائداعظم کے مزار پر گئے اور فاتحہ خوانی کی یہ مولانا ابوالکلام آزاد کی عظمت تھی جس کا انہوں نے اظہار کیا۔

مولانا آزاد جانتے تھے کہ قائداعظم محمد علی جناح نے تو کرپس مشن کی گروپنگ سسٹم کی سکیم مان لی تھی لیکن آل انڈیا کانگریس سہو تاڑ کر دیا۔ اس پر مولانا نے اپنی کتاب India Wins Freedom میں وہ رونے روتے ہیں کہ اگر مولانا فضل الرحمان اسے پڑھ لیں تو مولانا آزاد کو کبھی نہ بخشیں کہ انہوں نے نہرو کو کیوں نشانہ تنقید بنایا۔

خدا لگتی کہتے کہ نہرو، گاندھی اور پٹیل نے کرپس تجاویز کو مسترد کر کے اور تقسیم ہند کا فارمولا تسلیم کر کے عظیم بدعہدی کا ثبوت دیا تھا۔ مولانا صاحب کو شبہ ہو تو وہ مولانا آزاد کی India Wins Freedom کا مطالعہ کر لیں۔۔۔۔۔

معزز قارئین!

تھوڑی سے مزید توجہ کی درخواست کے ساتھ آخری عرض ہے جو لوگ قیام پاکستان کو گناہ جانے۔ وہ اس گناہ کو مٹانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے کیوں جانے دیں اور اپنا خود ساختہ ثواب ضائع کیوں کریں؟۔۔۔۔۔ اور حال ہی میں ان کو سوات، بونیر ملاکنڈ وغیرہ جیسا سنہری موقع مل گیا ہے جو ان ہی کی سازشی ذہنیت کے برسوں میں تیار کیا تھا لیکن ہر رعایت، ہر عنایت، ہر مطالبہ من وعن حکومت کی طرف تسلیم کرائے جانے کی صورت میں اصل گناہ، پاکستان کا وجود مٹانے ان کی دیرینہ خواہش کی راہ میں ایک بار پھر رکاوٹ کھڑی ہو رہی تھی، لہذا انہوں نے سب کچھ مان لینے کے بعد پائے حقارت سے ٹھکرا کر میدان جنگ کا بازار گرم کر دیا۔ چنگیز و ہلاکو کی روحیں بھی ان کے آگے شرم ساری سے ہار مان گئیں۔ یہاں تک کہ بالآخر فطرت نے ان کے قلع وقمع کے لئے ہر محب وطن پاکستانی کو آپریشن راہ راست پر یک دل، یک سو اور یک زبان کر دیا۔ جواب ان شدت پسندوں، دہشت گردوں انسان نما خونخوار بھیڑیوں کے عبرتناک انجام کی طرف برق رفتار کامرانی کے ساتھ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ خس کم جہاں پاک کے مصداق ہے اور آپریشن راہ راست 2009ء حق اور باطل کے درمیان پہچان بن گیا ہے۔ حقیقی یقینی معیار قرار پا گیا ہے۔ جو بھی ظاہر و باہر بلاشک وشبہ اس آپریشن پر راضی ہے وہ پاکستان پر راضی اور جو اس سے ناراض ہے، وہ اس سے ناراض ہے۔ جو آپریشن کا حامی ہے وہ حق کا علمبردار اور جو مخالف ہے وہ باطل کا جھنڈا بردار ہے اور یہ بات ہر کس و ناکس پر واشگاف ہو چکی ہے کہ آپریشن راہ راست کو رکوانے کے لئے جمعیت علماء اسلام (ف۔س) جماعت اسلامی اکابر علمائے حق کراچی۔ مجلس عمل تحفظ ختم نبوت، حزب التحریر، لال مسجد کا برقعہ پوش مولوی معہ احباب (جو بولا کہ مالاکنڈ سوات کا نظام عدل ہماری جدوجہد کا ثمر ہے)۔ علاوہ ازیں ان کی ہم عقیدہ کالعدم دہشت گرد تنظیمیں سرگرم عمل ہیں۔ وہی پاکستان کی دھرتی پر ناسور کی صورت میں موجود ہیں کیونکہ ملی قومی اجتماعی مفادات کا حاصل، استحکام، یک جہتی، سالمیت وتحفظ پاکستان، پاکستان کی راہ پر چلانے کا باعث ضرور بنے گا۔ وہ اس لئے کہ آواز خلق ہی نقارۂ خدا ہوتی ہے۔

حضرات محترم!

حسن اتفاق کہ اس تحریر کی آخری سطور باقی تھیں کہ میری نظر ٹی، وی کی طرف اچانک اٹھی تو اس پر یہ پٹی چل رہی تھی۔ کہ مولانا فضل

الرحمان کی حفاظتی پولیس ہٹالی گئی ہے تو یقین سا آ گیا کہ عین ممکن ہے، ان صاحب کو کشمیر کمیٹی کی چیئر مین شپ سے سبکدوشی کا پروانہ بھی وصول ہونے کو ہے۔

مولانا فضل الرحمان کی حفاظتی پولیس ہٹانے کے بجائے مزید اہل کار تعینات کردینے چاہئیں کیونکہ یہ تو بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا والا معاملہ ہے، قبلہ پر کوئی چیک ہی نہیں آتا۔ مزید سازشوں اور مذموم رابطوں کا موقع اور آزادی خود بخود نصیب ہو گی۔

لہٰذا اب قبلہ مولانا مذکور جب چاہیں۔ دشمنانِ وطن ملا صوفی محمد ملاکنڈی، پنج پیری گروہ، بیت اللہ محسود، منیر شاکر منگل باگ، عزت خان، مسلم خان اور ان کے معاون شدت پسند لیڈروں سے با آسانی رابطے کر سکیں، ان کی مدد کر سکیں گے، بلکہ چاہیں تو بیرون ملک روپوش بھی کرا سکتے ہیں۔

حکومت اور پاک فوج ان ممکنہ خدشات سے بھی صرف نظر نہ کرے۔ مولانا فضل الرحمان کی خفیہ سخت نگرانی کا اہتمام کیا جائے، بلکہ قوم تو کہہ رہی ہے آپریشن راہِ راست کو بھی آخری فتح تک جاری رکھے اور اسے مکمل کرنے تک آپریشن مخالف تمام جماعتوں کو کالعدم قرار دے اور ان کے فتنہ گر، بدطینت اور بدنیت بڑے محرکین و معاونین کی صرف نظر بندی ہی نہیں زبان بندی کے احکامات بھی سختی کے ساتھ جاری کر دے۔ تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔

☆☆☆

حبیبِ مصطفٰے ﷺ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ

حبیبِ مصطفٰے صدیق اکبر	ہمارے راہنما صدیق اکبر
صحابہ کی رضا صدیق اکبر	جمالِ مصطفٰے صدیق اکبر
نگاہِ اولین کے منتخب وہ	زمانے کے شہا صدیق اکبر
نگاہِ مصطفٰی تھی جن پہ ہر دم	نگاہوں کی جلا صدیق اکبر
عمر کے دلربا عثماں کے پیارے	علی کے مقتداء صدیق اکبر
خلافت جن پہ نازاں وہ ہے ابوبکر	امام الاتقیا صدیق اکبر
نبی کے رازداں اور سب کے محبوب	امیرِ قافلہ صدیق اکبر
نظر میں جن کے صورت والضحیٰ کی	نگاہوں کی ضیاء صدیق اکبر
دیا سب کچھ لٹا حکمِ نبی پر	امام الاصفیا صدیق اکبر
وہ یارِ غار محبوبِ خدا کے	فدائے مصطفٰے صدیق اکبر
رجل اشجع کہا جس کو علی نے	نبی کے باوفا صدیق اکبر
وظیفہ جن کا دیکھوں مصطفٰے کو	عشق کی انتہا صدیق اکبر
صحابہ اور خدا کی جو رضا تھی	رضائے مصطفٰے صدیق اکبر
ربانی بھی گدائے کوئے صدیق	گدا ہر اک تیرا صدیق اکبر

صاحبزادہ محمد اقبال خاں ربانی ہمدی

عظمت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

صاحبزادہ حسنات احمد مرتضیٰ

حضرت ابوبکر صدیق ؓ وہ عظیم صحابی رسول جن کو سب سے پہلے توحید و رسالت کے نور سے اپنے سینے کو منور کرنے کی توفیق ملی ہے۔ پیغمبر اعظم و آخر ﷺ کی سب سے زیادہ قربت و صحبت بھی انہی کا مقدر بنی ہے۔ حضرت ابوبکر ؓ عظیم اخلاق حسنہ کے مالک تھے۔ آپ کی زندگی محبت کا پیکر دکھائی دیتی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے جب اعلان نبوت نہیں فرمایا تھا اس وقت بھی حضرت ابوبکر ؓ آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے۔ اپنے قلبی لگاؤ کی وجہ سے رسول کریم ﷺ کے بھی آپ محبوب بن گئے جیسا کہ ایک موقع پر رسول رحمت ﷺ سے سوال کیا گیا کہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا عائشہ کے والد یعنی حضرت ابوبکر صدیق ؓ۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے ۱۴۲ احادیث روایت کی گئیں ہیں۔ چھ احادیث پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں، گیارہ احادیث میں بخاری منفرد اور امام مسلم ایک روایت میں منفرد ہیں۔

حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا: آج تم میں سے روزہ دار کون ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے عرض کیا میں، پھر آپ ﷺ نے پوچھا آج تم میں سے جنازہ کے ساتھ کون گیا ہے حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے عرض کیا میں، پھر آپ ﷺ نے پوچھا آج تم میں سے مسکین کو کس نے کھانا کھلایا حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے عرض کی میں نے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص میں یہ تمام صفات جمع ہو جائیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔

گویا نبی پاک علیہ السلام نے دنیا ہی میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو جنت کی بشارت دے دی، ویسے بھی آپ کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے۔

حضرت عمر ؓ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا اور میرے پاس اس وقت بہت سا مال جمع تھا۔ میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ آج میں صدقہ کرنے میں سب سے سبقت لے جاؤں گا حتیٰ کہ حضرت ابوبکر ؓ سے بھی بڑھ جاؤں گا۔ اسی خاطر میں نے اپنا آدھا مال بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے پوچھا کہ اہل و عیال کے لئے بھی کچھ چھوڑا ہے تو عرض کی کہ آدھا مال اہل و عیال کے لئے گھر چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت ابوبکر ؓ نے بھی سارا مال خدمت میں پیش کیا تو رسول کریم ﷺ نے ان سے بھی یہی سوال کیا کہ ابوبکر ؓ گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ گھر والوں کے لئے اللہ اور اس کا رسول ﷺ چھوڑا ہے۔ حضرت عمر ؓ نے کہا کہ میں نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ میں کبھی ابوبکر ؓ سے بازی نہیں لے جا سکتا۔ اسی وجہ سے رسول کریم ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ مجھے جتنا ابوبکر ؓ کے مال سے نفع پہنچا ہے اتنا کسی کے مال سے نہیں۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر ؓ رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اور میرا مال سب کچھ آپ ہی کے لئے ہے۔ حضرت کے ان الفاظ سے اس بات کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ قبول اسلام کے بعد آپ نے اپنی ذات کو رسول کریم ﷺ پر نچھاور کر دیا۔ حضور ﷺ کی خوشی میں حضرت ابوبکر ؓ اپنی خوشی سمجھتے تھے اور آپ ؓ نے مشرکین اور کفار کی بڑی تکالیف برداشت کیں لیکن اس کے باوجود پیغمبر اعظم و آخر ﷺ سے محبت میں کمی نہ آنے دی۔ ایک موقع پر آپ ؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اعلانیہ نماز پڑھی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہم تعداد میں کم ہیں، اصرار کیا تو فرمایا ٹھیک ہے۔ باہر نکلے تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے خطبہ دیا اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ اس پر مشرکین مکہ آگ بگولا ہو گئے۔ انہوں نے آپ ؓ کو زدوکوب کیا حتیٰ کہ آپ بے ہوش ہو گئے، چہرے پر کئی زخم آئے، آپ کو اٹھا کر گھر پہنچایا گیا، جب آپ کو ہوش آیا تو آپ نے پوچھا کہ رسول کریم ﷺ کا کیا حال ہے۔ اس پر لوگوں نے ملامت بھی کی مگر آپ نے پھر پوچھا کہ آپ ﷺ خیریت سے ہیں؟ آپ ؓ کی والدہ قسم اٹھا کر کہنے لگیں کہ مجھے ان کا حال معلوم نہیں۔ آپ ؓ نے فرمایا کہ اُم جمیل سے دریافت کیا جائے تو ام جمیل کو بلایا گیا، اس نے آ کر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو رسول کریم ﷺ کے بارے میں بتایا کہ وہ خیریت سے ہیں۔ وہ کہنے لگیں کہ اللہ رب العالمین ضرور مشرکین سے انتقام لے گا کہ انہوں نے آپ کی اس قدر نازک حالت کر دی ہے، پھر حضرت ؓ کہنے لگے کہ میں اس وقت تک کچھ نہ کھاؤں پیوں گا جب تک میں حضور ﷺ کی زیارت نہ کر لوں۔ آپ کی والدہ نے آپ کو آپ کے حال پر چھوڑ دیا۔ کچھ دیر بعد افاقہ ہوا تو آپ کی والدہ آپ کو سہارے سے لگا کر حضور ﷺ کی خدمت میں لے گئیں۔ ان کی نازک حالت کو دیکھ کر رسول کریم ﷺ کو بہت صدمہ ہوا۔ آپ ﷺ آگے بڑھے اور ان کا بوسہ لیا۔ آپ ﷺ کی طرف دیکھ کر سب مسلمان بھی آپ کی طرف جھک گئے پھر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں، مجھے کچھ تکلیف نہیں سوائے چہرے کے زخموں کے، یہ میری والدہ ہیں آپ ان کے لئے دعا فرمائیں کہ یہ بھی اسلام قبول کر لیں، حضور ﷺ نے دعا فرمائی انہوں نے بھی کلمہ پڑھ لیا۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سخت تکلیف و مصیبت اور درد و الم کے عالم میں بھی کی و مدنی تاجدار کو صدیق اکبر ؓ نے فراموش نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے ایک موقع پر حضرت حسان بن ثابت ؓ سے کہا کہ تم نے کچھ ابوبکر ؓ کے بارے میں بھی کہا ہے، اس لئے کہ قبول اسلام کے بعد حضرت حسان اکثر

حضورﷺ کی تعریف اور نعت ہی کہتے تھے لیکن آپ جانتے تھے کہ محبوب کریم ﷺ کو ابوبکرؓ سے بہت محبت ہے۔ اس لئے انہوں نے ان کے بارے میں بھی اشعار کہے۔ بارگاہ رسالت ﷺ میں حضرت حسانؓ نے عرض کی جی ہاں! آپ نے فرمایا کہو میں سننا چاہتا ہوں پھر حسان نے یہ اشعار پڑھے:

ثانی اثنین فی الغار المنیف وقد طاف العد و به اذ صعد الجبلا
وکان حب رسول اللہ قد علموا
من البریة لم یعدل به رجلا

ابوبکر مقدس غار میں دو میں سے دوسرے تھے اس وقت جب دشمن پہاڑ پر چڑھ کر غار کے چکر لگا رہے تھے اور آپ رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے، سب لوگ یہ جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ابوبکرؓ کے برابر کسی سے محبت نہیں کرتے۔

یہ اشعار سن کر رسول اللہ ﷺ اس قدر ہنسے کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہوگئے، پھر آپ نے فرمایا: ''حسان تم نے بالکل سچ کہا واقعی ابوبکر ایسے ہی ہیں جیسا تم نے کہا ہے''۔

حضرت حسانؓ نے دراصل اس وقت کا منظر بیان کیا کہ جب مشرکین مکہ نے مسلمانوں اور خصوصاً پیغمبر اسلام کو اتنی اذیتیں پہنچائیں کہ آپ نے اذن الٰہی سے مدینہ ہجرت فرمانے کا ارادہ کیا تو رات کو حضرت ابوبکرؓ کو جگایا اور ان کو ساتھ لیا۔ جب ایک غار میں پناہ لینے کے لئے رکے تو حضرت ابوبکرؓ نے پہلے غار میں داخل ہو کر اپنے عمامہ کے ساتھ تمام سوراخ بند کئے آخری سوراخ پر پاؤں رکھ لیا جس سے موذی جانور آپ کو بار بار کاٹتا لیکن اس کا کاٹا برداشت کرتے رہے، صرف اس وجہ سے کہ حضورﷺ کو تکلیف نہ ہو، ادھر باہر مشرکین بھی گشت کر رہے تھے تو حضرت ابوبکرؓ کو خیال ہوا کہ کہیں کوئی مشرک تکلیف نہ دے دے اگر اس کو خبر ہو جائے، اسی منظر کو رب العالمین نے قرآن میں بھی بیان کیا اور حضرت کو تسلی دی:

ثانی اثنین اذ هما فی الغار اذ یقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا ۔

''آیہ قرآن میں یہ فرمایا کہ حضورﷺ نے ابوبکر سے کہا کہ غم نہ کر بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے''۔ یقیناً ایک نبی اپنی قوم کو یہی سبق اور درس دیتا ہے کہ کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اللہ سے صرف ڈرا کرو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ لوگ ایک مرتبہ بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے تھے کہ ایک نے پوچھا تمہاری عبادت کا ذوق کیا ہے یعنی تمہیں سب سے زیادہ کس عبادت میں سکون و راحت نصیب ہوتی ہے تو جواب ملا نماز پڑھنے سے، دوسرے نے کہا قرآن کی تلاوت کرنے سے، تیسرے نے کہا روزہ رکھنے سے، چوتھے نے کہا شب بیداری سے، کسی نے کہا کہ اس محفل میں ایک صاحب ایسے بھی تشریف فرما ہیں جنہوں نے رسول کریم ﷺ کی محبت میں سب سے زیادہ وقت گزارا ہے، ذرا ان کی رائے بھی معلوم کرو یقیناً ان کی رائے باقی تمام کی نسبت زیادہ قوی ہوگی۔ سب نے جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے جواب کا انتظار کیا تو آپ نے فرمایا کہ نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، تلاوت کرنا اور شب بیداری، بے شک یہ بڑے عظیم اور درجات والے کام ہیں لیکن مجھے سب سے زیادہ اس عبادت میں سکون نصیب ہوتا ہے کہ چہرہ مصطفےٰ کریم ﷺ کا ہو اور ابوبکرؓ کی نگاہیں ہوں اور چہرہ والضحیٰ کا دیدار کرتی رہیں۔

محبت رسول ﷺ کی ایک اور مثال بھی نہایت عمدہ ہے کہ جب حضورﷺ کا وصال ہوا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ رسول بنایا گیا تو صحابہ کرام نے مشورہ دیا کہ وہ لشکر جس کا سپہ سالار اسامہ کو بنایا گیا ہے، آپ اس کی جگہ کوئی تجربہ کار جنگ آزمودہ صحابی کو مقرر کریں حالانکہ اس کو حضورﷺ نے مقرر فرمایا۔ حضرت عمر، آپ کی خدمت میں ان کو انصار نے بھیجا تھا، انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں عرض کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اے عمر! تم پر تمہاری ماں روئے وہ فیصلہ جو رسول کریم ﷺ نے کیا ابوبکر اس کو تبدیل کرنے والا کون ہوتا ہے، اگر درندے بھی آکر مجھے کھا جائیں تو اس فیصلہ کو میں نہیں بدل سکتا، پھر آپ نے حضرت اسامہؓ ہی کی قیادت میں اس قافلہ کو روانہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سیرت سے ہمیں یہ سبق ضرور سیکھنا چاہئے کہ اپنے دفاع کے فیصلوں کو موثر کرنا چاہئے اور نبی کریم ﷺ کے فیصلوں کو مقدم جاننا چاہئے۔

☆☆☆

دینی مسائل اور ان کا حل

"مسائل دین و دنیا" کے عنوان کے تحت قارئین کرام کے ان سوالات کے جوابات قرآن و حدیث کی روشنی میں پیش کیے جاتے ہیں جو کہ روزمرہ حیات میں مختلف اعمال، افعال کی بجا آوری کے دوران انسانی ذہن میں پیدا ہوتے رہتے ہیں اور جو ذہنی و روحانی الجھنوں کا باعث بنتے ہیں۔ آپ کو بھی کوئی الجھن درپیش ہو یا ذہن کے نہاں خانے میں کوئی سوال پیدا ہو کر پریشان کر رہا ہو تو فوراً لکھیے۔ آپ کو ان شاء اللہ تعالیٰ اس سوال کا شافی، کافی جواب دیا جائے گا۔

محمد لیاقت علی مفتی

سوال:۔ ٹیپ یا ریڈیو پر آیت سجدہ پڑھی گئی تو کیا سامع پر سجدہ تلاوت کا ادا کرنا واجب ہے یا کہ نہیں اور اگر ہے تو جس بندہ کو علم نہیں کہ یہاں سجدہ ہے تو اس کے نہ ادا کرنے پر کیا حکم ہے؟ (ضیاء الدین، راولپنڈی)

جواب:۔ سجدہ تلاوت کے واجب ہونے کے سبب دو ہیں۔ ایک تلاوت اور دوسرا سماع یعنی تلاوت کرنے والے پر بھی سجدہ تلاوت واجب ہے اور سننے والے پر بھی۔ سننے والا چاہے سننے کا ارادہ رکھتا ہو یا غیر ارادی طور پر تلاوت سنی گئی۔ بہر صورت سجدہ واجب ہے۔ سامع پر سجدہ تلاوت واجب ہونے کے لئے تالی (تلاوت کرنے والے) کا نظر آنا بھی شرط نہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی مسجد میں تلاوت کر رہا ہو، اس نے آیت سجدہ پڑھی، کوئی آدمی مسجد سے باہر بیٹھا ہے۔ اس نے اگر وہ آیت سن لی تو فقہاء کی تصریح کے مطابق اس پر بھی سجدہ تلاوت واجب ہے۔ ریڈیو، ٹیپ یا ٹیلی ویژن سے آیت سجدہ سننے کی صورت میں بھی چونکہ علت سماع پائی گئی لہٰذا سجدہ تلاوت واجب ہوگا۔

رہا یہ معاملہ کہ کسی کو علم نہیں تھا جس کی وجہ سے وہ سجدہ نہ کر سکا تو جب اس کو مسئلے کا علم ہو وہ چھوڑے گئے سجدے ادا کر لے کیونکہ سجدہ تلاوت کا نماز کے علاوہ فوراً ادا کرنا محض امر مستحب ہے۔ اس میں تاخیر کی گنجائش موجود ہے۔ لہٰذا وہ جب بھی سجدہ تلاوت کرے گا وہ ادا ہی ہوگا۔

سوال:۔ جمعہ والے دن آج کل دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے لوگ عین جماعت کے وقت مسجد میں آتے ہیں جس کی وجہ سے وہ خطبہ نہیں سن سکتے۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا ان کی نماز ہو جاتی ہے اور نیز یہ کہ خطبہ کی حیثیت نماز جمعہ میں کیا ہے؟ (عرفان احمد، اسلام آباد)

جواب:۔ رسول کریم ﷺ نے ساری زندگی نماز جمعہ خطبہ کے ساتھ ادا فرمائی۔ کبھی ایک مرتبہ بھی بغیر خطبہ نماز جمعہ ادا نہ کی گئی۔ بغیر ترک، دوام عمل وجوب کو ثابت کرتا ہے۔ اسی لئے فقہائے عظام نے خطبہ کو نماز جمعہ کی شرائط میں شامل فرمایا ہے۔ کنز الدقائق، شرح وقایہ اور ہدایہ شریف سمیت تمام کتب میں شرائط جمعہ میں خطبہ بھی مذکور ہے۔ کنز کے محشی نے تو یہ بھی لکھا

حتی لو صلوا بلا خطبة او صلوا قبل خطبة او خطب قبل الوقت لم تجز

یعنی اگر لوگوں نے جمعہ بغیر خطبہ کے پڑھا، یا خطبہ سے پہلے نماز جمعہ ادا کی یا خطبہ تو دیا مگر وقت سے پہلے تو تمام صورتیں ناجائز ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے بغیر نماز جمعہ درست نہیں ہوتی۔

خطبہ جمعہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ خطبہ ترک کرنے والوں کے بارے میں نص قطعی موجود ہے۔ ہوا یوں کہ ایک زمانہ میں مدینہ شریف میں اناج کی شدید قلت پیدا ہوئی۔ نوبت فاقوں تک جا پہنچی۔ جمعہ کا دن تھا رسول کریم ﷺ مسجد شریف میں خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے۔ کسی نے آواز لگائی کہ کہیں سے غلہ آیا ہے جنہوں نے لینا ہے لے لیں۔ بعض لوگوں نے سوچا کہ اگر ہم نہیں جاتے ہیں تو اناج ختم ہو جائے گا۔ اسی خیال کے ساتھ انہوں نے رسول کریم ﷺ کا خطبہ چھوڑا اور مسجد سے باہر نکل گئے۔ خالق کائنات کو ان کی یہ بات پسند نہ آئی سو فوراً رسول کریم ﷺ پر یہ آیت نازل کی گئی

و اذار أوا تجارة او لهوا انفضوا اليها و تركوك قائما قل ما عندالله خير من اللهو و من التجارة والله خير الرازقين

اور جب انہوں نے تجارت یا تماشا دیکھا تو اسی کی طرف ٹوٹ پڑے اور آپ ﷺ کو کھڑا چھوڑ دیا فرما دیجئے اللہ کے ہاں جو کچھ ہے وہ کھیل تماشوں اور دھندوں سے بہت بہتر ہے اور اللہ ہی بہترین روزی دینے والا ہے۔ (تذکرہ)

اہمیت خطبہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے بھی واضح ہوتی ہے:

اذا خرج الامام لا صلوة ولا كلام۔ جب امام (خطبہ کے لئے) آجائے تو نہ نماز ہے نہ کلام۔

غور کرنا چاہیے کہ نماز تو عبادت ہے اللہ کی مگر خطبہ اتنی اہم ریاضت ہے کہ شروع ہو جائے تو نماز پڑھنے کی بھی ممانعت فرما دی گئی۔ دوران خطبہ جب نماز پڑھنا بھی امر ممنوع ہے تو دنیاوی دھندوں میں الجھ کر ترک خطبہ کس طرح روا ہو سکتا ہے۔

ایک مرتبہ جمعہ اور خطبہ جمعہ کی اہمیت رسول اللہ ﷺ نے یوں بیان فرمائی:

من غسل يوم الجمعة واغتسل و بكر وابتكر و مشىٰ ولم يركب و دنا من الامام واستمع ولم يلغ كان له بكل خطوة عمل سنة اجر صيامها و قيامها (ترمذی نسائی)

جس نے جمعہ والے دن غسل کروایا اور غسل کیا پھر جلدی کروائی اور جلدی کی اور پیدل چلا یعنی سوار نہ ہوا اور امام سے قریب بیٹھ کر توجہ اور انہماک سے خطبہ سنا اور دوران خطبہ کوئی لغو کام نہ کیا اس کے لئے ہر قدم کے بدلے ایک سال کے روزوں اور سال بھر کے قیام کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے۔

سوال:۔ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق دی الفاظ طلاق یہ ہیں۔ "تمام تر حالات کی وجہ سے میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں۔ آج کے بعد وہ میری طرف سے آزاد ہے اس کا اور میرا اب کوئی تعلق نہیں"۔ اب وہ دونوں میاں بیوی اکٹھے رہنا چاہتے ہیں صورت مسئلہ کیا ہوگی؟ (غلام حسین ایبٹ آباد)

جواب:۔ صورت مذکور میں بیوی کو ایک طلاق صریح اور دو کنایہ طلاقیں دی گئیں۔ پہلی طلاق جو صریح ہے وہ رجعی تھی مگر اس کے ساتھ ہی دوسری طلاق کنایہ "وہ میری طرف سے آزاد ہے" بھی واقع ہوگئی اور طلاق کے باب میں فقہ کا معروف قاعدہ ہے:

الصریح یلحق الصریح والبائن، والبائن یلحق الصریح لاالبائن الا اذا کان معلقا

اس قاعدے کی رو سے پہلی طلاق بھی واقع ہوگئی جو رجعی تھی اور دوسری بھی جو کنایہ بائن تھی، چونکہ دوسری طلاق سے بیوی کے بائن ہونے کی وجہ سے نکاح ختم ہوگیا لہذا تیسری طلاق "اس کا میرا کوئی تعلق نہیں" لغو ہو جائے گی کیونکہ اس کا محل ہی باقی نہ رہا۔ اب اگر وہ دونوں میاں بیوی دوبارہ اکٹھے رہنا چاہیں تو وہ نئے مہر اور نکاح جدید کے ساتھ ایسا کر سکتے ہیں۔

☆☆☆

ہوئے تاکہ مسیلمہ کذاب کو قتل کر سکیں۔ دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل نکل آئے۔ چند روز تک جنگ جاری رہی بالآخر مسیلمہ کذاب حضرت وحشی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس وقت اس کی عمر ایک سو پچاس سال تھی۔

مسیلمہ کذاب اور فتنہ ارتداد کے مٹ جانے کے بعد آپ نے دیگر امور کی جانب توجہ مبذول فرمائی۔ کافی علاقے فتح ہوئے۔ قرآن مجید فرقان حمید کو یکجا اکٹھا کرنے کا حضرت زید بن ثابت ﷛ کو حکم فرمایا۔

نام و نسب:

آپ کا اسمِ گرامی عبداللہ بن قحافہ۔ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی، ماں کا نام ام الخیر سلمٰی بنت صخر تھا۔ نسب کے لحاظ سے جناب صدیق اکبر ﷛ اور رسول کریم ﷺ مرہ بن کعب کی اولاد میں۔ آپ کی کنیت ابو بکر، القاب عتیق اور صدیق ہیں۔

ابو بکر:

سیدنا صدیق اکبر ﷛ کو زیادہ تر ان کی کنیت سے ہی پہچانا اور پکارا جاتا ہے۔ اس لئے یہاں بکر کے چند لغوی معنی بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

بکر: اولیت والے، ابتداء کرنے والے، آگے بڑھنے والے، پیش قدمی کرنے والے کو اور صبح کے وقت کسی کے پاس جانے کو کہتے ہیں۔ ہر نیکی میں آگے بڑھنا، ہر بھلائی میں پیش قدمی کرنا آپ کے اوصافِ حمیدہ میں شامل تھا۔ اس لئے بھی آپ کو "ابو بکر" کہا جاتا ہے۔

بکیرہ: سب سے پہلے مراد کو پہنچنے والا

باکورہ: درخت کا پہلا پھل

مبکر: موسم کی پہلی بارش (المنجد)

آپ کی کنیت اور اس کے معنوں پر غور کرنے سے جو نتیجہ نکلتا ہے، وہ یہ ہے کہ

سب سے پہلے مراد کو پہنچنے والا کون؟ ابو بکر ﷛۔

شجرِ اسلام کا پہلا پھل کون؟ ابو بکر ﷛۔

بہارِ اسلام کی پہلی بارش کا مصداق کون۔ ابو بکر ﷛۔

بکر: الفتی من الابل (نوجوان اونٹ) کو بھی کہتے ہیں چونکہ آپ اونٹوں کی خطرناک اور پیچیدہ بیماریوں کے بہترین معالج اور ان سے متعلق تمام چیزوں کی بہت زیادہ واقفیت رکھتے تھے اس لحاظ سے بھی آپ کو ابو بکر کہا جاتا ہے۔

عتیق:

آپ ﷛ کا ایک لقب عتیق ہے اور عتیق کے معنی آزاد کے ہیں۔ حضور ﷺ نے آپ کو عتیق من النار (آتش دوزخ سے آزاد) فرمایا ہے۔

مشکوٰۃ شریف باب مناقب ابی بکر فصل ثالث میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا سے روایت منقول ہے کہ حضرت ابو بکر ﷛، رسول پاک ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا انت عتیق اللہ من النار۔ کہ آپ آگ سے اللہ کی طرف سے آزاد شدہ ہیں فیو منذ سمی عتیقا۔ اسی دن سے آپ کا نام عتیق رکھا گیا یعنی مشہور ہو گیا۔

عتیق کے معنی: الکریم، نجی: الخیار من کل شئی ہر چیز میں سے بہترین کے بھی ہیں۔

جناب لیث بن سعد فرماتے ہیں "سمی بذالک لعتاقۃ وجھہ و جمالہ۔ یعنی آپ کو کشادہ روئی اور حسن و جمال کی وجہ سے بھی عتیق کہا جاتا ہے۔ کیونکہ عتق حسن و جمال کو کہتے ہیں اور آپ نہایت خوبصورت اور صاحب حسن و جمال تھے۔

صدیق:

آپ ﷛ کا دوسرا لقب صدیق ہے اور صدیق کے معنی الکثیر فی الصدق: بہت سچا۔ الکامل فی الصدق۔ سچائی میں کامل۔ الذی یصدق قولہ با لعمل: اپنے قول کی عمل سے تصدیق کرنے والا۔

البار الدائم التصدیق۔ نیکی کی ہمیشہ تصدیق کرنے والا کے ہیں اور آپ کو صدیق اسی لئے کہا جاتا ہے کہ آپ نے کبھی جھوٹ نہ بولا، ہمیشہ سچ بولتے، سچی بات کرتے اور سچ کا ساتھ دیتے۔

لقب صدیق کی دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ ﷛ نے بغیر کسی پس و پیش اور تردد کے رسول پاک صاحب لولاک ﷺ کی رسالت و نبوت کی

تصدیق کی۔

فرمانِ رسول ﷺ:

امام احمد بن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تالیف ۔ الصواعق المحرقہ میں بخاری ، ترمذی ، مسند امام احمد ابو حاتم وغیرہ سے بایں الفاظ روایت نقل فرماتے ہیں کہ:

حضرت انس بن مالک ﷛ فرماتے ہیں کہ ایک روز سرورِ عالم ﷺ اور آپ کے ہمراہ ابوبکر و عمر و عثمان ﷛ احد پہاڑ پر چڑھے تو احد پر لرزہ طاری ہوگیا (عالم کیف وسرور میں جھومنے لگا) تو حضور سرورِ عالم ﷺ نے احد پر اپنے پاؤں مبارک سے ٹھوکر لگائی اور فرمایا:

"اثبت احد فانما علیک نبی وصدیق وشهیدان."

"احد ٹھہر جا تجھ پر ایک نبی ، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔"

(صواعق محرقہ مکتبہ مجیدیہ ملتان صفحہ ۸۰ سطر ۱۷)

خیال رہے کہ اس حدیث مصطفےٰ ﷺ سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ خدائے بزرگ و برتر نے آنے والے حالات و واقعات کا علم اپنے پیارے رسول کو عطا فرمایا ہے جبھی تو حضور ﷺ نے حضرت عمر فاروق اور عثمان رضی اللہ عنہما کو ان کی شہادت کی خبر کئی سال پہلے دے دی۔

علامہ ڈاکٹر اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے حضور ان الفاظ میں نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

سید کل صاحب ام الکتاب
پردگیہاں بر ضمیرش بے حجاب

سید کل صاحب ام الکتاب علیہ السلام ﷺ کے سامنے تمام حقیقتیں بے حجاب ہو جاتی ہیں۔

تصدیق معراج:

سعید بن منصور نے اپنی سنن میں ابی ذہب سے بیان کیا ہے کہ جب رسول کریم ﷺ شب اسریٰ سے واپسی پر مقام ذی طویٰ پر پہنچے تو آپ نے فرمایا اے جبریل! میری قوم میری تصدیق نہیں کرے گی تو حضرت جبریل نے عرض کیا:

"یصدقک ابو بکر وھو الصدق."

(صواعق محرقہ صفحہ ۷۰)

ابوبکر آپ کی تصدیق کرے گا اور وہ صدیق (سچا) ہے

ارشاد مولا علی ﷛:

دار قطنی اور حاکم نے ابو یحییٰ سے ، طبرانی نے ابن سعد سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بارہا منبر پر کھڑے ہوکر اور قسم اٹھا کر فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے ابوبکر ﷛ کا لقب رسول کریم ﷺ کی زبانی "صدیق" نازل فرمایا۔ (تاریخ الخلفاء)

بادشاہ کشور صدق و صداقت پر سلام
صد ہزاروں واقف رمز حقیقت پر سلام

(خضر)

ارشاد امام باقر ﷛

سیدنا شیخ الاسلام والمسلمین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تالیف لطیف "مذہب شیعہ" کے صفحہ نمبر ۲۵ پر اہل تشیع کی مشہور ترین کتاب کشف الغمہ صفحہ نمبر ۲۲۰ کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ امام عالی مقام امام محمد باقر ﷛ سے ایک شیعہ صاحب نے مسئلہ دریافت کیا کہ یا حضرت تلواروں کو زیور لگانا (چاندی وغیرہ سے مرصع کرنا) جائز ہے یا نہیں۔ امام صاحب ﷛ نے فرمایا۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں جب کہ ابو بکر صدیق ﷛ نے اپنی تلوار کو زیور لگایا ہوا تھا۔ شیعہ صاحب نے عرض کیا کہ آپ بھی ان کو صدیق کہتے ہیں اس پر امام عالی مقام ﷛ (شدت غضب سے) اچھل پڑے اور قبلہ شریف کی طرف رخ انور کر کے فرمایا کہ ہاں وہ صدیق ہیں ، ہاں وہ صدیق ہیں ، ہاں وہ صدیق ہیں۔

"فمن لم یقل له الصدیق فلا صدقه الله قولا فی الدنیا ولا فی الاخرة".

"پس جو ان کو صدیق نہیں کہتا اللہ تعالیٰ اس کے کسی قول کو نہ دنیا میں سچا کرے اور نہ آخرت میں۔

مذکورہ احادیث وروایات سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ سیدنا ابوبکر ﷜ کو صدیق کا لقب دربار رسالت سے ملا جس کی تصدیق مولائے کائنات سیدنا حیدر کرار کرم اللہ وجہہ الکریم اور سیدنا امام محمد باقر ﷜ نے کی۔ یہ خیال رہے کہ جس کو صدیقیت کی دستار خود رسول خدا ﷺ عطا کریں اور جس کی صداقت کی گواہی حیدر کرار دیں اس کی شان میں گستاخیاں ایسا بدترین گناہ ہے جو خدا تعالیٰ کبھی بھی معاف نہیں کریں گا۔

صدیق اکبر ﷜ ازروئے قرآن حکیم:

کشور عشق ومحبت پہ ہے شاہی تیری
اس لئے خضر بھی کرتا ہے گدائی تیری
تیری صدیق کے انداز پہ صدقے جاؤں
جا بجا دیتا ہے قرآن گواہی تیری

جناب سیدنا ابوبکر صدیق اکبر ﷜ کی شان میں قرآن مجید فرقان حمید میں متعدد آیات موجود ہیں۔ یہاں صرف چند آیات پر ہی اکتفاء کیا جاتا ہے۔

آیت نمبر 1: تصدیق کرنے والا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

والذی جاء با لصدق وصدق به اولئک هم المتقون۔ (پارہ ۲۴ سورۃ زمر آیت ۳۳)

اور وہ جو سچ لے کر تشریف لائے اور جنہوں نے ان کی تصدیق کی یہی لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں۔

اس آیت پاک کی تفسیر سیدنا علی شیر خدا ﷜ نے بیان فرمائی ہے اور آپ کے علم وبصیرت کی بلندیوں کا کوئی صاحب ایمان انکار نہیں کر سکتا۔ ملاحظہ فرمائیں:

"روی عن علی رضی الله عنه انه قال والذی جاء با لصدق محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم "والذی صدق به " ابو بکر الصدیق رضی الله عنه ." (تفسیر نفسی۔ تفسیر خازن)

حضرت علی ﷜ سے روایت ہے کہ "والذی جاء بالصدق" (وہ ہستی جو صداقت لے کر آئی) سے مراد حضور ﷺ ہیں اور الذی صدق به (جس نے اس کی تصدیق کی) سے مراد ابوبکر صدیق ﷜ ہیں۔

علامہ آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی میں یوں رقم طراز ہیں:

"الذی جاء با لصدق ."هو الرسول صلی الله علیه وسلم". والذی صدق به "هو ابو بکر رضی الله عنه ."

سچ لانے والے رسول کریم ﷺ ہیں اور اس سچائی کی تصدیق کرنے والے ابوبکر صدیق ﷜ ہیں۔

خیال رہے کہ یہ اولیت بھی آپ ہی کے حصہ میں آئی کہ آپ نے رسالت مآب ﷺ کی اس وقت تصدیق کی جب دوسرے لوگ آپ کو جھٹلا رہے تھے:

رسول پاک نے معراج کی تصدیق کرنے پر
لقب صدیق اکبر کا دیا صدیق اکبر کو

آیت نمبر 2: پرہیزگار اور سخی

"وسیجنبها الاتقی. الذی یو تی ماله یتزکی. وما لا حد عنده من نعمة تجزی .الا ابتغاء وجه ربه الا علی. " (پارہ ۳۰ سورہ لیل)

اور بہت دور رکھا جائے گا اس سے (ہر قسم کا عذاب) جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے جو دیتا ہے اپنا مال کہ ستھرا ہو اور اس کا کسی پر کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے۔

ان آیات کی شان نزول کتب تفاسیر میں یہ ہے کہ جب حضرت سیدنا صدیق اکبر ﷜ نے جناب سید بلال ﷜ کی بھاری قیمت ادا کی اور خرید کر آزاد فرمایا تو بعض کفار مکہ نے کہنا شروع کر دیا کہ شائد حضرت بلال ﷜ کا امیہ بن خلف کا ابوبکر ﷜ پر کوئی احسان ہوگا جس کے بدلے میں انہوں نے اتنی گراں قیمت میں بلال کو خرید کر آزاد فرما دیا ہے تو ان کی تردید ومذمت میں یہ آیات نازل ہوئیں جن میں فرمایا گیا ہے کہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یا تم میں کسی کا فر کا کوئی احسان نہیں، بلکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو صرف رضائے حق اور خوشنودی رسولِ برحق ﷺ کے پیش نظر خرید کر آزاد کیا ہے۔ یہ ہے شان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہ ان کے خلوص دل اور حسن نیت کی خدا تعالیٰ نے خود گواہی دی۔

بڑا ہی مرتبہ اونچا ملا صدیق اکبر کو
ہے کرتا یاد قرآن میں خدا صدیق اکبر کو

آیت نمبر3: اعلان بخشش

ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم لتقویٰ ط لھم مغفرة واجرھم عظیم۔ (پارہ ۲۶ سورہ حجرات آیت ۳)

جو پست رکھتے ہیں اپنی آوازوں کو اللہ کے رسول کے سامنے یہی وہ لوگ ہیں مختص کر لیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقوے کے لئے انہیں کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے۔

یہ آیت کریمہ صحابہ کبار خصوصاً حضرات شیخین کریمین صدیق وفاروق رضی اللہ عنہما کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ جب اس سے پہلی آیت لا ترفعو اصواتکم فوق صوت النبی (یعنی اپنی آوازوں کو اونچی نہ کرو نبی علیہ السلام کی آواز سے) نازل ہوئی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہمیشہ نہایت ہی دھیمی آواز میں سرکار علیہ السلام سے گفتگو کرتے اور جب کوئی وفد حضور ﷺ سے ملاقات کے لئے مدینہ طیبہ پہنچتا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان کی طرف ایک خاص آدمی بھیجتے جو انہیں (دربار رسالت ﷺ) میں حاضری کے آداب بتاتا اور ہر طرح ادب واحترام ملحوظ رکھنے کی تلقین کرتا۔

وکان اذا قدم علی رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ و السلام ارسل الیھم ابو بکر من یعلمھم کیف یسلمون ویامرھم بالسکینة والوقار عند وسول اللہ صلی اللہ وسلم۔ (روح المعانی جلد ۱۳ صفحہ ۱۳۵)

اسی لئے حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت کے تحت اپنی تفسیر نور العرفان میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بخشش ایسی یقینی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا یقینی ہے کہ رب نے ان کی بخشش کا اعلان کر دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ان دونوں بزرگوں کا ثواب واجر ہمارے وہم وخیال سے بھی بالا ہے کہ رب نے اسے عظیم فرمایا۔ تمام دنیا قلیل ہے مگر ان کا ثواب عظیم ہے۔

صدیق وفاروق رضی اللہ عنہما وبارگاہ رسالت میں ادب واحترام ملحوظ رکھنے کی بناء پر اجر عظیم کی بشارت دی اور ساتھ ہی ان کی بخشش کا اعلان بھی فرمایا اور اسی حقیقت کو فخر المشائخ حضرت خواجہ غلام فخر الدین فخر سیالوی صاحب نے یوں بیان فرمایا ہے:

باب جبریئل کے پہلو میں ذرا دھیرے سے
فخر کہتے ہوئے جبریئل کو یوں پایا گیا
اپنی پلکوں سے درِ یار پہ دستک دینا
اونچی آواز ہوئی عمر کا سرمایہ گیا

آیت نمبر4: خدا صدیق سے محبت کرتا ہے

ارشاد خدائے ذوالمنن ہے:

یا یھا الذین امنو من یر تد منکم عن دینه فسوف یا تی اللہ بقوم یحبھم ویحبونه اذلة علی المومنین اعزة علی الکفرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومة لائم ۔ذالک فضل اللہ یوتیه من یشاء واللہ واسع علیم۔ (پارہ ۶ سورہ مائدہ آیت ۵۴)

اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا۔ عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا مسلمان پر نرم اور کافروں پر سخت۔ اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ علم والا وسعت والا ہے۔

علامہ امام علاؤ الدین علی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر خازن میں اس آیت کے ضمن میں روایت فرماتے ہیں۔

"فقال علی بن ابی طالب والحسن وقتادةھم ابو بکر واصحابه الذین قا تلو اھل الر دة وما بغی الزکوٰة ."

یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضرت حسن ﷺ اور حضرت قتادہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ابوبکر اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم ہیں۔ جنہوں نے مرتدین اور منکرین زکوۃ سے جنگ کی۔

علامہ امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نفسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر نفسی میں رقم طراز ہیں:

"والاٰیۃ خلافۃ الصدیق لانہ جاھد المرتدین "

اس میں خلافت صدیق کا اثبات ہے اس لئے کہ آپ نے مرتدین سے جہاد فرمایا۔

دور حاضر کے مفکر حضرت ضیاء الامت اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں یوں رقم طراز ہیں:

حضرت صدیق اکبر ﷺ اور ان کے جانباز مجاہدوں کو قرآن کریم کن الفاظ سے خراج تحسین پیش کر رہا ہے۔ جس کے سپاہیوں کی یہ شان ہو، جس کے لشکری ان اوصاف حمیدہ سے متصف ہوں، جنہیں زبان قدرت ان پاکیزہ جملوں سے سرفراز فرما رہی ہو۔ اس خلیفہ برحق کی شان کتنی رفیع اور اس کا مقام کتنا بلند ہوگا۔ ایسے خلیفہ کی خلافت کی حقانیت کے بارے میں کسی ایسے شخص کو تو کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ جو قرآن کو خدا کا کلام اور اپنے خدا کو علیم بذات الصدور یقین کرتا ہو۔

آیت نمبر 5: خلافت صدیق

ارشاد خدائے لم یزل ہے:

وعداللہ الذی امنو منکم وعملو ا الصلحت لیستخلفنھم فی الا رض ۔(۱۸، سورہ النور آیت ۵۵)

وعدہ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک کام کئے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوۃ والسلام کے جاں نثار غلاموں کے ساتھ وعدہ فرمایا کہ میں تمہیں اپنی زمین میں خلافت وحکومت سے سرفراز فرماؤں گا اور "منکم" کے الفاظ اس بات پر شاہد عادل ہیں کہ اس ارشاد خداوندی کے اولین مخاطب صحابہ کرام ہیں جن میں صدیق اکبر ﷺ سب سے ممتاز ہیں اور یہ آیت طیبہ خلافت صدیقی کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔

علامہ علاؤالدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

وفی الایۃ دلیل علی صحۃ خلافۃ ابی بکر الصدق والخلفاء الراشد ین بعدہ لا ن فی ایا مھم کانت الفتوحات العظیمۃوفتحت کنوز کسریٰ وغیرہ من الملوک وحصل الامن والتمکین وظھور الدین (تفسیر خازن)

یعنی اس آیت میں صدیق اکبر ﷺ اور ان کے بعد کے خلفائے راشدین کی خلافت کے برحق ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ ان کے عہد میں عظیم فتوحات ہوئیں۔ کسریٰ اور دیگر بادشاہوں کے خزانے فتح ہوئے۔ امن، غلبہ اور ظہور اسلام کا حصول ہوا۔

علامہ نفسی نے اس آیت کے تحت "استخلف ابو بکر " (ابوبکر کو خلیفہ بنایا گیا) کے الفاظ سے خلافت صدیقی کی حقانیت بیان فرمائی ہے۔

حضرت جبیر بن مطعم ﷺ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر کسی وقت آنا اس نے عرض کیا یارسول اللہ اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں (یعنی اگر آپ کا وصال ہو چکا ہو) تو آپ نے فرمایا:

"ان لم تجدینی فاتی ابا بکر "

"اگر تو مجھے نہ پائے تو ابوبکر کے پاس چلی جانا" (مسلم شریف، بخاری شریف، ترمذی شریف)

ابن عساکر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک عورت حضور رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں کسی مسئلہ کی دریافت کے لئے حاضر ہوئی۔ آپ نے فرمایا دوبارہ آنا۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اگر میں آؤں اور آپ موجود نہ ہوں، مطلب یہ تھا کہ اگر آپ کا وصال ہو چکا تو میں کیا کروں آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تو آئے اور میں موجود نہ ہوں، تو ابوبکر کے پاس آجانا "الخلیفۃ من بعدی۔ "جو میرے بعد خلفیہ ہونگے۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۲۰)

نائب احمد، شرافت کی دلیل
جس کو کہتے ہیں صداقت کا وکیل

ابن عساکر نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے حضرت نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام سے عرض کیا: "جب آپ نے ابوبکر ﷺ کو مقدم کرنے کا ارادہ کیا" آپ نے فرمایا نہیں! میں نے ابوبکر کو مقدم نہیں کیا۔ "لکن اللہ قدمہ" (بلکہ

اللہ تعالیٰ نے اس کو مقدم کیا ہے۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۲۵)

آیت نمبر 6: رفیق غار

قرآن مجید میں فرمان خدائے ذوالمنن ہے۔

"ثاني اثنين اذ هما في الغار اذ يقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا فا نزل الله سكينته عليه (پارہ ۱۰ توبہ آیت ۴۰)

"یعنی آپ دوسرے تھے دو سے، جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے۔ جب وہ فرما رہے تھے۔ اپنے رفیق کو کہ مت غمگین ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر نازل کی اللہ نے اپنی تسکین ان پر۔"

کفار مکہ اسلام کی دن بدن بڑھتی ہوئی قوت کو دیکھ کر بوکھلا اٹھے اور اہل اسلام پر طرح طرح کے مظالم توڑنے لگے۔ ان کی ستم ظریفیوں اور ریشہ دوانیوں کی حدود کاشانہ مصطفویﷺ تک جا پہنچیں۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب ان کی مجلس شوریٰ نے بالاتفاق طے کرلیا کہ تمام قبیلوں کا ایک ایک جوان سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر کا محاصرہ کرے۔ جب آپﷺ باہر نکلنے لگیں تو سب یک بارگی حملہ کر کے حضور کو شہید کر دیں۔

تفسیر حسن عسکری ؓ سے مروی ہے کہ جب کفار نے حضورﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو جبرئیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور خدا تعالیٰ کا یہ پیغام دیا۔ وامرک ان تستصحب ابا بکر (اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ ابوبکر کو ہمراہ رکھیں)

چنانچہ رسول خدا علیہ التحیۃ والثناء نے اپنا بستر اور امانتیں حضرت علی ؓ کے سپرد کیں اور خود خدا کے فرمان کے مطابق حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو ساتھ لیا اور غار ثور کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبر ؓ حضورﷺ سے اجازت لے کر پہلے غار میں داخل ہوئے۔

غار میں پہلے گئے وہ غمگسار مصطفےٰ
اس لئے مشہور ہیں وہ یار غار مصطفےٰ

غار ثور میں جتنے سوراخ تھے، آپ نے اپنے کپڑے پھاڑ کر ان کو بند کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ زائد کپڑے سارے کے سارے ختم ہو گئے اور ابھی ایک سوراخ باقی تھا۔ آپ نے اپنی ایڑی اس پر رکھ کر اس کو بھی بند کر دیا۔ پھر رسول کریمﷺ اندر تشریف لے گئے صبح ہوئی تو حضورﷺ نے دریافت فرمایا اے ابوبکر تمہارے وہ کپڑے کدھر ہیں۔ عرض کی یا رسول اللہﷺ وہ تمام کے تمام غار کے سوراخوں میں استعمال ہو گئے۔ یہ بات سن کر محبوب کبریاﷺ نے اپنے دست اقدس بارگاہ رب العالمین میں بلند کئے اور عرض کیا۔!

"اللهم اجعل ابا بكر معي في درجتي يوم القيمة"

اے اللہ! ابوبکر کو میرے ساتھ میرے مقام میں قیامت کے دن جگہ عطا فرمانا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ آپ کی یہ دعا قبول ہو چکی ہے۔

(الوفاء، باب ہجرت، از امام عبدالرحمٰن ابن جوزی)

ہے رکھا ساتھ اپنے قبر میں بھی شاہ عالم نے
کرے پھر کون آقاﷺ سے جدا صدیق اکبر ؓ کو

علامہ آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی میں رقم طراز ہیں کہ ابن عساکر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کی ہے۔

ان الله تعالیٰ ذم الناس كلهم ومدح ابا بكر رضي الله عنه.

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تمام انسانوں کی مذمت کی ہے جب کہ حضرت ابوبکر ؓ کی مدحت فرمائی۔

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں صدیق اکبر ؓ کے صحابی رسولﷺ ہونے پر نص موجود ہے اور ابوبکر ؓ کے علاوہ کسی اور صحابی کی صحابیت اس انداز میں ثابت نہیں ہے۔ اور "اذ يقول لصاحبه" میں "صاحبه" سے مراد ابو بکر ؓ ہیں۔ اس پر اس طرح اجماع ہے جس طرح سبحان الذي اسرىٰ بعبده میں عبده سے مراد رسول اللہﷺ ہیں۔

"ومن هنا قالوا ان انكار صحبته كفر."

"اس لئے کہتے ہیں کہ صدیق اکبر ؓ کے صاحب رسولﷺ ہونے کا انکار کفر ہے۔"

علامہ علاؤالدین علی بغدادی اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں کہ:

حسن ابن افضل فرماتے ہیں کہ:

من قال ان ابا بکر لم یکن صاحب رسول الله فھو کافر ۔

جو ابوبکر کے صاحب رسول ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ چونکہ اس نے نص قرآن کا انکار کیا جو کہ کفر ہے۔ (تفسیر خازن)

علامہ نفسی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

"من انکر صحبۃ ابی بکر فقد کفر لا نکار ہ کلام اللہ ."

جو ابوبکر ﷛ کے صحابی رسول ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ اس لئے کہ اس نے اللہ کے کلام کا انکار کیا۔ (تفسیر نفسی)

کون صدیق؟ وہ جس نے زندگی کا ہر لمحہ سرکار ﷺ کے نام کر دیا تھا۔

کشتۂ عشقِ شہِ والا تبار
یارِ غارِ مصطفےٰ عالی وقار
رازدارِ مصطفےٰ حسن وفا
صاحب صدق و صفا، شان ولا

آیت نمبر 7: مشیر رسول ﷺ

خلاق ارض وسما کا ارشاد پاک ہے:

وشاورھم فی الامر

(پارہ ۴ سورۃ آل عمران آیت ۱۵۹)

اور صلاح مشورہ کیجئے ان سے اس کام میں۔

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف صواعق محرقہ میں ابن عساکر کے حوالے سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا:

"ان اللہ یا مرک ان تستشیر ابا بکر ."

بے شک اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ آپ ﷺ ابوبکر ﷛ سے مشورہ کریں (صواعق محرقہ ص ۷۶)

مفتی بغداد حضرت علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) روح المعانی میں اس آیت مقدسہ کے تحت فرماتے ہیں کہ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۵۸ھ) نے حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ:

"وشاورھم فی الامر سے مراد ابوبکر و عمر ہیں۔ نیز حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے:

علامہ مذکور اس آیت طیبہ کے تحت صدیق اکبر ﷛ اور عمر فاروق ﷛ کی اصابت رائے کے متعلق حدیث پاک امام احمد سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو فرمایا:

"لو اجتمعتما فی مشورۃ ما خلفتکما"

یعنی اگر تم دونوں کسی مشورہ میں متفق ہو جاؤ تو میں اس سے اختلاف نہیں کروں گا۔

صدیق اکبر ﷛ از روئے حدیث رسول ﷺ

گلشن حدیث رسول ﷺ میں شان جانشین رسول کریم ﷺ میں جابجا ایسے پھول کھلے ہوئے ہیں کہ جن سے اہل ایمان کے اذہان اور قلوب معطر ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک حسین گلدستہ تیار کر کے ایمان والوں کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ تاکہ بندہ بے بضاعت کے لئے توشۂ آخرت اور قارئین کے لئے پختگی عقائد اور نجات اخروی کا باعث بنے۔

حدیث نمبر 1: آل امن الناس ہر مولائے ما

حضرت ابوسعید خدری ﷛ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

"ان من امن الناس علی بصحبتہ ومالہ ابو بکر ." (مشکوٰۃ شریف باب مناقب ابی بکر)

کہ سارے انسانوں میں سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والا صحبت و مال (جانی و مالی) کے لحاظ سے حضرت ابوبکر ﷛ ہیں۔

حدیث نمبر 2:

حضرت ابوہریرہ ﷛ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم پر کسی کا احسان نہیں مگر ہم نے اس کا بدلہ دے دیا سوائے ابوبکر ﷛ کے

کہ ہم پر ان کا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بدلہ قیامت کے دن دے گا۔

"وما نفعني مال احد قط ما نفعني مال ابي بكر."

(ترمذی شریف، مشکوٰۃ شریف)

مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہ دیا جتنا ابوبکر کے مال نے نفع دیا۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کی زندگی کے جملہ اقدامات اس بات پر شاہد ہیں کہ آپ نے اپنا مال، جان، اولاد، وطن اور سب کچھ حضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں بطور نذرانہ پیش کر دیا اور یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ کامل محبت کی روشن دلیل ہے۔ جبھی تو سرکار ﷺ نے ان کے اس جذبہ ایثار کا متعدد بار تذکرہ فرمایا۔

حدیث نمبر 3:

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی سنن میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکر کے مال نے دیا۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:

فبكى ابو بكر وقال يا رسول الله هل انا وما لي الا لك يا رسول الله.

(سنن ابن ماجہ شریف باب فضل ابی بکر الصدیق۔ صفحہ ۱۰ مطبوعہ سعید کمپنی کراچی)

(یہ سن کر) ابوبکر رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں اور میرا مال صرف آپ کے لئے ہے۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کی بے مثال قربانیوں کے پیش نظر۔ حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ان کے حضور ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

آں امن الناس بر مولائے ما
آں کلیم اول سینائے ما
ہمتِ او کشتِ ملت را چوں ابر
ثانیِ اسلام و غار و بدر و قبر

حدیث نمبر 4: خلیل

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا۔

"ولو كنت متخذ اخليلا غير ربي لا تخذت ابا بكر خليلاولكن اخوة الاسلام ومو دته."

"اگر میں کسی کو سوائے اپنے رب کے خلیل بناتا تو ابوبکر ہی میرے خلیل ہوتے۔ لیکن اخوت ومحبت اسلام ہی کافی ہے۔"

"لا يبقين في المسجد باب الا سد الا باب ابي بكر." (بخاری شریف۔ باب فضل ابی بکر)

"مسجد کی طرف کوئی دروازہ کھلا نہ رہنے دیا جائے سوائے ابوبکر کے دروازے کے۔"

اس حدیث پاک کے مطابق نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنا خلیل سوائے اپنے پروردگار کے کسی اور کو نہیں بنایا۔ لیکن امام حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ صواعق محرقہ میں رقم طراز ہیں کہ طبرانی نے ابوامامہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

حدیث نمبر 5: میرا خلیل

ان الله اتخذ لي خليلا كما اتخذ ابراهيم خليلا وان خليلي ابو بكر. (صواعق محرقہ باب ثالث فصل دوم ص ۷۱)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے میرا ایک خلیل بنایا ہے، جس طرح اس نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور بے شک میرا خلیل ابوبکر ہے۔"

ان دونوں حدیثوں میں مطابقت یوں پیدا ہو جاتی ہے کہ سرور عالم ﷺ نے خود نہیں بلکہ خلاق عالم جل جلالہ نے بے مثل تعلقات اور جذبہ حب حبیب ﷺ کی بناء پر جناب صدیقؓ کو اس مقام سے سرفراز فرمایا۔

حدیث نمبر 6: ابوبکر بہترین ہیں:

طبرانی نے ابن سعد ابن زرارہ سے بیان کیا کہ رسول انام ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے خبر دی۔

"ان خير امتك بعدك ابو بكر."

(صواعق محرقہ ص ٦٩)

''کہ آپ کے بعد آپ کی امت میں ابوبکر ﷺ سب سے بہتر ہیں۔''

حدیث نمبر 7:

طبرانی اور ابن عدی نے سلمہ ابن اکوع سے بیان کیا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

ابو بکر خیر الناس الا ان یکون نبی . (صواعق محرقہ ص ٦٩)

ابوبکر انبیاء کے علاوہ تمام انسانوں سے بہتر ہیں۔

حدیث نمبر 8 :

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"لا ینبغی لقوم فیھم ابو بکر ان یو مھم غیرہ" (ترمذی شریف)

ابوبکر کی موجودگی میں لوگوں کی امامت کسی اور شخص کو نہیں کرنی چاہیئے۔

حدیث نمبر 9: حوض پر ساتھی:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر ﷺ سے فرمایا:

انت صاحبی علی الحوض و صاحبی فی الغار

کہ تم حوض پر میرے ساتھی ہو اور غار پر بھی میرے ساتھی۔ (ترمذی شریف)

حدیث نمبر 10: تین سو ساٹھ خصائل

علامہ ابن حجر مکی نے ابن عساکر کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تین سو ساٹھ اچھے خصائل (خصلتیں) ہیں۔ ابو بکر ﷺ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ان میں سے کوئی خصلت مجھ میں بھی پائی جاتی ہے تو سرکار نے فرمایا کلھا فیک سب کی سب تم میں پائی جاتی ہیں۔ (صواعق محرقہ ص ٤٧)

حدیث نمبر 11: ابوبکر سے محبت کرنا واجب ہے۔

ابن عساکر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ کہ خیر الانام علیہ السلام نے فرمایا:

حب ابی بکر و شکرہ واجب علی کل امتی (صواعق محرقہ ص ٤٧)

میری تمام امت پر ابوبکر سے محبت رکھنا اور اس کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے۔

جن کے دل و دماغ میں چاہتوں کے گلستان کھلے ہوئے ہیں۔ جن سینوں میں عشق و محبت کے انوار کی روشنی ہے ان کے لبوں پر ہر وقت جناب ابو بکر صدیق ﷺ کے ترانے ہیں۔ صدیق! آج کے جاہ پرستوں اور اقتدار پسندوں کی طرح کا حکمران نہ تھا، بلکہ وہ عظیم انسان تو قدسیوں کا فخر و ناز تھا اور آج بھی ہے۔

حضرت روح الا مین کا افتخار
ہے وہ آئین نبی کا اقتدار
ہے وہ سرکار دو عالم کا رفیق
ہے وہ عشق نور کا بحر عمیق
فخر ہے جس پر رسول پاک کو
وہ نکھارے گا دل غم ناک کو

حدیث نمبر 12: پھٹا ہوا لباس

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور ان کا لباس پھٹا ہوا تھا۔ میں نے کہا، اے جبرئیل یہ کیا ہے۔ تو کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا ہے۔

ان تتخلل فی السماء لتخلل ابی بکر فی الارض۔ (صواعق محرقہ ص ٧٥)

کہ وہ زمین میں ابوبکر کے پھٹا ہوا لباس پہننے کی وجہ سے آسمان میں پھٹا ہوا لباس پہنیں۔

حدیث نمبر13: رحم دل

صواعق محرقہ میں مسلم، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

"ارحم امتی ابو بکر ." (صواعق محرقہ ۷۱)

میری امت کا سب سے رحم دل آدمی ابوبکر ہے۔

حدیث نمبر14: جنتی

احمد نے سعید بن زید سے اور ترمذی نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ سے روایت کیا ہے۔

ان النبی ﷺ قال ابو بکر فی الجنۃ۔ (صواعق محرقہ ص ۷۱)

رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر ؓ جنت میں ہونگے

حدیث نمبر15:

حضور ﷺ نے فرمایا:

"اما انک یا ابا بکر اول من ید خل الجنۃ من امتی (مشکوۃ باب مناقب ابی بکر)

اے ابوبکر تم وہ شخص ہو جو میری امت میں سب سے پہلے جنت میں جاؤ گے۔

حدیث نمبر16: بغیر حساب کے

ابن عساکر نے عائشہ ام المومنین سلام اللہ علیہا سے روایت کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"الناس کلھم یحاسبو ن الا ابا بکر۔

(صواعق محرقہ ص ۷۲)

(کل قیامت کے دن) سب لوگوں کا حساب لیا جائے گا۔ سوائے ابوبکر ؓ کے۔

حدیث نمبر17:

حضرت مولائے کائنات علی کرم اللہ وجہ سے روایت ہے آپ نے قسم اٹھا کر فرمایا:

ان اللہ تعالیٰ انزل اسم ابی بکر من السماء الصدیق

(الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ جلد اص ۸۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی "صدیق" آسمانوں سے اتارا۔

حدیث نمبر18: علی رضی اللہ عنہ نے منبر پر فرمایا

ابواسحٰق سبیعی نے ابویحییٰ سے روایت بیان کی، فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کو منبر شریف پر متعدد بار یہ کہتے ہوئے سنا کہ

ان اللہ عزوجل سمی ابا بکر علی لسان نبیہ صلی اللہ علیہ و الہ صدیقاً

(الریاض النضرۃ فی منا قب العشرہ جلد ص ۸۱)

اللہ عزوجل نے اپنے نبی کی زبان پر ابوبکرؓ کا نام صدیق رکھا۔

حدیث نمبر19: صدیق خلیفہ رسول ﷺ

مولا علی ؓ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی زبان پر اُن کا نام "صدیق" رکھا۔

وکان خلیفۃ رسول اللہ ﷺ رضیہ لدیننا فرضیناہ لدنیا نا ۱۔ (الریاض النضرۃ فی منا قب العشرہ جلد ص ۱۸)

وہ رسول خدا ﷺ کے خلیفہ تھے۔ وہ ہمارے دین کے لئے راضی تھے اور ہم ان سے اپنی دنیا کے لئے راضی تھے۔

حدیث نمبر20: آسمانوں کی ہر چیز پر ابوبکر کا نام:

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول عالم ﷺ نے فرمایا میں نے آسمانوں کی طرف عروج فرمایا تو ہر چیز پر لکھا ہوا دیکھا۔

محمد رسول اللہ وابوبکر ن الصدیق خلیفتی (الریاض النضرۃ فی منا قب العشرہ جلد ص ۱۸)

"محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور ابوبکر میرا خلیفہ ہے۔"

حدیث نمبر21: بوڑھوں کے سردار:

اسماعیل بن خالد سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ کی طرف دیکھتے ہوئے عرض کیا:

یا سید العرب۔ اے عرب کے سردار۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

انا سید ولد ادم میں اولادِ آدم کا سردار ہوں۔

☆☆☆

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
پر اعتراضات کا علمی جائزہ

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی ہادی برحق ﷺ کی رسالت اور اسلام کی حقانیت کی روشن دلیل ہے، جس سے کوئی سلیم الطبع انسان انکار نہیں کر سکتا۔ ان کی کتاب زیست کا ہر صفحہ یقین، خلوص، عشق اور ایثار کے تابندہ نقوش سے جگمگا رہا ہے۔ کاروانِ ملت اگر آپ کے نقوش پا کو اپنا خضر راہ بنالے تو آج بھی وہ سدرہ کی بلندیوں پر اپنا آشیاں بنا سکتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو دانستہ یا نادانستہ اس فرزند جلیل پر الزامات اور اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے ہوئے نہیں تھکتے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ حق کی جستجو کرنے والوں کے سامنے حقیقتِ حال بے کم و کاست پیش کر دی جائے تاکہ شکوک و شبہات کا غبار چھٹ جائے اور حقیقت اپنے رخ زیبا کے ساتھ آشکارہ ہو جائے۔ کسی کو نفس و شیطان کی چیرہ دستیوں سے نجات دلانا اور کمند ہوا و ہوس سے رہائی دلانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ دین اسلام کا ایک ادنیٰ خادم ہونے کی حیثیت سے ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ پوری دیانت داری، دلسوزی اور کمال خلوص سے ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں تاکہ امتِ محمدیہ علی صاحبها اجمل الثناء واطيب التحية کا کوئی فرد شیطان کے گمراہ کن پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر نعمت ایمان سے محروم نہ ہو جائے۔ ہم رحمت پروردگار سے امیدوار ہیں کہ وہ حق کی تلاش کرنے والوں کی دستگیری فرمائے گا اور منزل مراد تک پہنچائے گا۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

یہاں چند ایسے اعتراضات ذکر کئے جا رہے ہیں جو بعض حلقوں کی طرف سے بڑی شدومد اور جوش و خروش سے پیش کئے جاتے ہیں۔ جب حقیقتِ حال آپ کے سامنے پیش کی جائے گی تو آپ کو ان اعتراضات کی لغویت کا یقین آجائے گا۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

پہلا اعتراض:

ا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جرنیل تھے انہوں نے مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا حالانکہ وہ مسلمان تھا اور اس کی بیوی ام تمیم کو اپنے گھر ڈال لیا جو شرعاً جائز نہیں، بحیثیت خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر لازم تھا کہ آپ قتل بے گناہ کے قصاص میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو قتل کرتے اور جرم زنا کی سزا میں آپ کو سنگسار کرتے۔ آپ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو کوئی سزا نہیں دی اس طرح شریعت اسلامیہ کی حدود کو توڑا ہے۔

جواب: جب تک صورتِ حال کا تفصیلی تذکرہ آپ کے سامنے نہ کیا جائے یہ غلط فہمی دور نہیں ہو سکتی۔ مالک بن نویرہ قبیلہ بنی تمیم کا سردار تھا۔ وجیہہ، خوب صورت، سخی اور شجاعت میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ اپنے قبیلہ کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا حضور ﷺ نے ازراہ نوازش اسے اپنے قبیلہ کی زکوٰۃ اور صدقات جمع کرنے کا منصب تفویض فرمایا اور حضور ﷺ کے وصال تک یہ اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔ سرور دو عالم ﷺ کی رحلت کے بعد ارتداد کا جو جھگڑا چلا، اس میں یہ بھی اپنی شمع ایمان کو بچا نہ سکا۔ دوسرے کئی لوگوں کی طرح اس نے بھی زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ زکوٰۃ اور صدقات کی مد میں جو روپیہ یا غلہ اس کے پاس جمع تھا۔ اس نے اسے اپنی قوم میں تقسیم کر دیا۔ جب حضور ﷺ کی وفات کی خبر اس کے پاس پہنچی تو اس کے گھر کی عورتوں نے مہندی لگائی، ڈھول بجائے اور خوب فرحت و شادمانی کا اظہار کیا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے طلحہ، جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا، کے مقابلے کے لئے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ جب اس کے علاقہ میں پہنچے تو طلحہ نے راہ فرار اختیار کی اور اس کا قبیلہ تتر بتر ہو گیا۔ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے مالک بن نویرہ کی گوشمالی کا قصد کیا جو بطاح کے علاقہ میں انکار زکوٰۃ کی خطرناک مہم کا سرغنہ بنا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی آمد کی خبر سن کر اس کے حواس باختہ ہو گئے۔ اس کے کئی ساتھی تائب ہو کر از سرِ نو مسلمان ہو گئے لیکن یہ کشمکش و پیچ میں ہی مبتلا رہا اور آخر وقت تک کوئی فیصلہ نہ کر سکا کہ وہ انکار زکوٰۃ کے موقف پر ڈٹا رہے یا اپنے دوسرے رفقاء کی طرح توبہ کر کے از سرِ نو مسلمان ہو جائے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ قبیلہ اسد و غطفان اور ان کے حلیفوں سے نپٹنے کے بعد جب بطاح کے علاقہ میں پہنچے تو مالک بن نویرہ نے اپنے قبیلہ کو منتشر ہونے کا حکم دے دیا اور انہیں مسلمانوں سے جنگ کرنے سے منع کر دیا۔ جب خالد رضی اللہ عنہ بطاح میں پہنچے تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ آپ نے اپنے لشکر کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے علاقہ میں پھیل جانے کا حکم دیا اور انہیں ہدایت کی کہ جو شخص تمہیں ملے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دو اگر وہ یہ دعوت قبول کرے تو اس سے تعرض نہ کرنا اور اگر وہ انکار کر دے تو وہ مرتد ہے اور واجب القتل۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی اسلامی لشکروں کو ملک کے مختلف اطراف میں روانہ کرنے سے پہلے یہ نصیحت کی تھی کہ وہ جہاں جائیں اذان دیں۔ اگر وہاں کے رہنے والے بھی اذان دیں تو ان پر حملہ نہ کریں اور اگر ان کی بستی سے اذان کی آواز بلند نہ ہو تو ان پر حملہ کرنے کی اجازت ہے۔ جب وہ اسلام کی دعوت کو قبول کر لیں تو پھر ان سے زکوٰۃ کے بارے میں دریافت کریں۔ اگر وہ زکوٰۃ دینے پر بھی آمادہ ہو جائیں تو انہیں کچھ نہ کہا جائے اور اگر وہ زکوٰۃ دینے سے انکار کریں تو پھر ان کو تہ تیغ کر دیں۔

لشکر اسلام کا ایک دستہ مالک بن نویرہ کو اس کے چند ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کر کے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا۔ آپ نے اس

دستہ سے پوچھا کہ کیا مالک نے اسلام قبول کیا ہے یا نہیں تو حضرت ابوقتادہ انصاری نے (جو اس دستہ میں شریک تھے) کہا کہ بے شک اس نے اسلام قبول کیا لیکن اس دستہ میں شامل دوسرے لوگوں نے اس کے مسلمان ہونے کی تردید کی اور بتایا کہ وہ حسب سابق اپنے ارتداد پر قائم ہے۔ اس اختلاف کے باعث حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے خود مالک بن نویرہ سے طویل گفتگو کی۔ تفصیل دیگر مؤرخین کے علاوہ علامہ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں تحریر کی ہے۔

جب مسلمان لشکر مالک بن نویرہ کو گرفتار کر کے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے آیا تو آپ کی اس سے طویل گفتگو ہوئی۔ مالک نے حضرت خالد کے استفسار کے جواب میں کہا:

انی آتی با الصلوٰۃ دون الزکوٰۃ

میں زکوٰۃ تو ادا کرتا ہوں لیکن زکوٰۃ کی فرضیت کا قائل نہیں ہوں۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا:

اما علمت ان الصلوٰۃ والزکوٰۃ معاً لا تقبل واحدۃ دون اخریٰ

کیا تم نہیں جانتے کہ نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت یکساں ہے اور ایک کے بغیر دوسری قبول نہیں ہوتی۔

مالک نے بڑی بے پرواہی سے جواب دیا:

قد کان صاحبک یقول ذالک

ہاں! تمہارا صاحب یوں ہی کہا کرتا تھا۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس کے گستاخانہ لہجہ اور انداز گفتگو کو سن کر برافروختہ ہو گئے۔ فرمایا: کیا حضور ﷺ تمہارے صاحب نہیں ہیں؟ اگر تم زکوٰۃ دینے سے انکار کرو گے تو تمہارا سر قلم کر دوں گا۔

پھر اس کے منہ سے نکلا:

او بذلک امرک صاحبک

کیا تمہارے صاحب نے تمہیں یہی حکم دیا ہے؟

خالد نے غصہ سے کہا:

وھذہ بعد تلک واللہ لا قتلنک

پہلی گستاخی کے بعد دوبارہ پھر گستاخی کر رہے ہو بخدا! میں تم کو ضرور قتل کروں گا۔

اس گفتگو سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ مالک بن نویرہ اگرچہ نماز کا قائل تھا لیکن زکوٰۃ کا منکر تھا، پھر نبی کریم ﷺ کے ادب اور احترام سے اس کا دل خالی تھا۔ اس لئے بار بار صاحبک کا لفظ اس کی زبان سے نکل جاتا تھا۔ آپ خود ہی انصاف کریں کہ جو شخص مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو جائے۔ جو شخص ارکان دین میں سے زکوٰۃ جیسے اہم رکن کا انکار کر دے جو شخص بارگاہ رسالت میں گستاخانہ لہجہ اختیار کرے اس کا اسلام سے کیا تعلق باقی رہتا ہے یقیناً وہ شخص واجب القتل تھا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے شریعت اسلامیہ کے ضابطے کے مطابق اس کو تہ تیغ کیا۔

کیونکہ وہ نماز کی فرضیت کا قائل تھا حضرت ابوقتادہ نے اس کی اذان ضرور سنی ہو گی لیکن اس وقت جو فتنہ اٹھ کھڑا ہوا تھا وہ نماز کی فرضیت کے بارے میں نہ تھا، بلکہ زکوٰۃ کی فرضیت کے بارے میں تھا اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص دین کے فرائض میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن خلدون نے اس واقعہ کی تفصیل یوں لکھی ہے:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پہنچنے سے پہلے مالک نے اپنے لشکر کو منتشر کر دیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے انہیں تلاش کرنے کے لئے اپنی فوج کے دستے روانہ کئے، ایک دستہ مالک بن نویرہ کو اس کے چند ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کر کے لے آیا۔ اس کے بارے میں اس دستہ میں اختلاف رونما ہوا۔ ابوقتادہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اذان بھی دی اور نماز بھی پڑھی۔ دوسرے مجاہدین اس بات کو تسلیم نہ کرتے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو نظر بند کر دیا تاکہ ان کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے پوری تحقیق کر لی جائے اور حضرت ضرار بن ازور کو ان کی حفاظت پر مقرر کیا۔ موسم سخت سرد تھا، رات کو بارش برسنے لگی۔ حضرت خالد کو ان نظر بندوں کا خیال آیا تو پریشان ہو گئے۔ مبادا سردی اور بارش کی وجہ

سے انہیں تکلیف پہنچ رہی ہو۔ آپ نے ایک آدمی دوڑایا جس نے یہ پیغام پہنچایا:

ادفئو اسراکم۔

اس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ اس کڑاکے کی سردی میں ان نظر بندوں کو گرم رکھو تا کہ ٹھنڈ انہیں گزند نہ پہنچائے لیکن بنی کنانہ کی لغت میں یہ جملہ بطور کنایہ قتل کرنے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ ضرار جن کے سپرد ان اسیروں کی نگہداشت تھی بنی کنانہ کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، انہوں نے یہی سمجھا کہ قائد لشکر نے ان قیدیوں کو تہ تیغ کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ان سب کا کام تمام کر دیا۔ جب شور وغل بلند ہوا تو حضرت خالد ﷺ نے اس کی وجہ پوچھی۔ حقیقت حال سن کے آپ بڑے متاسف ہوئے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ اس واقعہ کے بارے میں ایک تیسری روایت ہے جسے علامہ یاقوت نے اپنی کتاب معجم البلدان میں 'بطاح'' کے عنوان کے نیچے درج کیا ہے۔

لکھتے ہیں: بطاح بنی اسد قبیلہ کے علاقہ میں ایک چشمہ کا نام ہے، وہاں مسلمان اور مرتدین کے درمیان جنگ ہوئی۔ مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید ﷺ تھے اور ضرار بن ازور اسلامی مقدمہ الجیش کے سالار تھے۔ مالک بن نویرہ اپنے لشکر کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے نکلا، بطاح کے میدان میں ان دونوں لشکروں کے درمیان جنگ ہوئی۔ ضرار نے کھلی جنگ میں مالک کو قتل کیا۔ ان روایات جو تاریخی اہمیت کی حامل ہیں اس بات کا ثبوت نہیں کہ حضرت خالد ﷺ نے قتل عمد کا ارتکاب کیا اور مالک نویرہ کو مسلمان سمجھتے ہوئے تہ تیغ کیا تا کہ ان سے قصاص لیا جائے۔

صاحب اغانی نے اس واقعہ کو جس افسانوی رنگ میں پیش کیا ہے وہ ادب کی کتابوں میں گوارہ کیا جا سکتا ہے لیکن مؤرخ کی نظروں میں اس کی قطعاً کوئی تاریخی اہمیت نہیں تا کہ اس پر استدلال کی عمارت تعمیر کر کے حسب منشا نتائج اخذ کئے جائیں۔ لیکن یہ بات وہیں ختم نہیں ہوتی۔ ابوقتادہ غصہ سے بھرے ہوئے حضرت صدیق اکبر ﷺ کے پاس آئے اور زور شور سے حضرت خالد ﷺ کی شکایت کی۔ انہوں نے فاروق اعظم ﷺ کو اپنا ہمنوا بنا لیا، چنانچہ حضرت خالد ﷺ کو دربار خلافت میں طلب کیا گیا اور آپ سے اس بارے میں باز پرس کی گئی۔ آپ نے جب خلیفۃ الرسول ﷺ کی بارگاہ میں حقیقت حال پیش کی تو حضرت ابوبکر ﷺ مطمئن ہو گئے اور انہیں اپنی فوج کی قیادت کرنے کے لئے محاذ جنگ پر واپس بھیج دیا۔

حضرت فاروق اعظم ﷺ نے جب آپ کو بار بار مجبور کیا کہ خالد ﷺ سے قصاص لیا جائے تو آپ نے فرمایا:

هبه، يا عمر تاول فاخطاء فارفع لسانک عن خالد

اے عمر! چھوڑ دبھی زیادہ سے زیادہ اس نے تاویل کی ہے اور اس میں اس سے خطا ہوئی۔

جب حضرت عمر ﷺ پھر بھی نہ مانے تو آپ ﷺ نے دوٹوک الفاظ میں کہا:

لا يا عمر ما كنت لا شيم سيفا سله الله على الكافرين

نہیں، اے عمر! ہرگز نہیں میں اس تلوار کو نیام میں ڈالنے کے لئے تیار نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے کفار پر بے نیام کیا ہے۔

اہل نظر جب حضرت خالد ﷺ کے بارے میں حضرت صدیق اکبر ﷺ کے فیصلے کو دیکھتے ہیں تو ان کی حیرت کی حد نہیں رہتی کہ آپ نے وہی فیصلہ کیا کہ جو آپ کے آقا و مولا ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں جب ان ہی خالد سے اسی قسم کا واقعہ سرزد ہوا تھا۔ اس واقعہ کا اجمالی ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

بنی خذیمہ کی طرف حضور ﷺ نے ایک سریہ بھیجا تھا۔ جس کے قائد حضرت خالد ﷺ تھے، وہ لوگ اس سے پہلے مسلمان تو ہو چکے تھے لیکن اسلامی قواعد اور اصطلاحات سے روشناس نہ تھے، جب مجاہدین نے ان پر حملہ کیا تو زور زور سے کہنے لگے ''صبانا صبانا'' اس کا لفظی معنی تو یہ ہے کہ ہم بے دین ہو گئے، ہم بے دین ہو گئے۔ لیکن ان الفاظ سے ان کا مقصد یہ تھا کہ ہم نے اپنا آبائی دین چھوڑ دیا ہے اور نیا دین اسلام قبول کر لیا ہے۔ صحابہ کرام ان کے اس مفہوم کو نہ سمجھ سکے اور ان میں سے بیشتر کو تہ تیغ کر دیا۔

حضور ﷺ کی خدمت میں جب یہ واقعہ پیش کیا گیا تو حضور بہت برافروختہ ہوئے اور بڑے افسوس کے ساتھ یہ الفاظ کہے:

اللهم انى ابرئى اليك مما صنع خالد

''اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا ہے اس سے تیری جناب میں برأت کا اظہار کرتا ہوں''

حضور ﷺ نے ان مقتولین کی دیت بیت المال سے ادا کر دی لیکن نہ حضور ﷺ نے حضرت خالد ﷺ کو ان کے قصاص میں قتل اور نہ ان کو ان کے منصب سے معزول کیا جو فیصلہ حضور ﷺ نے حضرت خالد ﷺ کے بارے میں کیا تھا۔ حضور ﷺ کے جانشین صدیق اکبر ﷺ نے بعینہ

وہی فیصلہ فرمایا۔ اب کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ بارگاہ صدیقی میں زبان طعن دراز کرسکے۔

اس کے علاوہ عہد نبوت میں متعدد واقعات رونما ہوئے اور حضور ﷺ نے کسی سے قصاص نہیں لیا۔

ایک جنگ میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے لا الہ الا اللہ پڑھا تھا۔ حضور کو پتہ چلا تو حضور نے فرمایا:

"یا اسامہ اقتلته بعد ان قال لا اله الا الله"

اے اسامہ! تو نے اس کے بعد اس شخص کو قتل کیا جب اس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیا۔

یہ جملہ حضور ﷺ نے تین مرتبہ دہرایا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر اپنی ناراضگی کا اظہار کر لیا لیکن حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے نہ قصاص لیا اور نہ ان کو دیت ادا کرنے کا حکم دیا اور نہ یہ فرمایا کہ تم کفارہ ادا کرو۔

حالت جنگ میں اس قسم کے واقعات فوری طور پر رونما ہوتے رہتے ہیں کہ جن کے بارے میں فیصلہ درست نہیں ہوتا لیکن اس میں کسی قسم کی بدنیتی کا شائبہ نہیں ہوتا۔ اگر ایسے واقعات پر قائد لشکر سے قصاص کا مطالبہ شروع کر دیا جائے تو پھر جنگ ہو چکی۔

ہم ان لوگوں سے بڑے ادب کے ساتھ یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے ہوئے نہیں تھکتے کہ اگر ان سے کوئی شخص یہ پوچھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے باوجود خلیفہ با اختیار ہونے کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے کیوں قصاص نہیں لیا، تو اس کا وہ کیا جواب دیں گے جو ان کا جواب ہوگا۔ وہی حضرات حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف سے قبول فرمالیں۔

اس سلسلے میں دوسرا اعتراض مالک بن نویرہ کی زوجہ ام تمیم کے بارے میں کیا جاتا ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مالک کے قتل کے بعد فوراً اسے اپنی زوجہ بنا لیا حالانکہ انقضائے عدت سے پہلے اس کے ساتھ نکاح جائز نہیں تھا۔

اس کے بارے میں عرض ہے کہ عدت وفات کا گزارنا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب خاوند مسلمان ہو ایک کافر اور مرتد کے قتل کے بعد اس کی بیوی پر عدت گزارنا ضروری نہیں البتہ استبراء رحم ضروری ہے تاکہ یہ ضروری ہو جائے کہ وہ حاملہ نہیں اور وہ ایک حیض سے بھی ہو سکتا ہے اور اس قسم کی روایات کتب معتبرہ میں موجود ہیں کہ آپ نے تین حیض گزارنے کے بعد اس کو نکاح کا پیغام بھیجا جو اس نے قبول کر لیا۔

علامہ ابن خلقان لکھتے ہیں:

وقیل انها اعتدت ثلاث حیض ثم خطبها علی نفسه فاجابته

(وفیات الاعیان)

کہ ام تمیم نے تین حیض گزار کر اپنی عدت پوری کی اور پھر حضرت خالد نے اسے نکاح کا پیغام بھیجا جو اس نے قبول کر لیا۔

اسی طرح علامہ ابن کثیر نے تصریح کی ہے:

فلما حلت بنی بها .

جب وہ شرعاً حلال ہوگئی تو آپ نے اس کو اپنی زوجیت میں لیا۔

دوسرا اعتراض:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر معترضین کی طرف سے یہ الزام بھی عائد کیا جاتا ہے کہ شہداء جنگ موتہ کا انتقام لینے کے لئے سرور عالم ﷺ نے ایک لشکر ترتیب دیا۔ اس میں مہاجرین و انصار کے جلیل القدر بزرگ شامل تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام ان مجاہدین میں تھا، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہ خود گئے اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجا، حالانکہ حضور ﷺ نے بتاکیدی حکم فرمایا تھا:

جهزوا جیش اسامه لعن الله تعالی من تخلف عنها

"اسامہ کے لشکر کی تیاری کرو خدا اس شخص پر لعنت کرے جو اس کے پیچھے رہ جائے۔"

وہ کہتے ہیں کہ اس فرمان نبوی کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت کے بارے میں ساری خوش فہمیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

جواب: معترضین نے اپنے دل کا غبار نکالنے کے لئے یہ اعتراض تو جڑ دیا، لیکن حالات کا تفصیلی جائزہ لینے کی زحمت گوارا نہ کی جو اس وقت رونما ہوئے ورنہ وہ غلط فہمی کی اس دلدل میں پھنس کر نہ رہ جاتے۔ حقیقت حال پیش خدمت ہے، مطالعہ فرمایئے اور اپنے قلب سلیم سے فیصلہ طلب کیجئے۔ ساری غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۲۶ صفر بروز دوشنبہ حضور ﷺ نے ایک لشکر تیار کیا، زید بن حارثہ شہید موتہ کے نوخیز فرزند حضرت اسامہ کو اس کا سپہ سالار مقرر کیا۔ ۲۸ صفر کو نبی کریم ﷺ کی طبیعت ناساز ہوگئی اس کے باوجود حضور ﷺ نے دوسرے روز اپنے دست مبارک سے پرچم باندھا اور اسامہ کو حکم دیا۔

"اغز بسم اللہ وفی سبیل اللہ وقاتل من کفر اللہ"

"اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے روانہ ہو جاؤ جو شخص اللہ تعالیٰ کا منکر ہو اس کے ساتھ جنگ کرو"

حضرت اسامہ ؓ پرچم لئے ہوئے مقام جرف پر آ کر رکے اور مجاہدین کا انتظار کرنے لگے، بدھ کے روز مرض نے شدت اختیار کر لی۔ پنج شنبہ کی رات کو فخر دو عالم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو حکم دیا کہ وہ نماز میں لوگوں کی امامت کا فریضہ انجام دیں جس کی تفصیل آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ گویا ابتدا میں حضور ﷺ نے آپ کو اسامہ ؓ کے لشکر کا سپاہی مقرر کیا لیکن پھر حضور ﷺ نے ہی اپنی علالت کی وجہ سے حضرت صدیق ؓ کو اپنی مسجد کا امام مقرر فرمایا اور سب لوگوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت صدیق ؓ کی اقتداء میں نماز ادا کریں۔ ڈیوٹی میں تبدیلی حضرت صدیق ؓ نے اپنی مرضی سے نہیں کی بلکہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمائی۔ آپ کا تخلف حضور کے حکم سے تھا نہ کہ اپنی مرضی سے اور جو کام صدیق اکبر ؓ نے اپنے مرشد برحق کے ارشاد کے مطابق سرانجام دیا اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا کیا حق ہے۔

حضور سرور عالم ﷺ کے وصال کے بعد امت مسلمہ نے بالاتفاق آپ کو خلیفۃ الرسول کے منصب کے لئے چن لیا، اب صرف اسامہ کے لشکر کی تیاری ہی آپ کا فرض نہیں رہا تھا بلکہ مملکت اسلامیہ کو داخلی اور بیرونی ہر قسم کے خطرات سے محفوظ کرنا آپ کی منصبی ذمہ داری ہو گئی تھی۔ آپ جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کے وصال کے سانحہ کے بعد یکا یک ارتداد و بغاوت کی آندھیاں چلنے لگیں۔ وہی قبائل جو کل تک اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اب اسلام کی بنیادی تعلیمات کا انکار کرنے لگ گئے۔ ان حالات کے پیش نظر اکابر صحابہ نے یہ مشورہ دیا کہ اسامہ ؓ کے لشکر کی روانگی کو کچھ وقت کے لئے ملتوی کر دیا جائے ایسا نہ ہو کہ دارالسلطنت کو خالی دیکھ کر دشمن یلغار کر دے۔ بے شک مصلحت کا تقاضا تو یہی تھا۔ بظاہر حالات بھی اس تجویز کی تائید کر رہے تھے لیکن حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا ایمان اور یقین اس مشورہ کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا جس لشکر کا پرچم رحمت عالم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے باندھا ہے۔ ابوبکر کی مجال نہیں کہ اس کو کھول سکے۔ حالات کتنے ہی ابتر اور سنگین کیوں نہ ہوں، یہ لشکر نبی اکرم ﷺ کی مقرر کردہ مہم کو سر کرنے کے لئے ضرور جائے گا، پھر پورے ساز و سامان کے ساتھ حضرت صدیق ؓ نے جیش اسامہ کو الوداع کہا اور چند ہفتوں کے بعد فتح و نصرت کے پھریرے لہراتا ہوا یہ لشکر بخیر و عافیت مدینہ منورہ واپس آ گیا۔

ان حالات میں اس لشکر کو روانہ کرنا اس کے لئے ہر قسم کا اسلحہ اور ساز و سامان مہیا کرنا، تمام مصلحتوں اور خطرات کو پس پشت ڈالتے ہوئے اتنی بعید مسافت پر اس کو بھیجنا حضرت صدیق اکبر ؓ کا وہ کارنامہ ہے جس پر اسلام اور ایمان کو ناز ہے۔

گر نبیند بروز شپرہ چشم

چشمہ آفتاب راچہ گناہ

نیز یہ جملہ "جھزو الخ "جو ان لوگوں نے حضور ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے، اہل سنت کی کسی معتبر کتاب میں موجود نہیں یہ ان لوگوں کی خانہ زاد اختراع ہے جو آفتاب صدیقیت کی تاب نہیں لا سکتے۔

تیسرا اعتراض:

معترضین کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر ؓ نے خود اعتراف کیا:

ان لی شیطانا یعترینی فان اسقمت فاعینونی وان زغمت فقومونی

یعنی ایک شیطان ہے جو مجھ پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتا رہتا ہے اگر میں سیدھے راستے پر چلوں تو میری امداد کرو اور اگر کجی اختیار کروں تو مجھے درست کرو۔

معترضین کہتے ہیں کہ آپ شیطان کے زیر اثر ہیں۔ وہ جب چاہے آپ کو راہ راست سے بہکا سکتا ہے۔ ایسا شخص تو امامت و خلافت کے منصب کا ہرگز سزاوار نہیں۔

جواب: اس کے متعلق پہلی گزارش تو یہ ہے کہ اہل سنت کی کسی معتبر کتاب میں یہ قول موجود نہیں بلکہ ان حضرات کا طبع زاد ہے جو صحابہ کرام کی شان کی تنقیص میں ہر لحظہ جدت طرازیاں کرتے رہتے ہیں، اس لئے اس کے جواب کی ذمہ داری ہم پر عائد ہی نہیں ہوتی اور اگر ایک لحظہ کے لئے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ آپ کا ہی قول ہے تو اس میں قباحت کون سی ہے اللہ کے بندے ہر وقت اپنے نفس کی وسوسہ اندازیوں سے چوکنے رہتے ہیں، شیطان کی وسوسہ کاریوں سے بچنے کے لئے مصروف عمل رہتے ہیں۔ کیا آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ قول نہیں پڑھا۔ جسے زبان قدرت نے قرآن مجید میں نقل فرمایا ہے:

وما ابرئ نفسی ان النفس لا مارۃ بالسوء الا ما رحم ربی

آپ نبی ہیں صدیق ہیں گلشن خلیل کے گل سرسبد ہیں لیکن بایں ہمہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے نفس کی برأت کا دعویٰ نہیں کرتا۔ بے شک نفس کا کام ہی یہ ہے کہ وہ برائی کا بکثرت حکم دیتا ہے مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے وہ اس کی زد سے محفوظ رہتا ہے۔

یہ عجز و نیاز کا مقام ہے جتنا کسی کا مرتبہ بلند و بالا ہوتا ہے، اتنا ہی اس میں سرافگندگی اور اعتراف عبدیت کا جذبہ شدید ہوتا ہے۔ یہ اس کے کمال کی دلیل ہے نہ کہ وہ نقص و عیب امام الاتقیا سید الاولیا حضرت علی مرتضیٰ ؓ کا ارشاد گرامی ہے:

لا تکفوا عن مقالة بحق او مشورة بعدل فانی لست بفوق ان اخطی ولا امن ذلک من فعلی (نہج البلاغہ)

یعنی حق بات کہنے سے اور عدل کا مشورہ دینے سے باز نہ رہا کرو کیوں کہ میں اپنے آپ کو خطا سے بلند خیال نہیں کرتا اور نہ مجھے یہ یقین ہے کہ میرا ہر فعل درست ہے۔ سیدنا علی مرتضیٰ ؓ کا یہ ارشاد آپ کی رفعت شان کی دلیل ہے۔ اس لئے یہ معنی اخذ کرنا آپ خطا کار تھے یا آپ کے افعال قابل اعتماد نہ تھے پھر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ منصب امامت کے اہل نہ تھے حد درجہ کی نادانی اور ابلہی ہے۔

حضرت امام زین العابدین ؓ جن کی زندگی کا ہر ہر لمحہ ذکر الٰہی اور اطاعت الٰہی میں بسر ہوا، جن کے دامن عصمت پر خطا اور غفلت کا کوئی داغ موجود نہیں۔ بارگاہ الٰہی میں دستِ دعا پھیلاتے ہیں اور یوں عجز و نیاز کا اظہار کرتے ہیں:

"قد ملک الشیطن عنا فی سوء الظن وضعف الیقین وانی اشکو سوء مجاورته واطاعة نفسی له واستعصمک من ملکته والتضرع الیک فی صرف کیده عنی"

(صفحہ ۲۶ الصحیفہ کاملہ سجادیہ مطبوعہ تہران)

اس عربی عبارت کا فارسی ترجمہ بھی اسی کتاب کے صفحہ ۱۱۱ پر موجود ہے، وہ بھی پیش خدمت ہے تا کہ کسی قسم کا اشتباہ نہ رہے، مترجم ہیں آقای حاج مرزا ابوالحسن شعرانی۔

"شیطان عنان مرا گرفتہ سوئے ضعف یقین و بدگمانی مے کشاند اکنوں از بد تحقیق او نسبت بمن و خوش طاعتی خودم نسبت باو شکایت دارم واز چیرہ گشتن او پناہ بتو مے برم وبلابہ وزاری از تو مے خواہم کید اور از من دفع کنی"

ترجمہ: "(الٰہی) شیطان میری باگ کو پکڑ کر مجھے بے یقینی اور (تیری رحمت سے) بدگمانی کی طرف کھینچ رہا ہے اور اب اپنے بارے میں اس کی ہمسائیگی کی برائی اور اس کی اطاعت کیشی سے میں تیری جناب میں شکوہ سنج ہوں اس کے غالب آنے سے میں تیری پناہ ڈھونڈتا ہوں، بڑی عاجزی اور زاری سے درخواست کرتا ہوں کہ اس کے مکر و فریب کو مجھ سے دور کر دے"۔

بارگاہ رب العزت میں امام معصوم کی یہ درخواست عجز و نیاز کا ایک لاجواب مرقع ہے جو صرف آپ کے مقام رفیع اور ذات ستودہ صفات کے شایانِ شان ہے۔ اگر کوئی بد دماغ اس عبارت کو پڑھ کر آپ کی علو مرتبت کا انکار کرتا ہے یا اس اعتراف کے پیش نظر آپ کو منصب امامت کا اہل نہیں گردانتا تو یہ اس کی بدبختی اور حرماں نصیبی کی انتہا ہے۔ اسی ارشاد پر آپ حضرت صدیق اکبر ؓ کی طرف منسوب اس قول کو محمول کر لیجئے۔

اگر آپ اس خود ساختہ روایت کا سہارا لے کر بارگاہ صدیقی میں زبان طعن دراز کرنے پر مصر ہوں گے تو بات یہاں پر ختم نہیں ہو جائے گی بلکہ ان اولوالعزم ہستیوں کے بارے میں آپ گستاخ لوگوں کو زبان درازی کا زریں موقع فراہم کر دیں گے۔

چوتھا اعتراض:

یہ صاحبان جولانی طبع کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا:

اقیلونی فلست بخیرکم وعلی فیکم

مجھے بیعت خلافت سے سبکدوش کر دو میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں جب کہ علی تم میں موجود ہیں۔

یہ جملہ نقل کرنے کے بعد معترضین کہتے ہیں کہ اگر آپ خلیفہ برحق تھے تو آپ کا مستعفی ہونا معصیت تھا اور اگر آپ خلیفہ برحق نہیں تھے بلکہ جبراً مسند خلافت پر متمکن ہو گئے تھے تو پھر آپ کے بارے میں کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔

جواباً گذارش ہے کہ یہ عبارت بھی اہل سنت کی کتب احادیث میں سے کسی معتبر کتاب میں موجود نہیں اور نہ اس کی سند کا سراغ لگ سکتا ہے۔ یہ عبارت اپنی اس ترتیب کے ساتھ بھی یاران ستم کیش کی طبع فتنہ زاد کا اختراع ہے۔

پانچواں اعتراض:

اس اعتراض کو بھی بڑے زور و شور سے اچھالا جاتا ہے اور اسے شانِ صدیق اکبر ؓ کی تنقیص ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی

ہے۔ اسے بھی سماعت فرمایئے پھر حقیقت حال پیش خدمت کی جائے گی آپ باسانی کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں گے۔

وہ کہتے ہیں کہ ۹ھ میں حجاج کا جو قافلہ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوا اس کے امیر حضرت ابوبکر صدیق ؓ مقرر ہوئے، نیز آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ وہاں جا کر حج کے موقع پر سورت برأت کا اعلان کر دیں۔ اس قافلہ کے روانہ ہونے کے بعد حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو اس منصب کے اہل نہ سمجھا اور معزول کر دیا اور وہ قافلہ حجاج کے امیر بھی نہیں بن سکتے تو ساری امت مسلمہ کے امیر کیوں کر بن سکتے ہیں۔

یہ تو ہے ان کی بات۔ اب حقیقت حال پر غور فرمائیں۔

۶ھ کو صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا۔ شرائط صلح میں سے ایک شرط یہ تھی کہ اس دفعہ مسلمان واپس چلے جائیں اور آئندہ سال وہ حج ادا کرنے کے لئے آسکتے ہیں، چنانچہ ۷ھ میں حجاج کرام کا ایک قافلہ تیار ہوا۔ اہم مصروفیات کے باعث سرور عالم ﷺ خود تشریف نہ لے جا سکے اور اپنی جگہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو امیر قافلہ متعین فرما دیا۔

ایک روایت کے مطابق سورہ برأت نازل ہو چکی تھی۔ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو حکم دیا کہ حج کے موقع پر جب جزیرہ عرب کے اطراف و کناف سے حج کرنے کے لئے لوگ جمع ہو جائیں، وہاں سورہ برأت کا اعلان کر دیں۔ وہ قافلہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی قیادت میں مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا، بعد میں نبی کریم ﷺ نے حضرت علی ؓ کو حکم دیا کہ وہ جائیں اور عرفات کے میدان میں حضور ﷺ کی طرف سے سورہ برأت کا اعلان کریں۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ مکہ کی طرف رواں دواں تھے۔ اچانک حضور نبی کریم ﷺ کی اونٹنی قصویٰ کی آواز آپ کے کانوں میں گونجی، فوراً رک گئے اور بڑی بے چینی سے انتظار کرنے لگے۔ خیال ہوا کہ سرکار بنفس نفیس حج کے لئے تشریف لا رہے ہیں لیکن ناقہ سوار پہنچا تو معلوم ہوا کہ اونٹنی پر سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سوار ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے پہلا سوال کیا "انت امیر او مامور" کیا آپ قافلہ حجاج کے امیر بن کر تشریف لائے ہیں یا مامور بن کر یعنی دوسرے عام حاجیوں کی طرح قافلہ میں شرکت کے لئے پہنچے ہیں۔ آپ نے جواب دیا "بل مامور" کہ امیر قافلہ بدستور آپ ہی ہیں مامور بن کر آیا ہوں، چنانچہ اس سفر میں سیدنا علی ؓ، حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی امامت میں نمازیں ادا کرتے رہے۔ آپ کی قیادت میں تمام ارکان حج ادا کرتے رہے۔ یوم ترویہ یعنی آٹھ ذی الحجہ سے ایک دن پہلے حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے بحیثیت امیر الحج تمام لوگوں کو جمع کیا۔ خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں حج کے اسلامی طریقہ سے انہیں روشناس کیا۔ حضرت علی ؓ فقط اس مقصد کے لئے بھیجے گئے تھے کہ کفار و مشرکین کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا اس کے کالعدم ہونے کا اعلان کریں اور لوگوں کو یہ بتائیں کہ اس سال کے بعد کسی کافر کو بیت اللہ شریف کا حج کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ عہد جاہلیت کے رواج کے مطابق کوئی شخص ننگا ہو کر طواف نہ کر سکے گا۔ اعتراض تو تب درست ہوتا اگر حضور سرور عالم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو قافلہ حجاج کی امارت سے معزول کر دیا ہوتا اور ان کے بجائے حضرت علی المرتضیٰ ؓ مقرر کئے جاتے۔ جب ایسا نہیں ہوا اور حضرت صدیق اکبر ؓ بدستور امیر الحج کے فرائض انجام دیتے رہے تو پھر محل اعتراض کیا ہے۔ رہی یہ بات کہ حضور ﷺ نے سورہ برأت کے اعلان کے لئے حضرت علی ؓ کو کیوں بھیجا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ سورت حضرت ابوبکر ؓ کی روانگی کے بعد نازل ہوئی۔ تفسیر بیضاوی، مدارک، نیشاپوری جذب القلوب اور دیگر مستند کتب میں اسی روایت کو ترجیح دی گئی ہے اور علماء حدیث کے نزدیک بھی یہی روایت قابل ترجیح ہے۔ لیکن دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت پہلے نازل ہو چکی تھی اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو اس کے اعلان کا بھی حکم دیا تھا۔ اس صورت میں حضرت علی المرتضیٰ ؓ کو بھیجنے کی وجہ یہ ہے کہ عرب میں یہ دستور تھا کہ جب معاہدہ کو کالعدم قرار دینا مقصود ہوتا تو اس کا اعلان، معاہدہ کرنے والا خود کرتا یا اس کا کوئی قریبی رشتہ دار، کیونکہ سورہ برأت کا اعلان عرب کے غیر مسلم باشندوں کے سامنے کیا جانا تھا، جو اسلامی قواعد و ضوابط سے ناواقف تھے۔ اس لئے ان کے مروجہ طریقہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو روانہ فرمایا تا کہ وہ کفار اور مشرکین کے مجمع میں سابقہ معاہدوں کے کالعدم ہونے کا اعلان فرما دیں۔

چھٹا اعتراض:

صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین کے بے رحم نقاد بڑی سنگدلانہ جسارت یہ پروپیگنڈہ کرتے ہوئے نہیں تھکتے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی نماز جنازہ میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمر فاروق ؓ شامل نہیں ہوئے۔ یہ حصول اقتدار کی جنگ میں یوں مصروف ہو گئے کہ سرور عالم ﷺ کی تجہیز و تکفین کے فرائض کی ادائیگی کا انہیں خیال نہ رہا۔

کہنے کو انسان جو جی چاہے کہتا رہے اور لکھنے کو جو جی میں آئے لکھتا رہے۔

آزادی کا زمانہ ہے، کوئی کسی سے یہ پوچھنے کا حق نہیں رکھتا کہ میاں حق و صداقت کا منہ کیوں چڑا رہے ہو۔ اس سعی لاحاصل سے باز

آ جاؤ لیکن کسی کے کہنے یا کسی کے لکھنے سے حقیقت تو نہیں بدل جایا کرتی۔ تاریخ کے انمٹ واقعات تو مسخ نہیں کیے جا سکتے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ کی نمازِ جنازہ اس طرح نہیں پڑھی گئی جس طرح عام لوگوں کی پڑھی جاتی ہے کہ لوگ صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ امام آگے بڑھتا ہے، بلند آواز سے متعدد بار تکبیریں کہتا ہے، سلام پھیرتا ہے اور اس طرح نمازِ جنازہ اختتام پذیر ہو جاتی ہے بلکہ اہلِ سنت اور اہلِ تشیع سب متفق ہیں کہ حضور ﷺ کی نمازِ جنازہ ایک مخصوص طریقہ سے پڑھی گئی۔ حضور کو غسل دینے کے بعد کفن پہنایا گیا اور لحد مبارک کے کنارے پر چارپائی رکھ دی گئی۔ دس دس آدمی اندر داخل ہوتے، صف باندھ کر کھڑے ہوتے جاتے، پہلے حضور ﷺ پر درود و سلام بھیجتے پھر حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتے اور باہر نکل آتے، یہ سلسلہ سوموار کی سہ پہر سے شروع ہوا بقیہ دن آئندہ رات اور منگل کا دن اسی طرح لوگ گروہ در گروہ اپنے آقا کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور ہدیہ صلوٰۃ و سلام پیش کرتے رہے۔ پہلے حضور ﷺ کے خاندان نے یہ شرف حاصل کیا پھر مہاجرین و انصار صف در صف حاضر ہوتے رہے۔ جب سارے مرد نمازِ جنازہ پڑھ چکے پھر عورتوں کی باری آئی، ان کے بچوں نے یہ شرف حاصل کیا، یہاں تک کہ کوئی غلام اور لونڈی بھی ایسی نہ رہی جس نے حاضری نہ دی ہو اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق تو صراحتاً مذکور ہے کہ آپ جب حجرہ شریف میں داخل ہوئے تو ان کے ہمراہ مہاجر اور انصار بھی تھے اور انہوں نے عرض کی:

"السلام علیک ایها النبی ورحمة وبرکاته"

پھر حضور کی نبوت اور رسالت کی گواہی دی۔

نمازِ جنازہ کی یہ کیفیت کتبِ اہلِ سنت میں مذکور ہے۔ اب شیعہ حضرات کی معتبر کتب کے حوالے سے ملاحظہ فرمایئے تاکہ یہ غلط فہمی آپ کے ذہن سے نکل جائے۔ اصول کافی جو ان حضرات کی حدیث کی معتبر ترین کتاب ہے۔ اس میں حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں:

عن ابی مریم الانصاری عن ابی جعفر علیه السلام قال قلت له کیف کانت الصلوة علی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال لما غسله امیر المومنین علیه السلام و کفنه سجاه ثم ادخل علیه عشرة فداروا حوله ثم واقف امیر المومنین فی وسطهم وقال ان الله وملائکته یصلون علی النبی یایها الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما فیقول القوم کما یقول حتی صلی علیه اهل المدینه و اهل العوالی.

(اصول کافی جلد دوم صفحہ ۴۶۱ کتاب الحجہ)

ابومریم انصاری نے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ پر نمازِ جنازہ کی کیفیت بتایئے آپ نے فرمایا جب امیر المومنین نے حضور کو غسل دیا اور کفن پہنایا تو اوپر چادر ڈال دی پھر حجرہ میں دس آدمی داخل ہو گئے جو حضور کے ارد گرد دائرہ بنا کر کھڑے ہو گئے اور یہ آیت تلاوت کی ان الله وملائکة (الآیہ) یہ لوگ آپ کی زبان سے جو نکلتا اس کو دہراتے رہے یہاں تک کہ تمام اہلِ مدینہ اور اردگرد کی بستیوں میں رہنے والوں نے نمازِ جنازہ ادا کی۔

اس کتاب کی دوسری حدیث جس کے راوی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ہیں اس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد منقول ہے:

یایها الناس ان رسول الله صلی الله تعالی علیه وآله سلم امام حیا ومیتا وقال انی ادفن فی البقعة التی اقبض فیها ثم قام علی الباب فصلی علیه امر الناس عشرة عشرة یصلون علیه ثم یخرجون.

حضرت علی نے فرمایا: اے لوگو! رسول اللہ ﷺ اپنی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی سب کے امام ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے اس جگہ دفن کیا جائے گا جہاں میری روح قبض ہو گی، پھر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حجرہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے نمازِ جنازہ پڑھی پھر لوگوں کو حکم دیا کہ دس دس داخل ہو کر نمازِ جنازہ پڑھتے رہیں اور نکلتے رہیں۔

اسی کتاب میں ایک اور حدیث اسی جگہ پر مذکور ہے:

عن ابی جعفر علیه السلام قال لما قبض النبی ﷺ صلت علیه الملائکه والمهاجرین والانصار فوجا فوجا.

یعنی امام محمد باقر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور کے وصال کے بعد پہلے فرشتوں نے پھر تمام مہاجرین اور تمام انصار نے فوج در فوج، گروہ در گروہ حجرہ شریفہ میں داخل ہو کر نمازِ جنازہ ادا کی۔

اسی کتاب کے مترجم آیۃ اللہ الحاج الشیخ محمد باقر الکمرئی فارسی ترجمہ کے بعد لکھتے ہیں کہ طبرسی نے اپنی مشہور کتاب الاحتجاج میں لکھا ہے:

سپس دہ دہ از مہاجرین و انصار را وارد کرد و بر او نماز خواندند و رفتند تا ہمہ بر او نماز خواندند۔

یعنی پہلے حضرت علی نے اہل بیت کے ساتھ نماز جنازہ ادا کی اس کے بعد دس دس مہاجرین اور انصار کو اندر داخل کرتے اور وہ نماز جنازہ ادا کرتے اور چلے جاتے۔ یہاں تک کہ تمام مہاجرین اور انصار نے نماز جنازہ کا شرف حاصل کیا۔

جب دو روز تک اور بعض روایات کے مطابق تین روز تک رات دن نماز جنازہ کا سلسلہ جاری رہا اور ان کی اپنی تصریحات کے مطابق مہاجرین اور انصار میں سے کوئی بھی ایسا نہ رہا جس نے نماز جنازہ کی سعادت حاصل نہ کی ہو تو پھر یہ پروپیگنڈا کرنا کہ حضرت صدیق اکبر ﷛ اور حضرت فاروق اعظم ﷛ نے نماز جنازہ نہیں پڑھی عقل وانصاف کے سراسر خلاف ہے۔

لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

☆☆☆

شانِ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

سید فیض الحسن شاہ آلو مہار شریف

اوچ شریف کے سادات نے جو علم و آداب اور فہم و فراست کے چراغ روشن کئے تاریخ اسلام کا ایک سنہری باب ہے۔ سید جلال الدین سرخ بخاری، سید صدر الدین بادشاہ، مخدوم جہانیاں جہاں گشت، سید بلھے شاہ اور سید وارث شاہ، ایک ایک نام خورشید کی طرح تابندہ ہے۔ ماضی قریب میں دین متین کا پرچم بلند کرنے والے پیر سید فیض الحسن شاہ آلو مہار شریف اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہیں۔ سید صاحب کی خطابت نے ایشیائی ممالک میں جس طرح فیض بانٹا اور ابر کرم بن کر برسے اس کا نمونہ دیکھنے کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات پر ایک خطبہ ملاحظہ ہو۔

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعد . فاعوذ بالله من الشیطن الرجیم طبسم الله الرحمن الرحیم ط
ثانی اثنین اذ هما فی الغار

شاگرد کی تکمیل، استاد کی قابلیت اور محنت کی دلیل ہوتی ہے اور مریض کی صحت طبیب کی حکمت کا ثبوت ہوتی ہے۔۔۔۔معلم اگر کسی خاص متعلم کی طرف خصوصی توجہ دے اور اسے مسلسل اپنی معیت اور شفقت سے نوازے تو وہ متعلم معلم کی تعلیمی قابلیت کا نمونہ بن جاتا ہے اور اس کی صلاحیتوں اور خوبیوں کے اعتبار سے استاد کی تربیت کی پہچان ہوتی ہے اور جو معلم یا فنکار کسی فن میں کامل ہوتا ہے اس کا شاگرد اسی خصوصی فن کا شاہکار یا آئینہ دار ہوتا ہے۔عمارت کا حسن معمار کی دلیل ہوتا ہے۔شعر کا حسن شاعر کے حسن ذوق کی دلیل ہوتا ہے۔

تربیت انبیاء کے اثرات:

انبیاء علیہم السلام کا خصوصی کام چونکہ انسانی سیرت و کردار کی تزئین و تکمیل ہوتا ہے، اس لئے ان کے تربیت یافتہ صحابہ کرام کی سیرت انبیاء کی پیغمبرانہ اور معجزانہ تربیت کی دلیل ہوتی ہے۔

جس طرح انبیاء کی سیرت سے خدا کے کمال تخلیق کا عرفان ہوتا ہے، اسی طرح انبیاء کے رفقاء کی شخصیت سے انبیاء کے حسن تربیت اور فیضان صحبت کا پتہ چلتا ہے۔

پھر جس کو محبوب کبریا اور امام الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء اپنی خصوصی رفاقت اور معیت کے لئے چن لیں اور خلوت و جلوت۔۔۔۔سفر وحضر۔۔۔۔رزم و بزم میں اپنی خصوصی معیت سے نوازیں اس کی شخصیت کے کمال اور اس کی شخصیت کے جمال کا اندازہ محال ہے۔

تربیت نبوت کا شاہکار:

اور وہ عظیم ہستی۔۔۔۔وہ پروردۂ فیض نبوت۔۔۔۔نگاہ رسالت۔۔۔۔وہ ختم المرسلین کا۔۔۔۔وہ رحمۃ اللعالمین کا رفیق پیہم۔۔۔۔وہ دارفتۂ جمال مصطفائی۔۔۔۔وہ مظہر انوار مجتبائی۔۔۔۔وہ عندلیب باغ رسالت۔۔۔۔وہ پروانہ شمع نبوت۔۔۔۔وہ تربیت نبوت کا شاہکار۔۔۔۔یار غار حضرت ابو بکر صدیق ؓ ہیں۔

حضرت علامہ اقبال اس مومن کی شان میں یوں رطب اللسان ہیں:

آں امن الناس بر مولائے ما
آں کلیم اول سینائے ما
ہمت او کشت ملت را چوں ابر
ثانی اسلام و غار و بدر و قبر

حضرت صدیق اکبرؓ کا تعارفی خاکہ:

اسلام کے پہلے خلیفہ۔۔۔۔خاتم المرسلین کے جانشین۔۔۔۔حضرت ابو بکر صدیق ؓ ہیں۔آپ کا اصل نام عبداللہ۔۔۔۔کنیت ابو بکر۔۔۔۔صدیق لقب ہے۔۔۔۔باپ کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ تھی۔آپ کی والدہ ماجدہ کا نام ام الخیر سلمہ تھا۔۔۔۔ان کا تعلق خاندان قریش کے قبیلہ بنو تیم سے تھا، جو عرب میں اپنی نجابت اور وجاہت کے لحاظ سے بہت اہمیت رکھتا تھا اور مقدمات قتل میں خون بہا کا فیصلہ اسی خاندان کے سپرد تھا۔حضرت ابو بکر صدیق ؓ عمر میں حضورؐ سے دو برس چھوٹے تھے۔

دور طفولیت سے ہی شرافت، دیانت، متانت اور صداقت کے پیکر تھے۔اس لحاظ سے حضورؐ سے طبعی اور فطری مناسبت کے حامل تھے۔

پہلے اسلام لانے والے:

حضورؐ کے دعوئ نبوت کے بعد بالغ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے آپ ہی تھے کہ دیرینہ رفاقت اور مناسبت کی وجہ سے مزاج نبوت کے عارف تھے اور اس عرفان نے ہی وہ ایقان بخشا کہ فوراً ہی صداقت نبوت پر ایمان لائے۔

دولت ایمان کے ساتھ ساتھ مال و دولت دنیا میں بھی آپ ممتاز تھے۔حضرت ابو بکر صدیق ؓ کپڑے کی تجارت فرماتے تھے۔حلقہ بگوش اسلام ہونے کے وقت چالیس ہزار درہم کے مالک تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے اس تمام مال کو اسلام کے راستے میں خرچ کر دیا۔

تبلیغ صدیق کے ثمرات:

آپ کے اسلام لانے اور تبلیغ دین فرمانے کی وجہ سے بہت سے لوگ دین متین میں داخل ہوئے، ان میں سے حضرت زبیر، حضرت

عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

بہت سی لونڈیوں اور غلاموں کو اسلام لانے کی پاداش میں جو اپنے مالکوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے، آپ نے خرید کر آزاد فرمایا۔ حضرت بلالؓ بھی انہی لوگوں میں شامل ہیں۔

آپ کے ملی ایثار کی تعریف فرماتے ہوئے حضورﷺ نے فرمایا:

''ابوبکر کے مال سے بڑھ کر کسی کے مال نے مجھے نفع نہیں پہنچایا۔''

اسلام کے لئے مصائب کا سامنا:

معزز اور محترم شخصیت ہونے کے باوجود آپ کو اسلام کی راہ میں صعوبتیں بھی اٹھانا پڑیں۔ ایک مرتبہ مشرکین نے آپ کو اتنا پیٹا کہ آپ بے ہوش ہوگئے۔

حیات میں نفرت کی ہر پرخار وادی سے گزرنا پڑا۔ آپ کو کاروباری مقاطعات اور ترک وطن تک کی نوبت آئی لیکن جبین صداقت پرشکن تک نہ آئی۔

محویت محبت رسالت و صداقت نے آلام دنیا سے بے نیاز کر دیا۔

دلوں کو فکرِ دو عالم سے کر دیا آزاد
مرے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

محبت کی صداقت:

عشق نبوت اور محبت کی صداقت کو ایسا نبھایا کہ تکمیل تک پہنچایا اور محبت و وفا کا وہ معیار قائم کیا کہ یارِ غار کی ترکیب اظہار صدق و صفا کے لئے محاورہ بن گئی۔

''عشق نے حسن کو اتنا چاہا کہ خود زبان حسن سے صدیق کا انعام پایا''

واقعہ معراج کو عقل نا تمام کی زد سے باہر پا کر جب لوگوں نے انکار کیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مومنانہ بصارت سے بلا توقف اس واقعہ کی تصدیق کر کے صدیق کا لقب پایا۔

جس طرح رستم کا نام شجاعت تھا
جس طرح حاتم طائی کا نام سخاوت تھا

جس طرح حضرت یوسف کا نام حسن صورت میں ضرب المثل ہے، اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رفاقت بھی ضرب المثل ہے۔

حضرت علامہ اقبال نے اپنے شعر:

ہمت او کشتِ ملت را چوں ابر
ثانیِ اسلام و غار و بدر و قبر

میں دراصل قرآن حکیم کی آیت ثانی اثنین اذھما فی الغار کی نفیس اور حکیمانہ تشریح کی ہے۔ غار میں دوسرے یقیناً حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی ہیں۔

اسلام لانے کے بعد حضور نبی کریمﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دوسرا نمبر ہے۔ غار میں بھی دوسرے نمبر پر تھے۔

بدر میں بھی جب حضورﷺ حق و باطل کی جنگ میں جب حضورﷺ فتح و نصرت کی دعا فرما رہے تھے تو آمین کہنے والے بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔ قبر میں بھی سب سے پہلے رفاقت مصطفےٰ حاصل کرنے والی یہی ہستی تھی۔

غار کا ساتھی:

جب کفار مکہ نے کاشانہ نبوت کا محاصرہ کر لیا اور جان لینے کے درپے ہوئے تو حضورﷺ حضرت صدیقؓ کے گھر کو ہی حصار عافیت سمجھ کر آپ کے پاس تشریف لے آئے۔ ان نازک حالات میں سفر ہجرت میں اپنی معیت اور خدمت کے لئے صدیق کو ہی چنا گیا۔

نبوت کی نظر میں یہ انتخاب حکم خداہی تھا۔ اس سے حضرت صدیق اکبرؓ کے ایمان کی خدائی تصدیق و تائید ہوتی ہے۔

غار میں پہلے خود داخل ہو کر غار کو صاف کر کے حضورﷺ کو بلا کر اپنی آغوش محبت میں سمیٹ کر تین دن تک اس پیکر خوبی و جمال کی بارگاہِ ناز میں پذیرائی نیاز اور عشق کا حسن کو تنہا پانا اور دیکھنا اور اس محویت دید جمال میں سانپ کے ڈسنے تک سے بے خبر رہنا اور محبوب خدا کے

لعاب پاک کے تریاق سے زہر کو تریاق اور موت کو حیات بنالینا کمال کرامت وصداقت ہے۔

نصِ قرآنی میں لصاحبه کہہ کر صدیق اکبر ﷺ کی صداقتِ ایمانی کی تسلیم کو ضروریات دین میں شمار کر دیا۔ اور" لا تحزن ان الله معنا" کی نوید کے لئے اکبر کو خصوصی معیت نبوت کی بشارت میں شامل کر دیا۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

قیامت کو صدیق کے لئے جمالِ خدا کی ایک خاص تجلی ہوگی۔

قیامت کو صدیق کے لئے جمالِ ذات کی ایک خاص تجلی ہوگی۔

حزن سے پاک کر دیئے گئے:

حزن وملال جو حیاتِ مستعار کے ناگزیر کانٹے ہیں وہ لا تحزن کی نوید جانفزا سے حضرت صدیق ﷺ کے قلب باصفا سے نکال کر اطمینان کے سدا بہار پھولوں سے دل کے گوشوں کو معطر کر دیا گیا اور دنیوی واخروی حسن سے قلب صدیق ﷺ کو پاک کر دیا گیا۔

صدیق ﷺ دوزخ سے آزاد (فرمان رسول)

ترمذی میں ام المومنین حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اے ابوبکر تو عتیق من النار ہے"۔

یعنی تو دوزخ سے آزاد ہے۔

ابوبکر کا دروازہ کھلا ہے (فرمان رسول)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"سب کے دروازے مسجد سے بند کر دو لیکن ابوبکر صدیق ﷺ کا دروازہ کھلا رہنے دو۔"

اسلام کا بڑا محسن صدیق (فرمان رسول):

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

اسلام کا سب سے بڑا محسن، میرا رفیق اور معاون ابوبکر ہے۔

اگر خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا (فرمان رسول):

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

اگر میں اپنے رب کے بغیر کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔

ابوبکر کے پاس چلے جانا (فرمان رسول):

ایک صحابی نے حضور سے گذارش کی۔

آپ نے فرمایا پھر آنا۔

اس نے کہا یا رسول اللہ اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو کیا کروں؟ تو فرمایا ابوبکر کے پاس چلے جانا۔

ابوبکر کا احسان خدا دے گا (فرمانِ رسول)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا! میں سب کے احسانوں کا بدلہ دے چکا ہوں مگر ابوبکر صدیق ﷺ کا احسان بے حساب ہے۔ اللہ تعالیٰ ابوبکر صدیق ﷺ کے احسانوں کا بدلہ قیامت میں چکائے گا۔

ابوبکر ہمارے سردار ہیں (عمر فاروق ﷺ):

حضرت عمر ﷺ سے روایت ہے کہ ابوبکر ﷺ ہمارے سردار اور ہم سب سے بہتر ہیں اور ہم سب سے زیادہ حضور ﷺ کو محبوب تھے۔

حضرت عمر ﷺ عنہ کا قول:

حضرت عمر ﷺ فرماتے ہیں کہ اے کاش میری زندگی کے تمام اعمال ثواب میں غارِ ثور میں حضرت ابوبکر ﷺ کی معیت کی ایک رات کے برابر ہو جاتے۔

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے اپنا تمام خاندانی جاہ وجلال، اپنا تمام مال ومنال بے قیل وقال ہر چیز اسلام پر قربان کر دی اور قربانی وایثار

کے میدان میں ہمیشہ اولیت کا مقام حاصل کیا۔

سارا مال قربان کر دیا:

ایک دفعہ خوشحالی کے دور میں حضرت عمر فاروق ؓ اپنا نصف اثاثہ خدمت دین کے لئے لے کر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور دل میں خیال کیا کہ دیکھوں صدیق آج مجھ سے کیسے سبقت لے جاتے ہیں۔

حضور ﷺ کے استفسار پر فرمایا آدھا مال خدمت دین کے لئے لے آیا ہوں اور آدھا مال اہل وعیال کے لئے چھوڑ آیا ہوں حضور ﷺ نے اس ایثار پر خوشنودی کا اظہار فرمایا۔

ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ

اتنے میں وہ رفیق نبوت بھی آ گیا
جس سے بنائے عشق محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ ہر چیز
جس سے چشم جہاں میں ہو افتخار
بولے حضور چاہئے فکر عیال بھی
کہنے لگا وہ عشق ومحبت کا راز دار
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

اور بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

فدائے ہمت آں رند مستم
خدارا گفت مارا مصطفےٰ بس

ہر امتحان میں کامیاب:

اسلام کی تبلیغ اور ابتدائی دور ابتلاء میں حضرت صدیق اکبر ؓ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ رہے۔ ہر کٹھن امتحان اور ہر کڑے وقت میں کوہ استقامت بن کر باطل کی یورشوں کا مقابلہ کیا۔ جانی و مالی اور ایثار وقربانی کے ہر امتحان میں کامیاب وکامران رہے۔

اپنی قربانیوں اور مخلصانہ خدمات سے بارگاہ رسالت ﷺ میں وہ قرب ورسوخ حاصل کیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔

خلافت کے ثمرات:

آپ نے نبوت کی طویل ترین معیت وتربیت سے ایسی حسین وجمیل شخصیت پائی جو تربیت نبوت کا شاہکار ہے اور اسلامی اخلاق وکردار کی اعلیٰ ترین آئینہ دار ہے۔

اسی تعلیم وتربیت کا اثر تھا کہ حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد اس منصب جلیلہ کو اس خوبی سے نبھایا کہ قصر اسلام استوار اور نظام اسلام پائیدار ہو گیا اور اسلام کا دائرہ عرب سے عجم تک پہنچ گیا۔ داخلی اور خارجی طور پر اسلامی معاشرہ قرآنی اقدار کا مظہر بن گیا۔

وصال نبوی کے وقت ثابت قدمی:

رسول خدا ﷺ کی رحلت کے حادثہ سے مسلمانوں کے دلوں پر رنج وغم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ہزاروں داخلی اور خارجی دبے ہوئے فتنوں نے سر اٹھایا۔

فراق رسالت مآب ﷺ کے اندوہ کے ساتھ ساتھ اسلام کی بقا اور تحفظ کی عظیم ذمہ داریاں بھی مسلمانوں پر آ پڑیں۔ اس نازک وقت پر حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے خلافت وامارت کی عظیم ذمہ داری کے بوجھ کو مومنانہ عزم کے ساتھ اٹھایا اور تربیت نبوت سے حاصل شدہ فراست مومنانہ سے ہر الجھن کو سلجھایا اور ہر فتنے کو دبایا۔

اسلام کی بقا اور اسلام کی اشاعت کو تیز تر فرمایا اور تھوڑے ہی وقت میں حالات پر مکمل قابو پا لیا اور امن وسلامتی کا وہ ماحول پیدا کر دیا جو تعلیم قرآنی کا مقصد ہے۔

وارفتگی کا انداز:

حضور ﷺ کی رحلت کی خبر سے ہر دل بے چین اور دماغ پریشان ہو گیا۔ وارفتگان محبت کی وارفتگی بے قابو ہو گئی اور حضرت عمر فاروق ؓ

جیسے حوصلہ مند انسان بھی عالم وارفتگی میں خنجر بکف ہو گئے۔ اس خبر کی اشاعت کو روکنے کے لئے کچھ لوگ گم سم تھے۔

کچھ محوِ گریہ تھے

کچھ گم سم تھے

کچھ سر بگریباں تھے

قیامت کا منظر تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے تمام مسلمانوں کو ایسے رنگ میں تلقین صبر کی اور اس طرح اس حادثہ فاجع کی توضیح کی کہ مچلتے ہوئے جذبات سنبھلنے لگے اور غم کے طوفانی بادل چھٹنے لگے۔

آپ ؓ نے فرمایا:

جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ حضور نے رحلت فرمائی ہے۔ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ حی و قیوم ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔

پھر آپ نے قرآن پاک سے اسی مسئلہ کے سلسلہ میں آیت پڑھی:

یہ آیت اس موقعہ محل سے ایسی مناسبت رکھتی تھی کہ بعض صحابہ کو یوں معلوم ہوا کہ یہ اسی واقعہ کے لئے نازل ہوئی ہے اور بعض کو ایسے معلوم ہوا کہ اس کا مفہوم ہم پر آج ہی واضح ہوا ہے۔

ابوبکر صدیق کا خطبہ:

خلافت کی ذمہ داری کو سنبھالتے ہی آپ نے جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا وہ اسلامی حکومت کے مقاصد اور اسلامی معاشرہ کی اہمیت اور مسلم معاشرہ کی مساوات کا مقدس منشور ہے اور اس سے آپ کی انتہائی گہری اسلامی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد آپ ؓ نے فرمایا:

''لوگو! میں تمہارا صاحب بنایا گیا ہوں لیکن میں تم سب سے بہتر نہیں ہوں۔

اگر میں نیک کام کروں تو اس میں تم میری مدد کرو اور اگر غلطی کروں تو مجھے ٹوکو۔

صدق امانت ہے اور کذب خیانت۔ تمہارا کمزور شخص میرے نزدیک قوی ہے۔ جب تک میں اس کا حق نہ دلا دوں اور تمہارا قوی میرے نزدیک کمزور ہے جب تک جو اس کے ذمے ہے وہ وصول نہ کر لوں۔

جو قوم اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد ترک کر دیتی ہے اس پر ذلت وخواری مسلط ہو جاتی ہے۔

اگر کسی قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے تو اللہ اس قوم پر بلائیں اور عذاب نازل کرتا ہے۔

تم میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں۔

اگر میں ان کی اطاعت نہ کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں

اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے''

حضرت اسامہ کا لشکر:

حضور رسالت مآب ﷺ نے وصال سے پہلے ملک شام کی مہم کے لئے ایک لشکر تیار فرمایا تھا اور اس کی قیادت حضرت اسامہ کے سپرد فرمائی تھی کیونکہ ان کے والد شام کی پہلی مہم میں شہید ہو گئے تھے۔

حضور اکرم ﷺ کی علالت کی خبر سن کر یہ لشکر مہم کے لئے روانہ نہ ہوا۔ تا آنکہ حضور ﷺ نے رحلت فرمائی۔ جس کے نتیجہ میں مانعین زکوٰۃ، منافقین اور جھوٹی نبوت کے فتنوں نے سر اٹھایا۔

ابوبکر یہ لشکر نہیں روک سکتا:

لیکن حضرت صدیق اکبر ؓ نے جیش اسامہ کو روانگی کا حکم فرمایا۔ اکابر صحابہ کرام نے مشورہ دیا کہ داخلی فتنوں کے اس دور میں لشکر کو باہر بھیجنا مناسب نہیں کیونکہ خود مدینہ پاک کی سلامتی خطرہ میں ہے لیکن اس وارفتہ محبت وطاعت رسول نے فرمایا:

''جس لشکر کو حضور روانہ ہونے کا حکم دے چکے ہیں، میں اس کو ضرور روانہ کروں گا خواہ مدینہ میں اکیلا ہی رہ جاؤں اور مجھ پر بڑی سے بڑی مصیبت آ جائے لیکن ارشاد نبوی ضرور پورا ہوگا''۔

صحابہ نے مشورہ دیا کہ اسامہ ابھی ناتجربہ کار ہیں اور نوجوان ہیں لشکر میں زیادہ تجربہ کار افراد موجود ہیں لہٰذا کسی اور مناسب فرد کو لشکر کی قیادت سونپی جائے لیکن حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے ان لوگوں کو ڈانٹا اور کہا:

جس کو سرکار رسالت مآب ﷺ قیادت دے گئے ہوں اسے میں کیسے ہٹادوں۔

فرمانِ رسول ﷺ کا یہ احترام اور حکم رسول کی یہ اتباع حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کا طرہ امتیاز ہے۔ آپ پیادہ پا لشکر اسامہ کو الوداع کرنے گئے۔ حضرت اسامہ ﷺ نے اصرار کیا کہ حضور سوار ہو جائیں یا مجھے بھی پاپیادہ چلنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم سوار ہی رہو، ذرا اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں میرے پاؤں کو بھی خاک آلود ہونے دو''۔

حاکم وقت کی یہ درویشانہ انکساری اسلامی مساوات کی بڑی ہی مؤثر اور ثابت قدم مثال ہے۔

شرپسندوں کی شرانگیزی:

لشکر کی روانگی کی خبر سن کر شرپسندوں نے اس موقعہ کو غنیمت جان کر بعض بیرونی قوتوں کے ایماء پر مدینہ منورہ پر لشکر کشی کی۔

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے کمال مستعدی سے تھوڑے سے لشکر کو ہمراہ لے کر اچانک ان لوگوں پر حملہ کر دیا۔ اس فوری کاروائی سے وہ لوگ بھاگ نکلے اور یوں یہ خطرہ ٹل گیا۔ اسی اثناء میں لشکر اسامہ بھی واپس آ گیا اور مرکز اسلام کی عسکری قوت مضبوط ہو گئی۔

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ جانی و مالی قربانی وایثار کے ہر امتحان میں سرخرو رہے۔ آپ ﷺ نے اپنی مستقل قربانیوں اور مخلصانہ خدمات سے بارگاہِ رسالت ﷺ میں وہ قرب اور رسوخ حاصل کیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔

تربیت ومعیت کے اثرات:

نبوت کی طویل ترین تربیت ومعیت سے ایسی حسین وجمیل شخصیت پائی جو تربیت نبوت کا شاہکار ہے اور اسلامی اخلاق و کردار کی اعلیٰ ترین آئینہ دار ہے۔

اسی تعلیم وتربیت کا اثر تھا کہ حضور رسالت مآب ﷺ کے وصال کے بعد حضور ﷺ کے پہلے خلیفہ اور جانشین بننے کے بعد اس منصب جلیلہ کو حسن وخوبی سے نبھایا کہ قصرِ اسلام استوار اور نظامِ اسلام پائیدار ہو گیا۔

مرتدین ومانعین زکوٰۃ کی سرکوبی:

بعض صحابہ نے مشورہ دیا کہ جھوٹے مدعیانِ نبوت اور مرتدین ومنافقین کے اجتماعی خطرہ کے پیش نظر مانعین سے پرخاش موزوں نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے جرأت ایمانی سے کام لیتے ہوئے فرمایا:

''زکوٰۃ بھی نماز ہی کی طرح فرض ہے۔ میں اس سلسلہ میں ذرا بھی نرمی نہیں کر سکتا اگر ایک معمولی رسی بھی کسی کے ذمے ہے تو میں وہ ضرور حاصل کر کے رہوں گا''

ان واقعات نے ثابت کر دیا کہ آپ کا ہر فیصلہ کتنا درست تھا اور اس کے دوررس اثرات ونتائج سے اسلام کو بے حد تقویت حاصل ہوئی۔

مدعیانِ نبوت کی سرکوبی:

جھوٹے مدعیانِ نبوت برساتی مینڈکوں کی طرح رسالت مآب ﷺ کی رحلت کے بعد نمودار ہوئے اور پھر جو اپنے اپنے مخصوص مذموم مقاصد کی خاطر ان کے گرد جمع ہو گئے اور ملک میں ہر طرف بدامنی پھیلا دی۔

ان میں اسود عنسی نے یمن میں، مسیلمہ کذاب نے قوم بنوحنیفہ میں اور نے جو اپنی قوم کا سردار اور مشہور جنگجو تھا، نجد میں اور سجاح نے وسط عرب کے قبیلہ بنی یربوع میں دعویٰ نبوت کیا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے کمال جرأت وتدبر سے اس فتنہ کی سرکوبی کی اور اس نازک صورتِ حال سے بڑی کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے۔

ہدایت کا ابدی شعور:

مخالفوں کے شر وفساد، مخالفت وعناد، عہد شکنی اور ظلم وتشدد کے باوجود عین جنگ کی حالت میں اسلام کی اعلیٰ اقدار کا تحفظ کیا۔ اس سلسلہ میں اپنے سپہ سالاروں کو جو ہدایت نامہ جاری فرمایا وہ ہمیشہ کے لئے تمام اقوام عالم کے لئے روشنی اور ہدایت ابدی کا منشور قرار دیا جا سکتا ہے جس نے جنگ کو بھی وحشیانہ حدود وقیود سے آشنا کر دیا۔

حضرت صدیق اکبر ﷺ نے فرمایا: